تاریخِ ریاست منکیرہ
ملک دوست محمد کھوکھر
پبلشرز: ملک دوست محمد کھوکھر، منکیرہ
ملنے کا پتہ: عزیز برادرز، تاجران کتب اردو بازار بھکر فون 851

تاریخ
ریاست منکیرہ
از
ملک دوست محمد کھوکھر
ملنے کا پتہ
عزیز برادرز اردو بازار بھکر
دوست کتاب گھر قلعہ منکیرہ ضلع بھکر

نام کتاب ـــــــــــ تاریخ ریاست منکیرہ
نام مصنف ـــــــــــ ملک دوست محمد کھوکھر
ناشر ـــــــــــ سربلند اسلامی ادبی مجلس منکیرہ
کتابت ـــــــــــ شمشاد نظر، بھکر
تعداد اشاعت ـــــــــــ ایک ہزار
بار اول ـــــــــــ ۱۹۸۸ء
مطبع ـــــــــــ بھکر پرنٹنگ پریس بھکر

قیمت [illegible] روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

القرآن الحکیم

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی
یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ۔

ترجمہ

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

(مولانا ظفر علی خاں)

الانتساب

میں اِس حقیر سی تصنیف کو اُن گمنام انسانی
رُوحوں کے نام معنون کرتا ہوں کہ جنہوں نے عظیم تھل
میں اسلامی تہذیب و ثقافت کو زندہ و تابندہ رکھا۔

خاکسار

ماسٹر دوست محمد کھوکھر
منکیرہ ضلع بھکر

فہرست

حرفِ آغاز

یونس کمال لودھی ایڈیشنل چیف وارڈن سول ڈیفنس و
پریذیڈنٹ ڈسٹرکٹ سوشل ویلفیئر کونسل بھکر۔ ضلع بھکر

دانا و بینا، فہمیدہ و سنجیدہ اور ذہین و فطین لوگ دُنیا میں جو بھی کام انجام دیتے ہیں اُس میں غیر معمولی معنیت و تاثر کے ساتھ ساتھ انتہائی دل کشی و دلبری اور نرالا پن بھی نمایاں ہوتا ہے۔ جناب ملک دوست محمد کھوکھر صاحب کی زیرِ نظر کتاب "تاریخ ریاستِ منکیرہ" اُن تمام خصوصیات کی حامل ہے جو کسی بھی مورخ کی تصنیف میں پائی جانی ضروری ہیں۔ فاضل مصنّف کی طبیعت کا نمایاں امتزاج خالصتاً مذہبی، قومی اور سماجی ہے جو بمشکل ہی کسی شخصیت میں یکجا ہوتے ہیں۔ جذبات و خیالات کا مناسب اظہار اور متانت و سنجیدگی موصوف کے قلب و ذہن کی منہ بولتی تصویر ہے۔ مضامین میں روانی و تسلسل، سلاست و حلاوت اور بے لاگ گہری تاریخی تحقیق و جستجو جناب کھوکھر صاحب کی تصنیف کا عکسِ جمیل ہے جو یادگارِ زمانہ رہے گا۔

ملک صاحب، مدّت سے لق و دق، گرم و خشک، بے آب و گیاہ ریگزار "عظیم تھل" ریاست منکیرہ کی تاریخ ضبطِ تحریر میں لانے کی لگن میں مگن تھے اور یہی لگن اہلِ علم کی قلمی فنکاری شمار ہوتی ہے۔ اسی فنکاری کی چنگاری نے زمانے کی صبر آزما ستم ظریفیوں، یاس و محرومی کی حوصلہ شکن پریشانیوں، اور حزن و ملال کی تاریک گہرائیوں میں بھی مشعلِ راہ کا کام دیا۔ تب کہیں جا کر یہ تاریخی تحقیق کا تاریخی کارنامہ کامیابی سے ہمکنار ہوا۔

بھارت سے ہجرت کے بعد جب میں نے منکیرہ میں بسیرا کیا تو میری ملاقات، فاضل مصنّف سے ہوئی۔ یہی منکیرہ مصنّف موصوف کا مولد و مسکن ہے۔ اندرونِ قلعہ منکیرہ ان کی سٹیشنری کی چھوٹی سی دکان ہے جس میں وہ اپنے مختصر سے کاروبار میں ہمہ تن منہمک رہتے ہیں۔ ادبی، علمی اور سماجی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لینا اُن کی شخصیت کا نمایاں پہلو ہے۔ نہایت صالح سُلجھے خیالات اُن کا طُرّۂ امتیاز ہیں۔ منکیرہ میں دوست محمد کا سٹیشنری مرکز علم دوست حضرات کا واحد سٹیشن ہے۔ جہاں ادیب۔ خطیب۔ علیم کلیم۔ حکیم فہیم۔ عقیل وکیل عاقل فاضل۔ طرحدار فنکار۔ دانشوار سخنور اور وضعدار زمیندار سبھی صفات کے لوگ مل بیٹھتے ہیں گویا موصوف کی علمی شخصیّت کو مقناطیسی جاذبیت و اہمیت کی سعادت حاصل ہے۔ کسی بزرگ شاعر نے سچ فرمایا کہ ؎

درد ہو دل میں تو در در آگاہ دیوانے بہت
شمع کو جلنے کا ڈھب آئے تو پروانے بہت

معاشی مجبوریوں کے باوجود (جو ہمیشہ اہلِ قلم کا مقدر رہی ہیں) موصوف محترم نے ادبی سرگرمیوں کو باقاعدہ جاری رکھا اور مخلصانہ کاوشوں سے منکیرہ کے ریگزار میں ایک ادبی تنظیم "سربلند اسلامی ادبی مجلس" کی شجرکاری کی جو تمام مکاتبِ فکر حضرات کی جولان گار بن چکی ہے اور ہر لحاظ سے کامیابی کے منازل طے کر رہی ہے۔ ایسی ہی شخصیتوں کے متعلق علامہ اقبال نے فرمایا کہ ؎

فطرت کے تقاضوں کی کرتا ہے نگہبانی
اک بندۂ صحرائی یا مردِ کوہستانی

یوں تو عظیم ریاست منکیرہ (جس میں کبھی موجودہ اضلاع میانوالی۔ خوشاب۔ جھنگ۔ بھکر۔ لیہ مظفرگڑھ۔ ڈیرہ اسماعیل خان اور بنوں شامل تھے) کے نقوش قبل از تاریخ شاہد ہیں کہ یہاں بے شمار اہلِ علم۔ ادیب، علماء، فضلاء پائے جاتے تھے لیکن انھیں تحقیق و تلاش کا موقع نہ ملا اور اس ریگزار نے ایسی بھی بہت سی شخصیتوں کو جنم دیا جن کے علم و فن کا ایک زمانہ صدیوں سے معترف چلا آرہا ہے مگر معلوم نہیں وہ کیوں اپنے علاقے عظیم تھل منکیرہ کی گمشدہ تاریخ کو زیادہ مربُوط طور پر تحریر نہ کرسکے۔

یہ وہی سرزمین ہے جسے آریوں، مصریوں، ایرانیوں، یونانیوں، عربوں، راجپوتوں، بلوچوں، مغلوں پٹھانوں نے اپنی قلمرو میں شامل رکھا مگر عظیم تھل ریاست منکیرہ کے تاریخی کردار پر بہت کم مواد مورخین نے محفوظ کیا۔ بلیشتر واقعات صُوبہ ملتان کے تاریخی دامن میں اُلجھے ہُوئے ملیں گے۔ کچھ کو جھنگ اور دیگر علاقوں کے تاریخی دامن میں ڈال کر منکیرہ کی تاریخی حیثیت کو خلط ملط کر دیا گیا ہے۔ اِن بکھرے ہُوئے واقعات کو سمیٹنا اور ترتیب دینا بظاہر غیر ممکن سا نظر آتا تھا، لیکن پریشانی و تنگدستی کے باوجود محترم ملک دوست محمد نے علم دوستی کا حق ادا کر دیا اور تحقیق و مطالعہ کی مہم سَر کرنے کے لئے سینکڑوں کتابوں، دستاویزات، سینہ بہ سینہ معلومات، شجروں، کتبوں اور آثارِ قدیمہ سے ذرّہ ذرّہ تلاش کر کے اپنی شاہکار کتاب "تاریخِ ریاست منکیرہ" مرتّب کی جس کا حرفِ آغاز لکھنے کی سعادت مجھ خاکسار، خطاکار کو نصیب ہُوئی مگر الفاظ کی تہی دامنی اور اور اپنی بے بضاعتی کا ناچیز کو شدّت سے احساس ہے۔

تاریخ کے طالبِ علم کی حیثیت سے مجھے بھی ذوق تھا کہ عظیم تھل کی ریاست منکیرہ کے شُنیدہ تاریخی واقعات کی کسی طرح تصدیق ہو۔ چنانچہ چھ جلدوں پر مشتمل کتاب کے قلمی مسوّدے کو بڑی دل جمعی سے لفظ بہ لفظ پڑھنے کے بعد نہ صرف میری معلومات میں اضافہ ہوا بلکہ بیش بہا علمی خزانہ بھی مجھے ملا۔ بقول علامہ ڈاکٹر محمود الرحمٰن

صاحب سے

صدیوں سے اس جہاں میں صحرا نورد انساں
خونِ دل و جگر سے گلشن سجا رہے ہیں

کتاب دس ابواب پر محیط ہے۔ پہلے باب میں عہدِ قدیم سے ۱۱۹۳ء تک کے حالات و واقعات کے علاوہ بیرونی اقوام کے حملوں اور ان کے اثرات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ دوسرے باب میں عرب اقوام کے ڈیڑھ سو سالہ دورِ حکومت اور ان کے عروج و زوال پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ تیسرے باب میں میکن اقوام کی سیاسی بصیرت، دُور اندیشی اور مصلحت کوشی کو مدِ نظر رکھ کر ان کی عظیم حکمرانی کو موضوعِ بحث بنایا گیا۔ چوتھے باب میں بلوچ اقوام، دودائی، ہوت، رِند، میرانی، جسکانی اور کلہوڑوں کے ساڑھے تین سو سالہ دورِ اقتدار کو بالتفصیل بیان کیا ہے اور ان اسباب کا جائزہ لیا گیا ہے کہ عظیم تھل کی ریاست منکیرہ کو کس طرح مغلیہ دورِ حکومت میں بفر سٹیٹ کا درجہ حاصل ہُوا۔ پانچویں باب میں سدّوزئی پٹھانوں کے سترہ سالہ زرّیں دورِ حکومت اور اسلامی اصلاحات و تعمیرات کی عکاسی کی گئی ہے۔ چھٹے باب میں سکھوں کے اٹھائیس سالہ جبر و استبداد اور وحشت و بربریّت کے دَور کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ساتویں باب میں انگریزوں کے صد سالہ دورِ حکومت پر تفصیلاً بحث کی گئی ہے کہ انھوں نے برِصغیر پاک و ہند پر اپنے جابرانہ تسلّط کو دوام بخشنے کے لئے کس طرح مسلمان نوابوں اور حکمرانوں کو تختۂ مشق بنایا اور ان کی اسلامی معاشرت کو مٹانے کے لئے کیسے کیسے گھناؤنے اقدام کئے۔ آٹھویں باب میں قیامِ پاکستان کے تاریخی پس منظر کو مدِ نظر رکھا گیا ہے۔ نویں باب میں ریاست منکیرہ کی ذیلی ریاستوں اور اُن کے آثارِ قدیمہ کا جائزہ لیا گیا ہے۔ دسویں باب میں منکیرہ کو ماضی و حال کے آئینے میں پیش کیا گیا ہے جس میں منکیرہ کی مذہبی، سیاسی، علمی اور ادبی شخصیّات، رفاہی اداروں، دینی درس گاہوں، شہر و قصبات، تہذیب و تمدّن کلچر و ثقافت، کے علاوہ بزرگانِ دین اور اُن کے عُرس کا تذکرہ نہایت خوش اسلوبی سے سُپردِ قرطاس کیا گیا ہے۔ نیز "منکیرہ تحصیل بناؤ کمیٹی" کی کارکردگی اور صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کی عوامی بھلائی و بہبود کے کارناموں پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے جس کے تحت پاکستان بھر میں کئی نئے ڈویژن، بہت سے اضلاع اور تحصیلیں بنائی گئی ہیں۔ ان میں ایک منکیرہ تحصیل بھی ہے جو کبھی عظیم تھل کی وسیع و عریض ریاست کا دار الخلافہ تھا۔

کتاب میں مندرج تاریخی حوالوں سے منکشف ہوا کہ نو سو سال قبل مسیح میں فرعون اسائریس نے دریائے جمنا کی وادی تک اور چھ سو سال قبل از مسیح فرعون سیاترس نے دریائے جہلم کو اپنی حدِ فاصل بنایا۔ بعد ازاں اس عظیم علاقہ تھل پر "یوچی۔ کشان۔ بگڑین۔ سفید ہُنز اور بوچ خاندان حکمران رہے۔ بھکر۔ کروڑ۔ منکیرہ۔ اموانی (حیدر آباد) کے شہر زمانۂ قدیم سے چلے آرہے ہیں مگر عظیم تھل کی ریاست کا دار السّلطنت ہمیشہ ہر دور میں منکیرہ ہی رہا جسکانی

بلوچوں کے دورِ حکومت میں بھکر کو ذیلی ریاست کا درجہ دیا گیا۔

آخری مسلمان حکمرانوں سدوزئی پٹھانوں کے عہدِ حکومت میں ریاست منکیرہ کو کافی وسعت حاصل ہوئی
اس وقت اس کی حدود مشرق میں تریموں گھاٹ (دریائے جہلم)، مغرب میں کلاچی منگروٹھہ، جنوب میں مظفرگڑھ
اور شمال میں میانوالی بنوں تک تھیں اور ریاست منکیرہ کا حکمران نواب سربلند خان بہادر، معین الدولہ
جنگ تھا جس نے قلعہ قدیم منکیرہ کے اردگرد وسیع و عریض قلعہ عظیم تعمیر کرکے درمیان میں قلعہ قدیم کو محفوظ کر
قلعہ عظیم کے چاروں طرف بلند بانگ دروازے۔ دفاعی نہر۔ چار برج۔ دو ریٹھے کنویں۔ ایک وسیع مسجد
تعمیر کرائی اور پیغام رسانی کا نظام قائم کیا۔ نواب صاحب موصوف جو کبھی اپنے جاں نثاروں کے ساتھ طمطراق
و سربلندی اور جاہ و جلال کے پھریرے لیے قلعہ عظیم کی چوڑی دیواروں پر گھوڑے دوڑا کر چو طرفہ نظارہ کیا
کرتا تھا، وہ اسی قلعہ کے جنوبی دامنِ دیوار اپریل ۱۸۱۹ء بمطابق ۱۲۳۰ھ کرب ذوالجلال کے حضور تہ خاک
ہوا سو وہ بخواب اس شعر کی تفسیر بن گیا ؎

ہمیں کیا جو تُربت پہ میلے رہیں گے
تہِ خاک ہم تو اکیلے رہیں گے

فاضل مصنف نے یہ حقیقت بھی واضح کی ہے کہ آج جو علاقے تھل کے نام سے موسوم ہیں، ہمیشہ
سے ہی ریگزار تھل نہیں تھے بلکہ کبھی سرسبز و آباد علاقے تھے اور جو علاقے آج بارونق، مہذب، ترقی یافتہ
سرسبز و شاداب نظر آتے ہیں وہ کبھی تھل اور غیر آباد ہوتے تھے۔ انگریزی دورِ حکومت میں بھی ایسے کئی علاقے
ساہیوال (منٹگمری)، فیصل آباد (لائل پور)، سرگودھا (شاہ پور)، مظفرگڑھ، ملتان اور میانوالی وغیرہ کے اضلاع
صیاتی پانی سے بذریعہ انہار شاداب و آباد کئے گئے۔ اسی طرح تھل منکیرہ کا ریگزار بھی انشاء اللہ کبھی گل گلزار
بن جائے گا۔ بفضلِ تعالیٰ اب منکیرہ کی "عظمتِ رفتہ بحالی مہم" کا آغاز ہو چکا ہے۔

۱۸۴۹ء میں منکیرہ کی ریاست ختم کرکے تحصیل کا درجہ دے کر ضلع جھنگ میں شامل کیا گیا۔ ۱۸۵۳ء میں
اسے ضلع جھنگ سے علیحدہ کرکے ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کی تحصیل بنایا گیا۔ ۱۸۸۰ء میں منکیرہ تحصیل ختم کرکے بھکر
کو تحصیل بنایا گیا اور ۱۹۰۱ء میں میانوالی کو ضلع بنوں سے الگ نیا ضلع بنا کر بھکر تحصیل اس میں شامل کردی گئی۔ منکیرہ
جسے کبھی زمانہ قدیم میں ایک عظیم ترقی یافتہ ریاست کا درجہ حاصل تھا، وہ استدادِ زمانہ، حکومتوں کے زیر زبر، وقت
نشیب و فراز اور ہوسِ اقتدار کی وجہ سے تھانہ کی اکائی تک پہنچا مگر جولائی ۱۹۸۲ء میں بفضلِ خدا اسے دوبارہ
بھکر کی تحصیل کا درجہ حاصل ہوا۔ اب یہ علاقہ ترقی پذیر ہے۔ میں نے بھی قلعہ کے جنوب میں اپنی اراضی پر ایک
جدید شہر "بسیرا ماڈل ٹاؤن" کی تعمیر کا منصوبہ بنایا ہے جبکہ شمال میں گوہر والا روڈ پر حکومت نے سرکاری

ہسپتال۔ کالج۔ پارک۔ تحصیل کچہری (تحصیل کمپلکس) تعمیر کیا ہے۔ بقول درویش :۔

"منکیرہ بنے گا دلّی۔ دِلّی سے بنے گی بِلّی۔ بِلّی سے پھر دِلّی اور پھر کبھی نہ بنے گا بِلّی۔" (انشاء اللہ)

فاضل مصنّف نے جس تندہی سے ریاست منکیرہ کے تاریخی واقعات سپردِ قرطاس کئے ہیں وہ قابلِ داد ہے۔ دست بدُعا ہُوں کہ خُدائے جلیل اس کارِ خیر کا اجرِ عظیم عطا کرے۔ علم و دانش کی یہ شمع سدا روشن رہے۔

ع اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔ آمین! مجھ حقیر فقیر پُرتقصیر کے پاس دُعاؤں اور نیک تمنّاؤں کے سوا کچھ نہیں۔ عُسرت کے باوجود یہ نُدرتِ قلم علم دوست ملک دوست محمد کا شاہکار ہے۔ عُسرت و نُدرت یہ قُدرت ہے۔ وہ جو چاہے اور جسے چاہے عطا کر دے۔ وہی قادرِ مطلق ہے۔

منکیرہ کی تاریخی عظمت کے پیشِ نظر میری بھی یہ حسرت ہے کہ قلعۂ عظیم کی اندرونی جنوبی دیوار کے زیرِ سایہ قبر کی آغوش مجھے بھی نصیب ہو جس کے نواح میں ابھی سے ایک لائبریری کی عمارت اور پارک تعمیر کرانے کی آرزو ہے۔ اس مقصد کے لئے جتنے مرلے اراضی حکومت مجھے مرحمت فرمائے، اس کے متبادل اُتنے ہی کنال اراضی اپنے مجوزہ "لیرا ماڈل ٹاؤن" میں بلا قیمت دینے کو تیار ہُوں جس پر حکومت تحصیل سطح کے باقی دفاتر، ہاؤسنگ کالونی مسجد سکول مدرسہ وغیرہ تعمیر کر سکتی ہے اور حکومت سے یہ بھی میری التجا ہے کہ :

ے

پرچم پلیٹ دیجیئے میرے کفن کے ساتھ
وابستہ حشر تک رہوں ارضِ وطن کے ساتھ
مرقد بنایئے قلعہ منکیرہ میں مرا
"نوّاب سربلند" کے پختہ دفن کے ساتھ

پیش لفظ

دریائے سندھ اور دریائے جہلم کا وسیع و عریض درمیانی ریگستانی علاقہ تھل ساگر کے نام ا
موسوم ہے۔ اس میں منکیرہ شہر کو تاریخی لحاظ سے مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ زمانۂ قدیم سے منکیرہ کو ریاست
کا صدر مقام ہونے کا شرف حاصل رہا ہے، اس لئے منکیرہ کی سرزمین مختلف تہذیبوں اور ثقافت
امین ہے۔ یہاں کے ناکارہ اور ظاہرہ غیر اہم کھنڈرات کے اندر تاریخ کے بے پناہ دفینے پوشیدہ ہیں۔
زیرِ مطالعہ کتاب "تاریخِ ریاست منکیرہ" کی تصنیف و تالیف کے لئے بڑی محنت سے تاریخ کی
مُصدقہ بیسیوں کتب سے مواد حاصل کیا گیا۔ تاریخ، درحقیقت عالمِ انسانیت کے تجربات کا عجائب خانہ ہے
اس میں زمانۂ ماضی کے واقعات اور ان کے نتائج اس مقصد سے فراہم کئے جاتے ہیں کہ آئندہ نسلیں اس
سے کماحقہٗ فائدہ اٹھا سکیں۔ اِس کتاب میں منکیرہ کے مقامی اور غیر ملکی حکمرانوں کے احوال کو اختصار کے ساتھ
پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ عظیم تھل منکیرہ کی سیاسی اور سماجی تاریخ اپنے دامن میں اس قدر مخصوص نوعیت
کے واقعات سمیٹے ہوئے ہے کہ ان سب کو علیحدہ علیحدہ تفصیل سے بیان کرنا آسان نہیں لیکن قارئین اس نتیجہ پر ضرور
پہنچ سکیں گے کہ سرزمینِ منکیرہ کی ابتدائی کیفیت کیا تھی۔ اس پر کتنا عرصہ ہندو تہذیب و تمدّن کا غلبہ رہا۔ اور کیا
مسلمان حکمران مختلف اطراف سے اس پر حملہ آور ہوتے رہے؟ اور جب مسلمانوں کے یہاں قدم جم گئے تو کتنے طویل
عرصہ وہ یہاں پر قائم رہے اور اپنے دورانِ حکومت انھوں نے یہاں تہذیب و تمدن کے کس قدر اثرات
قائم کئے۔ بعد ازاں جب سکھوں کی حکومت آئی۔ تو انہوں نے کس طرح مسلم تہذیب و تمدّن کو تاراج کیا پھر انگریزی
عملداری آئی تو کس طرح مسلم ریاستوں کے نقوش مٹائے گئے۔ شاہی محلات، شاہانہ شان و شوکت کس طرح
کھنڈرات اور صحرا میں تبدیل ہو گئی اور حرفِ غلط کی طرح مٹ گئیں۔ صرف یادگار قلعہ کے آثارِ قدیمہ ہی ہیں کہ
اس خطۂ تھل منکیرہ کے نقوش زمانۂ قبل از تاریخ سے محفوظ چلے آ رہے ہیں لیکن آج تک ان کی تحقیق و تلاش
حوصلہ کسی کو نہ ملا۔ حالانکہ اس دھرتی نے ایسی بہت سی شخصیتوں کو جنم دیا جن کے علم و فن کا ایک زمانہ صدیوں سے
معترف چلا آ رہا ہے لیکن وہ بھی اپنے وطن تھل منکیرہ کی گم شدہ کڑیوں کو مربوط طریقہ سے تحریر میں لانے سے
قاصر رہے۔ یہی وجہ تھی کہ صدیوں بعد جب میں نے زمانوں اور عہدوں کی دبیز دُھول میں اَٹی اور لپٹی ہوئی تاریخی کڑیاں
تلاش کرنے کی کوشش کی تو مجھے قدم قدم پر ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ عظیم خطّۂ تھل منکیرہ کی رونق پتھر کے زمانے

لے کر آج کے سائنسی دور تک یکساں برقرار رہی ہے۔ ایک زمانہ وہ تھا جب یہاں کی زمین سندھ طاس کا حصہ تھی۔ آریوں، بھٹی راجپوتوں، مصریوں، ایرانیوں اور یونانیوں، بلوچوں، پٹھانوں، مغلوں نے اس عظیم علاقہ تھل کو اپنی قلمرو میں شامل کئے رکھا۔

تھل منکیرہ کے تاریخی کردار پر بہت کم مواد مورخین نے محفوظ کیا۔ بیشتر واقعات صوبہ ملتان کے [illegible]میں ڈال کر منکیرہ کی تاریخی حیثیت کو خلط ملط کر دیا۔ ان واقعات کو علیحدہ کرکے ایک تاریخ مرتب کرنا بظاہر غیر ممکن سا نظر آتا تھا لیکن معاشی تنگدستی و پریشانی کے باوجود حوصلہ نہیں ہارا۔ [illegible] جنگ میں مصروف رہا۔ سینکڑوں کتابیں، دستاویزات، شجروں، کتبوں اور آثارِ قدیمہ سے ذرہ ذرہ تحقیق ومطالعہ [illegible]ن کیا اور الحمد للہ کہ آج اس قابل ہوا کہ اُسے کتابی شکل میں پیش کرسکوں۔ مجھے اس امر کا اقرار واعتراف ہے کہ میری یہ کتاب حرفِ آخر نہیں۔ کیونکہ علم اور تحقیق کی کوئی حد نہیں اور اس کی وسعتوں پر حادی ہونا انسان کے بس کا روگ نہیں۔ لہٰذا جس حد تک میرے ذہن وفکر کی رسائی ممکن تھی میں نے تحقیق میں ہرگز بخل سے کام نہیں لیا اور کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں لیکن اس کے باوجود میں اس کتاب کو مکمل یا خامیوں سے مُبرّا نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ میں اِنسان ہُوں، تعمیری تنقید اور مشوروں کا خیر مقدم کروں گا۔

تاریخِ منکیرہ کی تدوین کے لئے قدیم تاریخی کُتب کے علاوہ ضلع کے گزیٹئر، "تاریخ جھنگ"، "تاریخ ملتان"، نواب مظفر خان شہید، "تذکرہ اولیائے جھنگ"، بلوچ قوم اور اس کی تاریخ اور کچھ نجی مگر تاریخی نوعیت کی دستاویزات سے بھی استفادہ کیا۔ نیز کتابوں کے تاریخی حوالہ جات نقل کرنے میں بھی کافی احتیاط برتی گئی ہے۔ تاہم قارئین کو اس سلسلہ میں کسی فروگذاشت یا خامی کا احساس ہو تو اس سے مجھے آگاہ کریں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی تصحیح کی جاسکے۔ اگر ان کے علم میں مزید واقعات یا تاریخی حوالہ جات ہوں تو بھی مطلع کریں۔ میں اُن کا بے حد ممنون ہوں گا۔

آخر میں ان احباب کا شکرگزار ہُوں جنھوں نے کتاب کی ترتیب کے سلسلہ میں میرا ہاتھ بٹایا۔ بالخصوص میں محترم دوست مولانا عبد العزیز سعیدی مرحوم کا ممنون ہُوں جنھوں نے مجھے بہت سے ایسے رسائل اور کتب مہیّا کیں جن کی مدد سے میں حقائق تلاش کر سکا۔ بعد ازاں محمد اقبال دروزی ایم۔اے کا ممنون ہُوں جو اپنا قیمتی وقت نکال کر مجھے مفید مشوروں سے نوازتے رہے۔ آخر میں جناب اسسٹنٹ کمشنر منکیرہ عزیز احمد خان و جناب بشیر احمد خان کملانہ اور جناب ملک اعجاز حسین کھوکھر اور ملک غلام قادر بھٹہ کا مشکور ہوں کہ انھوں نے کمال توجہ سے مسوّدہ پڑھنے کی زحمت برداشت کی اور مفید مشوروں سے نوازا۔ گر قبول اُفتد زہے عزّ و شرف

نیاز مند:۔ ملک دوست محمد کھوکھر ریٹائرڈ ٹیچر منکیرہ ضلع بھکر (پاکستان)

عکسِ تاریخ

ویدک خیال کے مطابق زمین کی پیدائش کو ۱۹۵۵۸۸۵ لاکھ سال گزر چکے ہیں۔ اُس طویل دَور کی کڑیاں تلاش کرنا بہت مشکل ہے۔ تاہم جس حد تک محققین اور مورخین نے اندازے لگائے ہیں۔ ان کے مطابق خطّۂ ارضی کی حکومت کا سلسلہ یوں بیان کیا جاتا ہے۔

انسانی تہذیب کے ارتقا کے متعلق ایک فرانسیسی عالم آثارِ قدیمہ کرسٹن ٹامسن نامی نے آلات و اوزار کے فرق کے پیشِ نظر تین بنیادی عہد قائم کئے ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

اِنسانی تہذیب کا ارتقا اور تین بنیادی عہد

۱۔ پتھر کا زمانہ ۔۔ جبکہ آلات و اوزار پتھر، لکڑی اور ہڈی کے ہوتے تھے۔ پتھر کا زمانہ تقریباً پانچ ہزار سال قبل مسیح تک جاری رہا۔ اس کو زمانہ قبل از تاریخ کہا جاتا ہے۔ علمائے آثارِ قدیمہ نے پتھر کے زمانہ کو بھی تین ادوار میں تقسیم کیا ہے۔

الف) قدیم حجری دور :- ۵ لاکھ سال قبل مسیح تا ۲۰ ہزار سال قبل مسیح

ب) وسطی حجری دور :- ۲۰ ہزار سال قبل مسیح تا ۱۲ ہزار سال قبل مسیح

ج) جدید حجری دور :- ۱۲ ہزار سال قبل مسیح تا ۵ ہزار سال قبل مسیح

۲۔ دھات کا زمانہ۔ جبکہ آلات و اوزار کانسی کے ہوتے تھے۔

۳۔ لوہے کا زمانہ ۔۔ جو ایک ہزار سال قبل مسیح سے شروع ہوا اور ہنوز جاری ہے۔ [۱]

خطّۂ ارضی کی حُکمرانی کا تاریخی آئینہ

۱) سمیریوں کا عہدِ حکومت	دس ہزار سال قبل مسیح
۲) بابلیوں کا عہدِ حکومت	آٹھ ہزار سال قبل مسیح
۳) آشوریوں کا عہدِ حکومت	سات ہزار پانچ سو سال قبل مسیح
۴) دراوڑ بھیل گونڈ کا عہدِ حکومت	چھ ہزار سال قبل مسیح
۵) کالائی قبائل کا عہد حکومت	پانچ ہزار سال قبل مسیح

[۱] بحوالہ ماضی کے مزار صفحہ

۶) آریوں کا عہدِ حکومت	چھ ہزار سال قبل مسیح سے تین ہزار سال قبل مسیح
۷) راجدھانی لوہ کوٹ	تین ہزار سال قبل مسیح
۸) بھٹی راجپوتوں کا عہدِ حکومت	دو ہزار سال قبل مسیح سے چودہ سو سال قبل مسیح
۹) مید اور جاٹ اقوام کا عہد	پندرہ سو سال قبل مسیح سے ایک ہزار سال قبل مسیح
۱۰) شہنشاہ ایران گستاسپ کا عہد	ایک ہزار سال قبل مسیح
۱۱) فرعونِ مصر سیاستریس کا عہد	نو سو سال قبل مسیح
۱۲) ایرانیوں کا دوسرا حملہ	چھ سو سال قبل مسیح
۱۳) سنڈی راجپوتوں کی حکومت	چھ سو سال قبل مسیح سے ۳۲۲ سال قبل مسیح
۱۴) سبوئی، کھٹوئی اور ملوئی قبائل کی حکومت	۳۲۵ سال قبل مسیح
۱۵) سکندرِ اعظم یونانی کی حکومت	۳۲۶ سال قبل مسیح تا ۳۰۵ سال قبل مسیح
۱۶) چندر گپت موریہ کا عہدِ حکومت	۳۰۵ سال قبل مسیح تا ۲۹۸ سال قبل مسیح
۱۷) خاندانِ اشوک کا عہدِ حکومت	۱۸۵ سال قبل مسیح
۱۸) اہلِ باختر کی حکومت	۱۵۵ سال قبل مسیح تا ۳۰ سال قبل مسیح
۱۹) یوچی اور کشان قبائل کی حکومت	۳۰ سال قبل مسیح سے ۳۲۰ء تک
۲۰) کالو خاندان راجپوتوں کا عہد	۴۵ سال قبل مسیح سے ۷۳ء تک
۲۱) گپت خاندان کا عہدِ حکومت	۳۲۰ء سے ۴۱۳ء تک
۲۲) سفید ہنز کی حکومت	۳۲۰ء سے ۵۲۸ء تک
۲۳) راجہ چپیکا کی حکومت	۵۲۸ء سے ۶۶۵ء تک
۲۴) وردھن خاندان کی حکومت	۶۰۶ء سے ۶۴۹ء تک
۲۵) ہیچ خاندان کی حکومت	۱۰ھ/۶۳۱ء سے ۹۳ھ/۷۱۱ء تک

(بحوالہ تاریخ جھنگ صفحہ

اسلامی عہدِ حکومت

۲۶) اُمویوں کا عہدِ حکومت	۹۳ھ/۷۱۱ء سے ۱۳۰ھ/۷۴۷ء تک
۲۷) عباسیوں کا عہدِ حکومت	۱۳۰ھ/۷۴۷ء سے ۲۴۲ھ/۸۵۶ء تک
۲۸) ناگ بھٹ راجپوتوں کا عہد	۲۴۲ھ/۸۵۶ء سے ۳۷۵ھ/۹۸۵ء تک

۲۹) میکن اقوام کا عہدِ حکومت	۳۷۵ھ / ۹۸۵ء	سے	۸۷۵ھ / ۱۴۷۰ء تک
۳۰) لنگاہوں کا عہدِ حکومت	سنہ ۸۷۵ھ / ۱۴۷۰ء	سے	سنہ ۸۸۵ھ / ۱۴۸۰ء تک
۳۱) دودائی بلوچوں کا عہدِ حکومت	سنہ ۸۸۵ھ / ۱۴۸۰ء	سے	۹۳۶ھ / ۱۵۳۰ء تک
۳۲) ہوت بلوچوں کا عہدِ حکومت	سنہ ۹۳۶ھ / ۱۵۳۰ء	سے	سنہ ۹۷۵ھ / ۱۵۶۷ء تک
۳۳) رِند بلوچوں کا عہدِ حکومت	سنہ ۹۷۵ھ / ۱۵۶۷ء	سے	سنہ ۱۰۱۵ھ / ۱۶۰۵ء تک
۳۴) میرانی بلوچوں کا عہدِ حکومت	سنہ ۱۰۱۵ھ / ۱۶۰۵ء	سے	سنہ ۱۰۵۹ھ / ۱۶۴۸ء تک
۳۵) جسکانی بلوچوں کا عہدِ حکومت	سنہ ۱۰۵۹ھ / ۱۶۴۸ء	سے	سنہ ۱۲۰۴ھ / ۱۷۸۹ء تک
۳۶) کلہوڑہ بلوچوں کا عہدِ حکومت	سنہ ۱۲۰۴ھ / ۱۷۸۹ء	سے	سنہ ۱۲۱۹ھ / ۱۸۰۴ء تک
۳۷) سدوزئی پٹھانوں کا عہدِ حکومت	سنہ ۱۲۱۹ھ / ۱۸۰۴ء	سے	سنہ ۱۲۳۶ھ / ۱۸۲۱ء تک
۳۸) سکھوں کا عہدِ حکومت	سنہ ۱۲۳۶ھ / ۱۸۲۱ء	سے	سنہ ۱۲۶۵ھ / ۱۸۴۹ء تک
۳۹) انگریز اقوام کا عہدِ حکومت	جنوری سنہ ۱۲۶۵ھ / ۱۸۴۹ء	سے	۱۴ اگست سنہ ۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۷ء تک
۴۰) قیامِ پاکستان	۲۷ رمضان المبارک ۱۴ اگست		سنہ ۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۷ء

زمانہ قبل از تاریخ

سکندرِ اعظم یونانی کے عہد سے قبل اِس خطۂ ارضی کے حکمرانوں، قوموں اور قبیلوں کے تفصیلی حالات دستیاب نہ ہو سکے۔ البتہ مورخین نے تخمین و ظن کے تحت جو کچھ لکھا، میں نے انہی پر اعتبار کیا۔ البتہ سکندر اعظم یونانی کے بعد تاریخ کا سلسلہ مربوط ملتا ہے لیکن حدودِ ریاست کا کوئی تعین نہیں۔ ساتھ صحیح تاریخوں کا تعین اس دور میں مشکل ہے۔ تاہم بعض سن مخصوص اندازہ کے لئے دیئے گئے ہیں۔ چند سال اِدھر اُدھر کا امکان موجود ہے۔

مذکورہ بالا واقعات اور سنین کا ماخذ لالہ لاجپت رائے کی "تاریخِ ہندوستان"۔ مولوی ذکاءاللہ کی "تاریخِ ہند"۔ مولوی نور احمد کی "تاریخِ ملتان" اور "بلوچ قوم اور اس کی تاریخ"۔ بلال زبیری کی "تاریخِ جھنگ"، اور "تذکرۂ اولیائے جھنگ" اور عمر کمال ایڈووکیٹ کی کتاب "نواب مظفر خان شہید" سے لئے ہیں۔

خطۂ تھل منکیرہ کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ خود انسان کی تاریخ۔ فرق صرف اتنا ہے کہ آج صفحۂ ہستی پر ہمیں جو سربفلک عمارتیں، سرسبز وادیاں، گلشن و چمن نظر آتے ہیں۔ شاید آنے والے زمانہ میں ان کا وجود بھی نہ ملے اور یہ شہر و دیہات، جنگل و صحرا کا روپ دھار لیں جو علاقے ویران و برباد نظر آتے ہیں، کبھی وہاں زندگی کی چہل پہل تھی۔ شادابی و خوبصورتی فراواں تھی کیونکہ ان علاقوں میں اب بھی بہتر اور خوشگوار زندگی کے بعض نشانات ایسے ملتے ہیں جن سے ماضی کی جھلکیاں آنکھوں کو چکا چوند اور احساس و ادراک کو روشنی مہیا کرتی ہیں لہٰذا یہ تصوّر کر لینا کہ جو کچھ آج ہے وہی کل بھی یقیناً ہو گا۔ بالکل غلط ہے "تاریخ" ماضی کو کریدنے کا نام ہے اور اِسی کرید و جستجو سے انسان لاکھوں کروڑوں برس پہلے کے دور کا مطالعہ کر سکتا ہے۔

کسی زمانے میں منکیرہ کی ریاست ایک وسیع و عریض رقبے پر پھیلی ہوئی تھی جسے مغلیہ دورِ حکومت میں بفر سٹیٹ کی حیثیت حاصل رہی۔ طاس سندھ میں منکیرہ ایک قلب کی حیثیت رکھتا تھا۔ درّۂ بولان اور درّۂ خیبر سے آنے والی حملہ آور فوجیں منکیرہ سے گزر کر ترموں گھاٹ پر اپنا پڑاؤ ڈالتی تھیں۔ لاہور سے قندھار جانے والی سڑک پر واقع ہونے کی وجہ سے منکیرہ کی اہمیت مزید بڑھ گئی۔ ترموں گھاٹ ریاست منکیرہ کی آخری سرحدی چوکی تھی۔

زمانہ قبل از تاریخ کے بارے میں جو کچھ مورخین نے لکھا ہے اس سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ ریاست منکیرہ میں اموانی (حیدر آباد)، بھکر، مل کیھڑ کوٹ (منکیرہ)، کہیر کوٹ، لوہ کوٹ، موج گڑھ اور کوٹ ماچھی اُس دور کے قدیم ترین شہر تھے۔ آج موج گڑھ اور کوٹ ماچھی کے نام صفحۂ ہستی سے مٹ چکے ہیں۔ لیکن دورِ حاضر کی تاریخ میں جوہر آباد۔ قائد آباد۔ فتح پور۔ چوک اعظم اور سرائے مہاجر کا نام نظر نہیں آتا۔ اس لئے کہ یہ شہر بعد میں بنے۔

قدیم مورخین نے منکیرہ نام کے کسی شہر کا ذکر نہیں۔ البتہ سکندر اعظم یونانی کے حملہ کے وقت مل کیھڑ کوٹ نام کی ریاست تھی جس کا الحاق عظیم ریاست ملتان سے تھا۔ عرب مورخین اور تاجر اپنی عربی زبان کے لہجہ میں مانکیر کوٹ بولتے تھے جس کی زبان کریہ یعنی سرائیکی تھی۔ اِسے ملوئی قبائل کے ایک راجہ مل کیھڑہ نے آباد کیا۔ بعد میں یہی شہر منکیرہ کے نام سے مشہور ہوا۔ ۹۴ھ/۷۱۲ء میں محمد بن قاسم کی فوج کے سالارِ اعلیٰ ابوالاسود جہم بن زحر ثقفی نے جب کروڑ۔ بھکر اور منکیرہ کو فتح کیا تو اس وقت یہ شہر مل کیھڑ کوٹ کی بجائے منکیرہ سے موسوم ہوا۔ بعض کتابوں سے اِس امر کے شواہد ملے ہیں کہ جب قنوج کے ناگ بھٹ راجپوتوں نے عباسیوں کی کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر منکیرہ پر قبضہ کر لیا تو اسی خاندان کے ایک راجہ مانک رائے نے اپنے نام پر کوٹ مانک رائے کا شہر آباد کیا جو مرورِ زمانہ سے منکیرہ کے نام سے مشہور ہوا۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ منکیرہ پر میکن قوم نے تقریباً پانچ سو سال تک حکومت کی اس لئے میکنوں کے نام سے منکیرہ مشہور ہوا۔

بعض مقامی روایات کے مطابق جہاں اب منکیرہ شہر آباد ہے یہاں بارشی پانی کو ذخیرہ کرنے کے لئے ایک ٹوبھی تھی جس کے کنارے ریت کا ایک بڑا ٹیلا تھا۔ آئے دن کی آندھیوں کی وجہ سے یہی ٹوبھی ہر وقت ریت سے اَٹی رہتی تھی۔ اس لئے ریت کے گرنے کی وجہ سے مَن کیری ٹوبھی مشہور ہوئی۔ سرائیکی زبان میں مَن ریت کے ٹیلے کو کہتے ہیں۔ اس کے ارد گرد آبادیاں ہونے کی وجہ سے منکیرہ شہر مشہور ہوا۔

منکیرہ کی تاریخ قدیم ہے۔ مورخین نے ٹھٹھہ۔ سیوستان۔ دیپال پور۔ اموانی۔ مل کیھڑ کوٹ۔ ایشور کوٹ۔ دین کوٹ۔ جندور۔ کہیر کوٹ۔ خوشاب۔ بھیرہ۔ بھکر کا تذکرہ اہم شہروں بلکہ بعض صوبوں کی حیثیت سے کیا ہے۔ مگر ان میں کوئی شہر سوائے ملتان کے مشہور نہیں۔ ہزاروں سال قبل جہاں جنگل وصحرا تھے۔ آج بارونق شہر نظر آتے ہیں اور ماضی کے بیشتر شہر آج کھنڈروں کا ذخیرہ بنے ہوئے ہیں۔ لہٰذا یہ ماننا پڑتا ہے کہ تاریخ کا قافلہ سرپٹ دوڑتا جا رہا ہے۔ اس کے قدموں سے اُڑنے والی دُھول کے ذرّے درحقیقت تہذیبوں، روایتوں، ثقافتی اور لسانی امانتوں سے معمور ہیں۔ ہر ذرّہ اور ہر فرد اپنی جگہ ایک تاریخ ہے۔ گذرے واقعات ہی تاریخی خزانہ بن جاتے ہیں۔

آریاؤں کا عہد

چھ ہزار سال سے تین ہزار سال قبل مسیح تک

آریہ ایک قدیم اور مہذب قوم کا نام ہے۔ جو شمال مغرب (وسط ایشیا) سے وارد سندھ ہوئے۔ ان کا جسم مضبوط۔ قد لمبا۔ پیشانی چوڑی اور رنگ گورا تھا۔ برصغیر پاک و ہند میں آنے سے پہلے وہ کاشت کاری سے واقف تھے۔ رتھوں اور گھوڑوں پر سوار ہو کر لڑائی لڑنے میں ماہر تھے۔ ان کا اصلی وطن وسط ایشیا تھا۔

آریہ کب آئے؟ آریوں کے وادئ سندھ میں آنے کا صحیح دور بتانا مشکل ہے مگر قیاس ہے کہ آرین مختلف گروہوں کی شکل میں تین ہزار سال قبل مسیح سے پہلے برصغیر پاک و ہند میں مغربی درّوں کے راستے وارد ہوئے۔ آریوں کی مذہبی کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا پہلا گروہ دریائے کابل۔ کرم اور گومل کے کناروں پر آباد ہوا۔ کئی نسلیں وہاں رہنے کے بعد جب ان کی تعداد بڑھ گئی تو یہ دریائے سندھ کو عبور کر کے پنجاب (پاکستان) میں کئی صدیاں آباد رہے۔ اس وقت پاکستان میں دراوڑ قوم کے لوگ آباد تھے۔ ان کی آپس میں خونریز جنگیں ہوئیں۔ جن میں آرین فتح یاب ہوئے۔ جوں جوں ان کی آبادی بڑھتی گئی۔ یہ لوگ آگے بڑھ کر دریائے گنگا کی وادی میں داخل ہو گئے۔ آرین کا دوسرا گروہ چترال اور گلگت کے راستے ہندوستان میں وارد ہوا اور شمالی ہند کے وسیع علاقہ پر قابض ہو گیا اور اس ملک کا نام آریہ ورت رکھا۔

آرین کا مذہب: (۱) آرین خدا کو ایک سمجھتے تھے لیکن سورج۔ چاند۔ پانی۔ آگ و ہوا وغیرہ کو خدا کا جلوہ خیال کر کے ان کی پوجا بھی کرتے تھے۔

(۲) ان دنوں نہ بت تھے اور نہ بت پرستی کا رواج۔ اس لئے نہ مندر تھے اور نہ پجاری۔ کھلے میدانوں ہی میں مذہبی رسوم ادا کی جاتی تھیں[۱]۔

راجدھانی لوہ کوٹ

تین ہزار سال قبل مسیح سے دو ہزار قبل مسیح تک

تاریخ اودھ بنسی کے مندرجات کے مطابق رام چندر جی کے لڑکے کا اصلی نام لوہ تھا اور اسی نے لاہور شہر آباد کیا تھا۔ آج سے ایک ہزار سال قبل تک اس کا نام مورخین نے لہاور لکھا اور بعد کے مورخین نے لہاور کو لاہور لکھنا شروع کیا۔

---

[۱] بحوالہ تاریخ پاک و ہند مصنفہ ایم اے بھٹی ص۲۳

راجہ لوہ نے دریائے وہیت (جہلم) کے کنارے تھل میں اپنے نام پر لوہ کوٹ نامی شہر بسایا تھا اور ایک مضبوط قلعہ بھی تعمیر کرایا تھا جو بعد میں تباہ و برباد ہو گیا۔ اب اسی شہر کے کھنڈر دریائے جہلم کے کنارے تھل میں موجود ہیں[1]۔

اگر مولفین کی اس تحقیق کو درست تسلیم کر لیا جائے تو یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ راجہ لوہ کا بسایا ہوا شہر و قلعہ کھنڈروں کی شکل میں آج بھی موجود ہے اور اسے مقامی زبان میں لوہا بھٹر کہتے ہیں۔ یہی تاریخ بتاتی ہے کہ راجہ لوہ کی اولاد عرفِ عام میں لوہانے مشہور تھی اور ان کا مرکز لوہ کوٹ تھا جہاں سے وہ سندھ اور کاٹھیاواڑ تک حکومت کرتے تھے اور سندھ کے لوہانے اسی کی نسل سے ہیں[2]۔

تاریخ راجستھان کا مصنف کرنل ٹاڈ بھی اسی خیال کی تائید کرتا ہے کہ رام چندرجی کی اولاد میں سے راجہ لوہ راجہ کُش بانی قصور کی نسبت زیادہ مقبول، شجاع اور قابل فرمانروا تھا۔ لاہور اس کا پایہ تخت نہ تھا بلکہ لوہ کوٹ اس کی راجدھانی تھی جو جہلم کے کنارے خوشاب، اور شور کوٹ کے درمیان واقع تھی[3]۔

اِن واقعات سے معلوم ہوا کہ ہزاروں سال قبل یہ علاقہ نہایت متمدن اور تہذیب یافتہ تھا۔ اور مختلف اقوام نے یہاں پر حکومت کی۔ منکیرہ اور حیدر آباد کے علاقے بھی راجہ لوہ کی راجدھانی میں شامل تھے۔

بھٹی راجپوت

دو ہزار سال قبل مسیح سے چودہ سو سال قبل مسیح تک

تاریخِ ملتان کے مصنف بال کشن کا خیال ہے کہ بھٹی نام کا ایک راجہ جیسلمیر کا حکمران تھا اسی نے بلند شہر کو رونق عطا کی اور اسی کی نسل بھٹی راجپوت مشہور ہے جو جھنگ۔ ملتان۔ بھیرہ اور منکیرہ پر چار سو برس تک حکمران رہی اور ان علاقوں میں خوب پھیلی۔ یہی مورخ لکھتا ہے کہ راجہ بھٹی کا ایک حقیقی بھائی چگتو تھا جو چینی اور روسی ترکستان اور ایران وغیرہ کا حکمران تھا۔ اس کی اولاد بعد میں مسلمان ہو کر چغتائی کہلائی اور برصغیر پاک و ہند پر حکمران رہی۔ اسی مورخ نے لکھا ہے کہ قلعہ کروڑ کا بانی بھی چگتو کی اولاد میں سے ایک راجہ کہیر تھا جو بعد میں کہیر کوٹ سے بدل کر کوٹ کروڑ مشہور ہوا[4]۔ اس بارے میں چونکہ اور کوئی تاریخی روایت نہیں ملتی۔ چنانچہ اسی کو صحیح سمجھنے پر موجودہ دور کے مورخ مجبور ہیں۔ اس روایت کے کچھ آثار بھی تائید کرتے ہیں کہ مثال کے طور پر خوشاب، کروڑ، منکیرہ، شور کوٹ اور بھکر پر بھٹی خاندان کی طویل حکومت رہی اور ان علاقوں میں آج بھی بھٹی راجپوت کثرت سے آباد ہیں۔ بلکہ

---

[1] تاریخ ملتان لالہ بال کشن ص ۱۲ تا ۱۵، تاریخ جھنگ ص ۴۶۔ [2] تاریخ اروڑہ بنسی ص ۱۰۹ تا ۱۱۰، تاریخ جھنگ بلال زبیری ص ۴۶
[3] تاریخ ٹاڈ راجستھان ص ۲۶ جلد سوم حصہ ششم، تاریخ جھنگ بلال زبیری ص ۴۷۔ [4] بحوالہ تاریخ جھنگ بلال زبیری ص ۴۵

اسی مورخ نے لکھا ہے کہ لنگاہ خاندان جس نے ملتان۔ شورکوٹ۔ اموانی ،منکیرہ اور کروڑ پر حکومت کی۔ انہی بھٹی راجپوتوں کی سولکمنی نسل سے تھے جو بعد میں مسلمان ہو گئے۔ اس سولکمنی نسل سے ایک راجہ راول چاچک گذرا ہے۔ جو ساندل بار۔ کرانہ بار۔ کوہستان نمک اور راولپنڈی تک کے علاقہ کا حکمران تھا۔[1]

میداورجاٹ قبائل

پندرہ سو سال قبل مسیح سے ایک ہزار قبل مسیح تک

رامائن کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ جن دنوں اجودھیا پر راجہ دسرتھ راج کرتا تھا۔ اُن دنوں ملتان اور اس کے ملحقات پر راجہ دسرتھ کے نسبتی بھائی راجہ اسواپتی کی حکومت تھی۔ یہی نام مہا بھارت میں بھی ملتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ مملکت کا ہر راجہ اسواپتی کہلاتا تھا۔ یعنی گھوڑوں کا مالک۔ لامحالہ یہ ملک گھوڑوں کی کثرت اور عمدگی کی وجہ سے مشہور ہوگا اور اب بھی پنجاب کے گھوڑے اپنا جواب نہیں رکھتے۔ ملتان اور اس کے ملحقات کو رانی کیکئی سے جو تقرب حاصل تھا۔ اس کا ثبوت رام چونترہ اور مندر رام تیرتھ سے ملتا ہے کہ ملتان ہی رانی کیکئی کے باپ اسواپتی کا دارالسلطنت تھا۔[2]

اسواپتی کے بعد وادئ پنجند میں مید اور جاٹ نام کی دو قوموں کا ذکر ملتا ہے۔ یہ دونوں قومیں بڑی بہادر اور جنگجو تھیں۔ اور دریائے سندھ کے کناروں پر آباد تھیں۔ یہ دونوں قومیں وحشی اور غارت گر تھیں جنھوں نے آرین کی نقل مکانی سے پہلے مختلف ملکوں میں تباہی مچا رکھی تھی۔ ممکن ہے کہ یہ مید اسی مشہور قوم سے تعلق رکھتے ہوں جس نے سیریا کی سلطنت سے پہلے وادئ فرات میں مید کی عظیم سلطنت کی بنیاد رکھی تھی۔ مید اور جاٹ دونوں ایک دوسرے کے زبردست حریف تھے اور ان میں ہمیشہ خونریز جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ جب یہ سلسلہ طول اختیار کر گیا تو روزانہ دن کی لڑائیوں سے تنگ آکر انہوں نے اپنے اپنے وکیلوں کو راجہ درلیودھن کے پاس دہلی بھیجا اور درخواست کی کہ ہم لوگ آپ کو اپنا ثالث مقرر کرتے ہیں۔ چنانچہ راجہ درلیودھن کے فیصلہ کے مطابق مید قبیلہ عراق اور شام کی طرف چلا گیا۔ جہاں انہوں نے حکومت قائم کی۔ مورخین کے مطابق یہی مید عرب میں میڈیا مشہور ہوئے اور پنجاب کی حکومت جاٹوں کے قبضہ میں آگئی۔ ان کا پایہ تخت راوی اور چناب کے درمیان تھا۔[3]

اس سے ثابت ہوا کہ علاقہ تھل منکیرہ پر براہ راست کچھ عرصہ جاٹ بھی حکمران رہے۔ تقریباً یہی زمانہ مہابھارت کا ہے جس میں پانڈووں کو شکست ہو گئی تھی اور کورو فتح یاب ہو گئے تھے۔ جاٹ قبیلہ کے ایک شخص برہمن نے سندھ سے کشمیر تک ریاست وسیع کر کے ٹھاٹھ سے حکومت کی۔ اس نے تمام پانڈووں کو نیست و نابود کر دیا اور ایک

۱۔ بحوالہ تاریخ جھنگ بلال زبیری ص۴۶ ۔ ۲۔ بحوالہ تاریخ ملتان حصہ اول نور احمد خان آفریدی ص۴۹ ۔ ۳۔ اسلامی ہند نیاز فتحپوری ص۳۷، تاریخ جھنگ بلال زبیری ص۴۸

زبردست سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ اس کی اولاد میں سے تقریباً پندرہ راجاؤں نے برصغیر پاک و ہند پر حکومت کی۔ لیکن انجام کار اپنے ظلم و ستم کی پاداش میں حرف غلط کی طرح مٹا دیئے گئے۔[1]

اس کے بعد ایرانی عہد تک اس علاقہ کی تاریخ گوشۂ گمنامی میں ڈوبی نظر آتی ہے۔ درمیانی عرصہ کے بارے میں کوئی بات وثوق سے نہیں کہی جا سکتی۔

ایرانی عہد

ایک ہزار سال قبل مسیح تک

پانڈوؤں سے ایرانیوں کے حملے تک ملتان اور اس کے گرد و نواح کی تاریخ خاموش ہے۔ وقت کے دبیز پردوں نے خُدا معلوم کتنے قہرمان تاجداروں کی سطوت وشوکت کو اپنی آغوش میں چھپا رکھا ہے۔

ایرانی تاریخ سے اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ چھٹی صدی قبل مسیح میں ایران کے کیانی خاندان کے مقتدر بادشاہ دارائے گستاسپ نے افغانستان اور بلوچستان کو فتح کیا۔ پھر اس کے جرنیل بہمنی نے وادیٔ پنجاب پر حملہ کیا۔ اُن دنوں یہاں راجہ کفند کی حکومت تھی۔ اس نے ایرانی افواج کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور نہ صرف اپنے مقبوضات کو ایرانی دست بُرد سے بچا لیا بلکہ سیوستان تک کے تمام علاقے کو چھین کر اپنی قلمرو میں شامل کیا۔ اس کی سلطنت میں ملتان بھکر، امرانی اور منکیرہ کے شہر شامل تھے۔ اس وسیع سلطنت کا پایہ تخت اسکلندہ نامی شہر تھا۔ یہ شہر ملتان سے ۵۰ میل جنوب میں واقع تھا۔ اس کے جنوب میں رانبیہ اور بھاٹیہ کے شہر آباد تھے۔ دارائے گستاسپ نے ۵۲۱ قبل مسیح سے ۴۸۶ قبل مسیح تک حکومت کی۔[2]

مصریوں کا حملہ

۹۰۰ سال قبل مسیح

فرعون اسائرس: عہدِ عتیق کے مورخین کا خیال ہے کہ اسائرس مصر سے ٹڈی دَل فوج لے کر اُٹھا اور اس نے عرب، ایران اور سندھ پنجاب تک پامال کر دیا۔ گنگا پار تک کا علاقہ اپنی قلمرو میں شامل کر لیا۔ اسائرس کے بارے میں مشہور ہے کہ اس نے آریوں کو زراعت، اور فن سپاہ گری کی تعلیم دی۔ اور گائے پُوجا سکھائی۔ اس سے قبل آریاؤں میں گائے پُوجا کا رواج نہ تھا۔ اس روایت کی تائید ہندوؤں کے مذہبی ویدوں سے ہوتی ہے جس میں گائے پُوجا کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔

محققین کا خیال ہے کہ ہندوؤں کے ایشور دیوتا کا جو تصور موجود ہے، وہ اسی سائرس سے منسوب

[1] اسلامی ہند نیاز فتحپوری ص ۳۷۔ [2] بحوالہ محل التواریخ بذریعہ اسلامی ہند نیاز فتحپوری ص ۳۷، تاریخ جھنگ بلال زبیری ص ۴۸، تاریخ ملتان حصہ اول نور احمد خان آفریدی ص ۵۵

ہے کیونکہ اس نے قوم کو تہذیب و شائستگی سے آشنا کیا تھا۔[1]

فرعون سیاستریس ۱۸ اسارس کے بعد مصریوں کا دوسرا حملہ فرعون سیاستریس کی قیادت میں ہوا۔ اس کی فوجیں ملتان، بھیرہ، منکیرہ، بھکر، اموانی، کوٹ کروڑ اور تریموں گھاٹ پر قابض رہیں مگر اسے زیادہ دیر تک استحکام نصیب نہ ہوا۔ چند سال بعد مال و دولت لوٹ کر واپس چلا گیا۔ اس نے اپنے چند سال کے دور میں گئو پرستی کو مزید رواج دیا۔ اپنے مقبوضات میں جگہ جگہ گئوشالے تعمیر کرائے۔ منکیرہ میں مہا بیرجی کا مندر آج بھی موجود ہے۔ ایشور کوٹ (شور کوٹ) نام کا شہر بسایا جو دریائے چینل (چناب) کے مشرقی کنارے آباد تھا۔[2]

ایشور۔ گائے کی پوجا

محققین کا خیال ہے کہ ہندوؤں میں ایشور کے نام سے جو دیوتا مشہور ہے، اس سے یہی مصری شہنشاہ مراد ہے۔ آریائی ہند مصری حکمران اسارس کا نام عزت و احترام سے لیتے تھے۔ اسارس سنسکرت زبان کا ایشور تھا۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آریاؤں نے اسارس کے احسانات کی وجہ سے دیوتا کا درجہ دیا تھا اور ایشور کا تصور اسی اسارس سے پیدا ہوا۔ نیز گائے کی پوجا اسی کی یادگار ہے کیونکہ مصر میں ہی سامری نے گئو پرستی کی بنیاد رکھی تھی۔ اسارس کی یاد میں "تمدن ہند" کی عبارت، کے مطابق دریائے چناب کو چینل۔ راوی کو ایراوتی۔ جہلم کو وتیت سندھ کو سانڈرس۔ ستلج کو گھارا اور دریائے بیاس کو باسا کے نام سے لکھا ہے۔

چناب کے مشرقی کنارے ملتان کے مضافات میں ایشور کوٹ نام کا شہر بسایا جو بعد میں شور کوٹ کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ مصریوں کے بعد دارائے ایران کے حملۂ پنجاب سے قبل پنجاب اور ملتان پر کچھ عرصہ آشوری قوم بھی حکمران رہی۔ ممکن ہے اس قوم نے اپنے دورِ حکومت میں ایشور کوٹ کا نام آشور کوٹ رکھا ہو یا ان کی وجہ سے از خود آشور کوٹ مشہور ہو گیا ہو۔ تاہم اتنی بات یقینی ہے کہ ۶۲۹ قبل مسیح میں شور کوٹ نام کا قصبہ موجود تھا۔

ایرانیوں کا دوسرا حملہ

چھ سو سال قبل مسیح

شاہنامہ کے مندرجات سے معلوم ہوتا ہے کہ دارائے ایران فریدوں نے پنجاب پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا تھا۔ ایرانی فوج درۂ بولان کے ذریعہ بلوچستان، سندھ، ملتان، بھکر، کوٹ کروڑ، اموانی، منکیرہ اور تریموں گھاٹ تک قابض رہی۔ تریموں گھاٹ ان کی اہم گزرگاہ تھی۔ ایرانیوں کا تسلط ۵۲۹ قبل مسیح تک رہا۔ اس عہد میں سبوئی ملوئی اور کشوعی قبائل کی حکومت رہی۔ یہ ریاستیں انتہائی طاقتور اور مضبوط تھیں۔[1]

[1] شاہنامہ جلد چہارم ص ۲۶، تاریخ جھنگ، بلال زبیری ص ۵۱ [2] بحوالہ تاریخ پاک و ہند ص ۸۲ ایم اے بھٹی

[2] بحوالہ تاریخ تمدنِ ہند ص ۲۲۸، تاریخ جھنگ ص ۲۹، [3] اسلامی ہند بہار فتح پوری عہد بعہد تاریخ ص ۲۲۸ تاریخ جھنگ ص ۵۵

ایرانی فتح کے اثرات

موجودہ پاکستان پر ایرانی حملے سے بہت اہم نتائج برآمد ہوئے۔

۱)۔ اہلِ ایران اور اہلِ ہند سب آریہ نسل کے لوگ تھے۔ ان کے تمدن کا ایک ہی منبع تھا۔

۲)۔ ایران میں آرامی رسم الخط تھا۔ یہ رسم الخط مدتوں تک ولایت سندھ (پاکستان) میں رائج رہا جو اُردو کی طرح دائیں سے بائیں لکھا جاتا تھا۔

۳) مہاراجہ اشوک کے وہ کتبے جو شہباز گڑھی اور مانسہرہ صوبہ سرحد سے ملے ہیں، آرامی رسم الخط میں ہیں۔ اس خطہ میں ایرانی حکومت کی اہم یادگار وہ کتبہ ہے جو آرامی زبان میں ہے اور ٹیکسلا سے ملا ہے۔ آج کل کراچی کے عجائب گھر میں رکھا ہوا ہے۔

۴)۔ ٹیکسلا میں پارسی آتش کدہ کے کھنڈر موجود ہیں جو ایرانی دَور کی رسومات کا شاہکار ہیں۔

۵) بعض مورخین کا خیال ہے کہ موریہ سلطنت ایرانی نمونہ پر قائم کی گئی۔ چندر گپت موریہ کے محلات میں ایرانی طرزِ تعمیر کے اثرات پائے جاتے ہیں۔

۶)۔ ہے وِل کی رائے کے مطابق ایران کے ہند پر اثرات دونوں خطوں کے تمدن کے بنیادی طور ایک یعنی آرین ہونے کی وجہ سے ہیں۔[۲]

۵۵۰ قبل مسیح سے ۳۲۵ قبل مسیح تک

سبوئی۔ ملوئی اور کھٹوعی قبائل کی حکومت

سکندر اعظم یونانی کے حملے کے وقت برصغیر پاک و ہند کے شمالی حصے میں کوئی متحدہ مرکزی حکومت نہ تھی یہ ملک مختلف ریاستوں میں تقسیم ہو چکا تھا۔ یہ ریاستیں خود مختار تھیں۔ تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

سبوئی ریاست :۔ یہ ریاست موجودہ شورکوٹ اور جھنگ کے درمیان واقع تھی۔ یہاں کے راجہ کے پاس چالیس ہزار پیدل فوج تھی۔ صدر مقام شورکوٹ تھا۔

۲۔ کھٹوعی ریاست :۔ دریائے راوی اور بیاس کے درمیانی علاقہ میں کھٹوعی قبیلہ آباد تھا۔ اس کا دارالحکومت ساگلا یعنی سیالکوٹ تھا۔ یہ لوگ بڑے جری اور بہادر تھے۔ اور ان کے ماتحت بہت سے قبیلے تھے۔

۳۔ ملوئی ریاست :۔ یہ ریاست ملتان اور اس کے گردونواح کے علاقوں پر مشتمل تھی۔ ملتان اس کا صدر مقام

۱۔ تاریخ ملتان حصہ اول ص ۵۶ نور احمد خان آفریدی، تاریخ جھنگ بلال زبیری ص ۴۹ ۲۔ بحوالہ تاریخ تمدنِ ہند ص ۲۴۸، تاریخ جھنگ ص ۴۹

۳۔ شاہنامہ جلد چہارم ص ۱۲۹، تاریخ جھنگ ص ۱۵۱ بحوالہ تاریخ پاک و ہند ص ۸۲ ایم۔ اے بھٹی

تھا اور مل کیڑکوٹ (منکیرہ) اس کی ذیلی سیاست تھی ریاست کی زبان کہیہ یعنی سرائیکی تھی۔ اس ملوئی ریاست کے راجہ کے پاس ۹۰ ہزار پیدل فوج دس ہزار سوار اور نو سو ہاتھی تھے۔ لالہ لاجپت رائے نے اپنی تاریخ میں لکھا کہ یہ لوگ بہت جنگجو تھے۔ ملتان کا اصل نام مل استھان تھا۔ یہ شہر اسی قوم نے آباد کیا۔ یہ قوم مل یا موہل کے نام سے آج بھی جھنگ اور ملتان میں آباد ہے۔ ان میں مل کیڑکوٹ (منکیرہ) کا راجہ مل کیڑہ تھا۔ بعد میں اس کی قوم کیڑہ قوم سے مشہور ہوئی۔ چوبارہ ضلع لیہ میں کیڑہ قوم بکثرت آباد ہے۔

۴)۔ **اشکانتی قبیلہ کی حکومت:۔** اشکانتی یا اشوکا قبیلہ کی ریاست سرحدی صوبہ سے پرے تھی۔ اس کا دارالحکومت سیاکا درہ مالاکنڈ کے متصل واقع ہے۔ یہاں کا قلعہ بہت مضبوط تھا۔ اس ریاست کی فوج میں بیس ہزار سوار اور تیس ہزار پیدل فوج تھی۔[1]

۵۔ **ابھی سارا ریاست:۔** ابھی سارا ریاست ہزارہ اور کشمیر کی پہاڑیوں میں واقع تھی۔ یہاں کا حکمران ابھی سارا تھا۔

۶)۔ **ٹیکسلا کی ریاست:۔** یہ ریاست ابھی سارا کے جنوب میں واقع تھی۔ ٹیکسلا کا شہر علم و فن کا مرکز تھا۔ اس میں بہت سی اقوام کے لوگ اور بہت سے مذاہب کے پیرو رہتے تھے۔ اس ریاست میں قدیم ریاست گندھارا کا مشرقی علاقہ بھی شامل تھا۔ یہاں کے راجہ کو امبھی کہتے تھے جس کی راجہ پورس سے دشمنی تھی۔

۷)۔ **پورو ریاست:۔** ٹیکسلا سے جانب مشرق راجہ پورس کی حکومت تھی۔ یہ ریاست موجودہ گجرات۔ جہلم اور سرگودھا کے اضلاع پر مشتمل تھی۔ اس میں تین سو کے قریب گاؤں تھے۔ راجہ پورس کی فوج میں پچاس ہزار پیدل فوج تین ہزار سوار ایک ہزار جنگی رتھیں تھیں اور ایک سو تیس جنگی ہاتھی تھے۔

۸)۔ **سمبھوئی ریاست:۔** سمبھوئی ریاست دریائے جہلم کے مشرق میں تھی۔ کہا جاتا ہے کہ سپارٹا کے لوگوں کی طرح یہ بدوضع اور ناکارہ بچوں کو مار ڈالتے تھے۔

۹)۔ **نندا ریاست:۔** دریائے ستلج سے مشرق کی طرف نند خاندان کی حکومت تھی۔

۱۰)۔ **گنداری ریاست:۔** دریائے راوی اور چناب، کے درمیان تھی۔

۱۱)۔ **کتھوئی ریاست:۔** دریائے راوی کے مشرق میں قبیلہ کتھوئی برسرِاقتدار تھا۔

۱۲)۔ **دراکوئی ریاست:۔** دریائے بیاس کے کنارے دراکوئی قبیلہ حکمران تھا۔

۱۳)۔ **البتنوئی ریاست:۔** دریائے راوی کے نچلے حصے میں البتنوئی قبیلہ حکمران تھا۔

پنجاب اور سندھ کے لوگ بڑے جنگجو تھے۔ اس لئے اس علاقہ کو فتح کرنا آسان نہ تھا۔ لیکن پنجاب کے

[1] بحوالہ تاریخ پاک و ہند راجہ محمد اشرف ایم اے صـ۸۲، تاریخ پاک و ہند ایم اے مجتبیٰ صـ۳۸۴
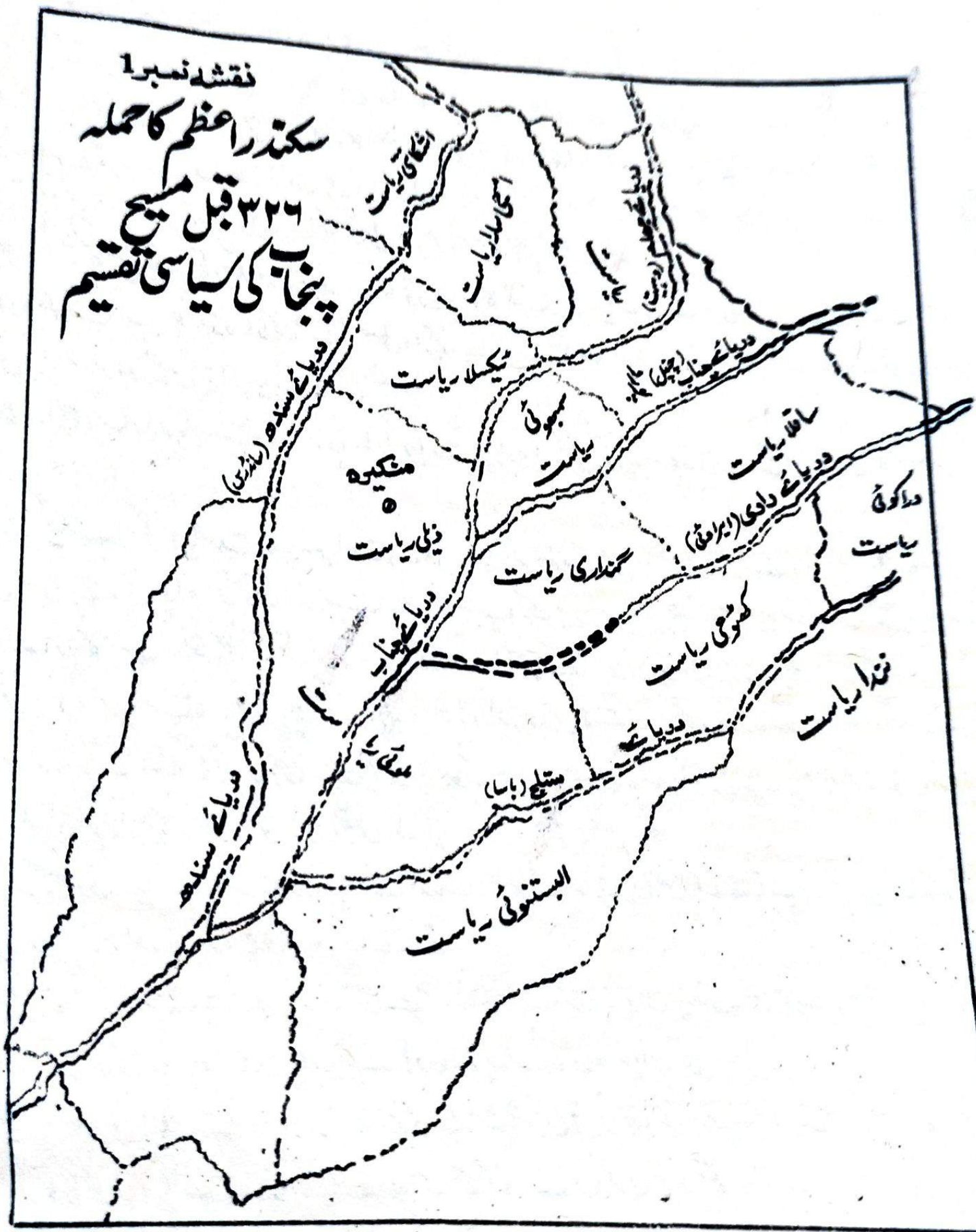
حکمرانوں کی باہمی رقابت نے سکندر اعظم کے لئے یہ مشکل آسان کر دی۔ ٹیکسلا کا راجہ امبھی پورس اور ابھی سارا سے جنگ آزمائی کر رہا تھا۔ ٹیکسلا کے راجہ امبھی نے سکندر اعظم کا ساتھ دیا۔ راجہ پورس کو شکست ہوئی اور سکندر اس علاقے پر قابض ہو گیا۔ل

سکندرِ اعظم یونانی کا عہد

۳۲۵ سے مسیح سے ۳۰۵ قبل مسیح تک

سکندر اعظم یونان کی ریاست مقدونیہ کے بادشاہ فیلقوس کا بیٹا تھا۔ ۳۵۶ قبل مسیح میں پیدا ہوا یونان کے مشہور فلاسفر ارسطو کا شاگرد تھا۔ باپ کی وفات کے بعد بیس برس کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔ اس کا نام دُنیا کے مشہور فاتحوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ۳۲۶ قبل مسیح میں دُنیا کو فتح کرنے کے ارادہ سے نکلا اور ایران کو فتح کر کے مشرق کی طرف بڑھا۔ درۂ خیبر سے گزر کر چترال۔ سوات۔ باجوڑ اور پشاور کے علاقہ کو پاؤں تلے روندتا ہُوا دریائے سندھ کے مغربی کنارے ہُنڈ تک پہنچا اور دریا عبور کر کے ٹیکسلا کی طرف بڑھا۔ ٹیکسلا کے راجہ امبھی نے اس کی اطاعت قبول کر لی اور سکندر کو راجہ پورس پر چڑھائی کرنے کی ترغیب دی اور ساتھ ہی پانچ ہزار لشکر اور روپے پیسے سے اس کی مدد کی کیونکہ راجہ امبھی کی راجہ پورس اور راجہ ابھی سارا سے دشمنی تھی۔

ریاست پورو پر سکندر کا حملہ:۔ برسات کی وجہ سے دریائے جہلم طغیانی پر تھا۔ دریا کے ایک طرف سکندر اور دوسری طرف راجہ پورس کے پچاس ہزار سپاہی۔ دو سو رتھ اور دو سو ہاتھی لڑائی کے لئے تیار کھڑے تھے۔ سکندر کے لئے آگے بڑھنا دشوار تھا۔ چنانچہ سکندر نے رات کی تاریکی سے فائدہ اُٹھا کر دریائے جہلم کے ساتھ بیس میل اوپر کی طرف جا کر بارہ ہزار پیادوں اور پانچ ہزار سواروں سمیت دریا کو عبور کر لیا اور عقب سے پورس کی فوج پر حملہ کر دیا۔ گھمسان کی جنگ ہوئی۔ یونانی تیر اندازوں نے پورس کے ہاتھیوں کے منہ پھیر دیئے اور وہ اپنی فوج کو روندتے ہوئے بھاگ گئے۔ راجہ پورس کے سپاہی جان توڑ کر لڑے مگر کچھ پیش نہ گئی۔ تین ہزار مارے گئے، نو ہزار گرفتار ہوئے۔ راجہ پورس زخمی ہو کر گرفتار ہُوا۔ پورس کو جب سکندر کے سامنے لایا گیا تو سکندر نے اس سے پوچھا۔ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ راجہ پورس نے جواب دیا۔ جیسا بادشاہ بادشاہوں سے کرتے ہیں۔ سکندر راجہ پورس کا جواب سُن کر بہت خوش ہُوا اور اس کا مفتوحہ علاقہ اسے واپس دے دیا۔ تاکہ باقی ہند کو فتح کرتے وقت اِسے پیچھے سے کوئی خطرہ نہ رہے۔

راجہ پورس کی شکست کے اسباب:۔ (۱) سکندر فنونِ جنگ سے واقف تھا۔ اس نے عقب سے حملہ کر کے

ل تاریخ پاک وہند راجہ محمد اشرف ایم اے صہ ۸۳، تاریخ پاک وہند ایم اے بھٹی صہ ۴۸

اپنی فتح کو یقینی بنایا ورنہ اس کی فتح مشکل تھی۔
مدد کی۔
(۲)۔ راجہ امبھی نے ذاتی کاوش کی بنا پر راجہ پورس کے خلاف سکندر کی مدد کی۔
(۳)۔ پورس کے ہاتھی زخمی ہو کر ایسے بے تحاشا بھاگے کہ اپنی ہی فوج کو روندتے چلے گئے۔
(۴)۔ برسات کے باعث پورس کے رتھوں کی نقل و حرکت سست ہو گئی تھی اور ہندی تیر اندازوں کی کمانیں اچھی طرح زمین پر نہ جم سکیں جس سے نشانے خطا ہو گئے۔

سکندر اعظم کا شور کوٹ پر حملہ

راجہ پورس پر فتح پانے کے بعد سکندر شور کوٹ کی طرف بڑھا۔ آس پاس کی ریاستوں کو فتح کرنے کے بعد تریموں گھاٹ پہنچا۔ برہمن گڑھ (جھنگ) اور مل کھیڑ کوٹ (منکیرہ) کو بغیر خون بہائے فتح کر لیا۔ پھر شور کوٹ فتح کرنے کے لئے آگے بڑھا۔ سکندر نے پوری تیاری سے شور کوٹ پر حملہ کیا۔ یہ حملہ دو طرف سے تھا۔ یعنی چناب کے کنارے اور راوی چناب دوآبہ کے خشک راستہ سے حملہ کیا۔ شدید جنگ ہوئی۔ سات روز تک اس جنگ کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ سکندر نے قلعہ اور شہر کا محاصرہ تنگ کر دیا جس کی وجہ سے شہر کے لوگ جنگ سے دستبردار ہو گئے مگر قلعہ فتح نہ ہو سکا۔ انہی دنوں دریائے چناب میں شدید طغیانی آگئی۔ سکندر کی فوج دریا کے کنارے پھیلی ہوئی تھی۔ سیلاب کی وجہ سے بھاگ کر شہر میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئی کیونکہ شہر سیلاب سے محفوظ تھا۔ دریا اور شہر کے درمیان قلعہ موجود تھا۔ اہلِ قلعہ کی رسد و کمک کا راستہ بھی دریائی تھا۔ سیلاب کی وجہ سے رسد و کمک میں بھی کمی آگئی۔ تاہم دونوں طرف کی افواج مقابلہ پر ڈٹی رہیں۔ دو ماہ تک جنگ جاری رہی۔ بالآخر سکندر نے قلعہ کو تباہ کرنے کے لئے آتشیں ہتھیاروں کے استعمال کا حکم دے دیا۔ چنانچہ دس دس سیر وزن کے بارودی گولے منجنیقوں کے ذریعے قلعہ کی طرف پھینکے گئے جس سے قلعہ کے اندر آگ لگ گئی۔ جب آگ نے عمارت کو احاطہ میں لے لیا۔ تو اہلِ قلعہ اپنی جان بچانے پر مجبور ہو گئے۔ انھوں نے دروازہ کھول دیا مگر اس وقت قلعہ تباہ ہو چکا تھا۔ ہزاروں سپاہی جل سڑ کر ڈھانچوں کی صورت اختیار کر چکے تھے۔ قلعہ میں خوراک کے ذخیرے گولہ بارود۔ سونا چاندی۔ ہتھیار اور تمام سامان جل کر پگھل گیا تھا۔ سکندر نے قلعہ تباہ کر کے فتح پائی پھر یہاں سے ملتان کی طرف بڑھ گیا۔[۱]

سکندر اعظم کا ملتان پر حملہ

اہلِ ملتان کو جونہی سکندرِ اعظم کے آنے کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے شہر کے پھاٹک بند کر دیئے اور دشمن کا انتظار کرنے لگے۔ سکندر نے اپنی فوج کے دو حصے کر دیئے۔ ایک حصہ کی کمان خود سنبھالی اور دوسری

[۱] تذکرہ اولیائے ملتان ص ۵۶، تاریخ جھنگ بلال زبیری ص ۵۴

فوج پر جنرل ڈکاس کو مقرر کیا اور شہر ملتان پر حملہ کر دیا۔ شدید لڑائی کے بعد شہر کا ایک پھاٹک کھول لیا۔ جو لوگ شہر کی طرف سے مایوس ہو گئے تھے، قلعہ میں محصور ہو بیٹھے۔

یہ سر بفلک قلعہ بے حد مضبوط اور ناقابل تسخیر تھا۔ اس کے چاروں طرف دریائے راوی بہتا تھا۔ سکندر نے حکم دیا کہ سیڑھیاں لگا کر اوپر چڑھ جاؤ۔ بہت سے سپاہی اپنے آقا کے حکم پر قربان ہو گئے۔ سکندر اور اس کے چند ساتھی قلعہ پر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے۔ سکندر قلعہ میں کود پڑا۔ اتنے میں سکندر کی فوج قلعہ پر چڑھ گئی۔ چند فداکاروں نے بڑھ کر قلعہ کا دروازہ کھول لیا جس پر یونانی لشکر سیلاب کی طرح اندر اُمنڈ آیا۔ ہر طرف قتل و غارت کا بازار گرم ہو گیا۔ اسی دوران ایک تیر سکندر کے سینے میں لگا۔ خون زیادہ بہہ جانے کی صورت میں سکندر پر بے ہوشی چھا گئی۔ جب اچھا ہُوا تو اپنے جانبازوں کے اطمینان کے لئے دایاں ہاتھ اٹھا کر ان کو سلام کیا۔ جب ملتان فتح ہو گیا تو سکندر نے فلپ نامی ایک یونانی سردار کو اس شہر کا حاکم مقرر کیا۔

سکندر اعظم کا سرائے سدھو میں اجلاسِ عام

ٹیکسلا سے سندھ تک کا علاقہ یونانی فوج کی تحویل میں آ چکا تھا۔ سکندر نے ملتان کی فتح کے بعد روانگی کا عزم کیا۔ اس نے دریائے چناب اور راوی کے سنگم پر سرائے سدھو کی فوجی چھاؤنی میں اجلاسِ عام بلایا۔ اس میں اُچ، ملتان، شورکوٹ، چنیوٹ، امواتی، منکیرہ اور بھیرہ تک کے حکمران اور سالار باریاب ہوئے۔ اور وفاداری کی ضمانت پیش کی۔[1]

سکندر اعظم نے ملتان کے لئے فلپ کو اور شورکوٹ سے بھیرہ تک کے لئے فیلقوس کو اپنا نائب مقرر کیا۔

یونانی حکومت کے خلاف بغاوت

سکندر کو واپس وطن گئے ابھی چند ماہ گزرے تھے کہ راستہ میں بابل کے مقام پر فوت ہو گیا۔ ادھر اہلِ شورکوٹ اور ملتان نے بغاوت کر دی اور یونانی حکومت کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے کیونکہ یونانی حکمران اپنے مذہبی اور سیاسی نظریات، طرزِ معاشرت اور زبان کو زبردستی ان علاقوں پر مسلّط کرنے کی فکر میں سرگرداں تھے۔ اہلِ پنجاب کے لئے یہ جبریہ تبدیلی ناقابلِ قبول تھی۔ چنانچہ اس بغاوت کے دوران علاقہ پر یونانی حکمرانوں کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ بغاوت کی یہ خبریں ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں پھیل گئیں۔

موریہ خاندان

۳۲۱ قبل مسیح سے ۲۷۲ قبل مسیح تک

[1] تاریخ ملتان حصہ اول صہ ۶۸، تاریخ جھنگ بلال زبیری صہ ۵۶

چندر گپت موریہ :- چندر گپت "موریہ خاندان" کا نہایت نامور بادشاہ ہو گزرا ہے۔ اس کی ماں کا نام موریہ تھا۔ اس لئے اپنی ماں کے نام پر اپنے خاندان کا نام موریہ رکھا۔ سکندر اعظم یونانی کے حملہ کے دوران بھیس بدل کر پنجاب کا دورہ کر کے حالات کا جائزہ لیا۔ جونہی پنجاب کے لوگوں نے یونانیوں کے خلاف بغاوت کی۔ تو چندر گپت موریہ نے ان کی فوجی امداد کا اعلان کر دیا اور اپنی فوجیں لے کر پنجاب میں داخل ہو گیا۔[1]

چندر گپت موریہ نے یونانیوں کے خلاف لڑ کر ٹیکسلا سے جہلم تک کا وسیع علاقہ اپنی حدود میں شامل کر لیا۔ اس کے بعد بھیرہ، چنیوٹ، شورکوٹ، اموانی، منکیرہ اور ملتان کا علاقہ فتح کر لیا۔ حتیٰ کہ اپنی سلطنت کی حدود افغانستان تک وسیع کر لیں۔[2]

یونانیوں کا دوسرا حملہ :- سکندر اعظم ۳۲۶ قبل مسیح میں بمقام بابل فوت ہو چکا تھا۔ ادھر مغربی پنجاب کی بغاوت اور چندر گپت موریہ کی حکومت کی خبریں یونان پہنچیں تو سکندر کا ایک نائب سیلوکس مسلح افواج لے کر بغاوت فرو کرنے کے لئے ملتان سے شورکوٹ پہنچا۔ اس کا حملہ اتنا زوردار تھا کہ چندر گپت کو ہر مقابلہ میں شکست ہوئی۔ پنجاب پر قبضہ کرنے کے بعد سیلوکس دہلی کی طرف بڑھنا چاہتا تھا کہ یونان میں اس کی حکومت کے خلاف زبردست بغاوت ہو گئی۔ جلدی سے اسے واپس لوٹنا پڑا۔ جاتے وقت اس نے پنجاب کے راجاؤں سے صلح کر لی۔ چندر گپت کی بہادری سے وہ اتنا متاثر ہوا کہ اسے اپنی دامادی میں لے لیا۔ میگستھینز نامی ایک یونانی عالم کو سفیر کی حیثیت سے اس کے دربار میں چھوڑا اور چند یونانی گھرانے اپنی لڑکی کی دل بستگی کے لئے ہندوستان (پاٹلی پتر) میں ٹھہرائے تاکہ جب لڑکی کو وطن کی یاد ستائے تو یہ لوگ اس کا غم غلط کر سکیں۔ بعد میں یہی خاندان کوہستان ٹیکسلا، شورکوٹ، بھیرہ اور ملتان میں آباد ہوئے۔ ان کی اولاد آج بھی ان علاقوں میں آباد ہے۔ نون، ویینس، جوئیہ اور لانگ... وغیرہ قبائل انھی یونانیوں کی نسل سے ہیں۔[3]

مہاراجہ اشوک اعظم اور بدھ مت

۲۷۲ قبل مسیح سے ۱۸۵ قبل مسیح تک

مہاراجہ اشوک اپنے باپ بندوسار کی وفات کے بعد تخت پر بیٹھا۔ باپ کی زندگی میں ٹیکسلا کا گورنر رہ چکا تھا۔ اس لئے امورِ سلطنت سے بخوبی واقف تھا۔ تاریخ میں اشوک اعظم کے نام سے مشہور تھا۔ اشوک بدھ مذہب کا پیرو تھا۔ اس نے اپنے عہدِ حکومت میں اس مذہب کو فروغ دیا اور جگہ جگہ مندر تعمیر کرائے۔[4]

۱۔ تاریخ جھنگ بلال زبیری ص۵۷۔ ۲۔ تاریخ ملتان حصہ اول ص۷۔ ۳۔ تاریخ ہند مولانا ظفر ندوی ص۱۷، تاریخ ملتان ص۷۔ ۴۔ بحوالہ تاریخ جھنگ ص۵۸ بلال زبیری

منکیرہ میں مہاتما بدھ کا مجسمہ :۔ مقامی روایات کے مطابق ۱۸۰۳ء میں منکیرہ کے نواب سربلند خان سدوزئی نے قلعہ منکیرہ کی تعمیر کا کام شروع کیا۔ جب خندق کھودی گئی تو قلعہ کے جنوب مغربی گوشہ میں کھودی جانے والی خندق سے بدھ دور کی مورتیاں دستیاب ہوئیں اور تانبے کے سکّے برآمد ہوئے۔ جن پر ایک طرف مہاتما بدھ اور دوسری طرف اشوک اعظم کی تصویریں بنی ہوئیں تھیں۔ یہ سکّے کافی عرصہ تک نواب صاحب کے عجائب خانہ میں محفوظ رہے پھر سکھوں نے ان نوادرات کو لاہور کے عجائب گھر میں منتقل کردیا۔ بعض لوگوں کے پاس اب بھی یہ سکے پائے جاتے ہیں۔

اہلِ باختر کی یلغار

۱۵۵ قبل مسیح سے ۳۰ قبل مسیح تک

سیلوکس کے مرنے کے بعد ۲۵۰ قبل مسیح میں ڈیمٹر ڈیوس نے صوبہ سرحد کے مغرب میں وسیع علاقہ پر باختر نام کی حکومت قائم کی۔ باختر کی یونانی سلطنت کے بادشاہ ڈیمٹر ڈیوس نے ۱۷۵ قبل مسیح میں کوہ ہندوکش عبور کرکے سارے افغانستان پر قبضہ کر لیا۔ بعد ازاں پنجاب اور صوبہ سرحد کے گرد و نواح کے علاقوں کو بھی زیرِ نگوں کیا۔ پھر اشکانی قبیلے کو عروج ہوا۔ وہ کافی عرصہ پنجاب پر قابض رہے۔ سیالکوٹ ان کا مرکز تھا۔ ۱۶۵ قبل مسیح میں اہلِ باختر نے انراڈیٹس کی قیادت میں پنجاب پر حملہ کیا اور اپنی حکومت قائم کی۔

اسی سال یونان کے ایک قبیلہ بگڑین نے جو اپنے وطن سے جلاوطن ہوکر آوارہ ملک در ملک پھر رہا تھا۔ پنجاب پہنچ کر شورش پیدا کی۔ یہ قبیلہ خاصا جنگجو تھا۔ اس نے شورکوٹ۔ ملتان۔ چنیوٹ۔ کروڑ۔ منکیرہ اور امروانی کو فتح کرکے اپنی حکومت بنالی اور باقی پنجاب پر اہلِ باختر کی حکومت رہی مگر ان علاقوں میں جلد بغاوت ہوگئی۔ اہلِ باختر نے بگڑین قبیلہ کو اپنے علاقوں سے نکال باہر کیا۔ یونانیوں کا سربراہ بھاگ کر بھکر جانا چاہتا تھا کہ تریموں گھاٹ پر گرفتار ہوا جسے بعد میں پھانسی دی گئی۔ اس طرح اہلِ باختر نے پنجاب پر اپنا دوبارہ تسلط قائم کر لیا۔ تاہم عملاً حکومت مقامی راجاؤں ہی کی تھی۔ ان میں بیشتر چندر خاندان سے تھے[1]

یوچی اور کشان خاندان

۳۰ قبل مسیح سے ۳۲۰ء تک

یوچی ایک ترک یا تاتاری خانہ بدوش قبیلہ تھا جو شمال مغربی چین میں آباد تھا۔ یہ لوگ بہت مضبوط، جفاکش اور خوب صورت تھے۔ دوسری صدی قبل مسیح میں ایک اور خانہ بدوش قبیلہ جو ہُن کہلاتا تھا۔ انھیں گھربار سے

[1] تاریخ اسلامی ہند از نیاز فتح پوری ص ۱۰۲، تاریخ جھنگ بلال زبیری ص ۶۰

نکال دیا۔ یہ لوگ پھرتے پھراتے کوہ ہندکش کو عبور کر کے برصغیر پاک وہند میں آگئے۔ ان کا ایک گروہ کشن تھا جس نے کابل۔ قندھار اور بلوچستان سے ساکا قوم کو نکال کر وہاں اپنی سلطنت قائم کی۔[1]

مہاراجہ کنشک ۱۲۰ء سے ۱۶۲ء تک

یہ کشن خاندان کا تیسرا مہاراجہ تھا۔ ۱۲۰ء میں تخت پر بیٹھا۔ اس کا صدر مقام پرش پور موجودہ پشاور تھا۔ تخت پر بیٹھتے ہی سب سے پہلے کشمیر کو اپنی سلطنت میں ملایا۔ پھر چینی ترکستان۔ کاشغر اور یارقند کو فتح کیا۔ مہاراجہ کنشک کی سلطنت، چینی ترکستان سے لے کر متھرا تک اور کوہ ہمالیہ سے لے کر کوہ بندھیاچل اور دریائے نربدا تک پھیل گئی اور یہ بڑا زبردست، راجہ تصوّر کیا جانے لگا۔ بعض لوگ اسے سکندر اعظم ثانی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ کنشک کے دَور میں ٹیکسلا اور نالندہ کی یونیورسٹیاں بہت مشہور تھیں۔ کنشک نے نیا سمت جاری کیا جو ساکا سمت کہلاتا ہے۔ اس کے عہد میں سنگ تراشی کو بہت ترقی ہوئی۔ بُدھ مذہب کا شیدائی اور علم وادب کا دلدادہ تھا۔ مہم جوئی سے تنگ آکر اس کے جرنیلوں نے اُسے قتل کر دیا۔

کُشان خاندان کا زوال

کنشک کا بیٹا واسدیو بھی باپ کی طرح طاقت ور حکمران تھا۔ ۲۲۰ء میں واسدیو کی وفات کے بعد کُشان خاندان کا زوال شروع ہُوا اور یہ عظیم الشان سلطنت چھوٹی چھوٹی خود مختار سلطنتوں میں تقسیم ہوگئی۔ کابل میں کُشان حکومت کو ہُن قوم نے تباہ کر ڈالا اور ادھر چندر خاندان کے مہاراجوں نے مشترکہ جدوجہد کر کے کُشان خاندان کی حکومت ختم کردی اور اہلِ باختر سے باقی علاقے آزاد کرا کے اپنا پرچم لہرا دیا۔

گُپت خاندان

۳۲۰ء سے ۴۱۳ء تک

مہاراجہ کنشک کی وفات کے بعد برِصغیر پاک وہند کے تاریخی حالات کا رشتہ گم ہوگیا اور پورے دو سو سال گزر گئے تو ایک نئے خاندان کا ظہور ہُوا جسے عام طور پر گُپت خاندان کہتے ہیں۔ آریاؤں کے زمانۂ اقتدار کے بعد یہی خاندان ہے جس نے ہندو دھرم یعنی برھمن مت کی سرپرستی کی۔ اس خاندان نے تقریبًا دو سو برس حکومت کی۔ اُس دَور میں علم وفضل اور فنونِ لطیفہ نے بیحد ترقی کی اور یہاں کے باشندوں نے سیاسیات میں کمال درجہ حاصل کیا۔

۱۔ تاریخ جھنگ بلال زبیری ص ۶۱

راجہ بکرماجیت

۳۷۵ء سے ۴۱۳ء تک

چندر گپت ثانی مہاراجہ بکرماجیت کے لقب سے اپنے باپ کی وفات کے بعد تخت پر بیٹھا۔ تخت پر بیٹھتے ہی اس نے یوچی اور کشان قبیلوں کو شکست دی پھر اہلِ باختر کی غلامی سے ملک کو آزاد کرایا۔ اس کا دورِ حکومت تاریخ کا نمایاں باب ہے۔ یہ راجہ علوم وفنون کا قدردان تھا۔ سنسکرت کا مشہور شاعر اور ڈرامہ نویس تھا۔ اسے برِصغیر پاک و ہند کا شیکسپئیر کہنا بجا ہے۔ گپت خاندان کے عہد کو ہندوؤں کا سنہری زمانہ کہا جاتا ہے۔ اس دور میں ہندو مت کو ترقی ہوئی اور بدھ مت زوال پذیر ہوا۔ اس نے اپنے مقبوضات میں متعدد مندر تعمیر کرائے۔

مورخین کے مطابق یوچی اور کشان قبائل کے خلاف بکرماجیت کی فیصلہ کن جنگ کروڑ پکا، شورکوٹ اور ملتان کے علاقہ میں ہوئی تھی۔ اس میں بکرماجیت کامیاب ہوا۔ شورکوٹ قلعہ سے ایک ایسی تختی برآمد ہوئی ہے جس پر بکرماجیت کی فتح کے بارے میں عبارت درج ہے[1]۔

گپت سلطنت کا زوال

گپت خاندان کے آخری دور میں ہُن حملہ آوروں نے پنجاب اور راجپوتانہ پر یلغار شروع کر دی۔ ۴۶۸ء میں یہ راجہ فوت ہوا اور اس کے ساتھ ہی گپت سلطنت کو زوال آگیا۔

سفید ہُنز کی یلغار

۳۲۰ء سے ۵۲۵ء تک

اوراقِ تاریخ میں ہُن قوم کا ذکر پہلی بار ۱۶۵ قبل مسیح میں ملتا ہے۔ اس سال یوچی قبائل نے انھیں شکست دے کر ان کے وطن شمال مغربی چین سے نکال باہر کیا۔ یہ دو حصّوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک حصّہ دریائے جیحوں سے ہوتا ہُوا والگا کی طرف چلا گیا۔ رُومی مورخ انھیں سفید ہُنز کے نام سے یاد کرتے ہیں جس طرح برِصغیر پاک و ہند پر ہُن قوم کا حملہ گپت خاندان کی حکومت و سطوت کے زوال کا سبب بنا۔ اسی طرح یُورپ میں ان کا حملہ رُومی سلطنت کی تباہی کا بھی باعث بنا۔ دوسرے حصّے میں اس قوم کے کثیر التعداد لوگ کوہ ہندوکش کے راستے افغانستان میں گھس آئے اور پانچویں صدی عیسوی میں گندھارا پر قبضہ کر لیا اور کشان خاندان کی سلطنت کی رہی سہی طاقت کا جنازہ نکال دیا اور وہیں سے یہ قوم برِصغیر پاک و ہند پر وقتاً فوقتاً حملہ آور ہوتی رہی برِصغیر

---

[1] تاریخ ملتان حصّہ اوّل ص۴۳، تاریخ جھنگ بلال زبیری ص۶۱

[2] تاریخ پاک و ہند ص۷۹۔ ایم۔ اے بھٹی

پاک و ہند میں ہُن قوم کا پہلا حملہ ۴۵۶ء میں ہوا۔[1]

تورمان ہُن کا حملہ

۴۶۶ء سے ۵۱۳ء تک

ہُن قبیلہ کے سردار تورامان نے درۂ خیبر عبور کر کے ۴۶۶ء میں گپت سلطنت پر حملہ کر دیا۔ اس وقت سکندر اگپت اور اس کے سوتیلے بھائی پیرا گپت کا میدان گرم تھا۔ اس وجہ سے وہ ہُنوں کے حملوں کو روک نہ سکا۔ آخر انہوں نے سکندر اگپت کو شکست دے کر پنجاب کے بیشتر علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ یہاں تک کہ بھیرہ، چنیوٹ، اموانی، منکیرہ اور ملتان تک کا علاقہ ان کی تحویل میں آگیا۔[2]
اس قبیلہ کے حکمران بڑے سنگدل اور ظالم تھے۔ انھوں نے اس قدر سختی کی کہ لوگ دب گئے۔

ہیون تسانگ

مشہور چینی سیاح ہیون تسانگ ملتان جاتے ہوئے تریموں گھاٹ سے گزرا تو اس وقت اس علاقہ پر ہُن حکومت کر رہے تھے۔ یہ علاقہ زرخیز اور شاداب تھا۔ ہیون تسانگ نے لکھا کہ ملتان، شورکوٹ، منکیرہ اور اموانی پر سانگلہ نامی راجہ سفید ہنز کے تعاون سے حکومت کر رہا تھا۔ بعد میں ترکوں نے ہُن قبیلہ کی حکومت کو ختم کیا۔[3]

مہر گُل کی حکومت

۵۱۳ء سے ۵۲۸ء تک

تورمان ہُن کی وفات کے بعد اس کا بیٹا مہر گل ۵۱۳ء میں تخت پر بیٹھا۔ اس کا دارالحکومت سکالہ موجودہ سیالکوٹ تھا۔ یہ رعایا پر ظلم کرنے لگا۔ اس کے ظلم سے تنگ آکر چندر خاندان کی عورت پدمانے جو بھیرہ میں رہتی تھی۔ مظالم دیکھ تڑپ اٹھی اور اس نے مالوہ کے راجہ یشودھرمن سے فوجی امداد حاصل کی، اور ۵۲۸ء میں براستہ اموانی، منکیرہ، کروڑ پکا نزد ملتان حملہ کر دیا۔ یہ حملہ اتنا اچانک تھا کہ مہر گل بدحواس ہو گیا۔ پدمانے[4] مہر گل کو قتل کر کے علاقہ کا نظم و نسق سنبھال لیا۔ اسطرح ہُن قوم کے اقتدار کا خاتمہ ہو گیا۔

مہر گُل کا مذہب: چنیوٹ کے دفینوں سے جو سکے برآمد ہوئے ہیں۔ اُن سے پتہ چلا ہے کہ

---

[1] سفرنامہ ہیون تسانگ ص۴۸۵ ۔ [2] تاریخ ملتان حصہ اول ص۴۷، تاریخ ہند از ظفر ندوی ص۲۴ ۔ [3] تاریخ پاک و ہند ایم اے بھٹی
[5] تاریخ جھنگ ص۶۳ ۔ تاریخ بھیرہ ابوشاہین فاروقی ص۲۸

مہرگل کا مذہب ہندو دھرم تھا۔

ہُن قوم کا زوال اور ان کے حملوں کا اثر

ہُن قوم برصغیر پاک و ہند میں کوئی دیرپا حکومت قائم نہ کر سکی۔ اس کا سبب ان کا ظلم و ستم ہے۔ وسط ایشیاء میں نوشیرواں شاہ ایران نے ۵۶۳ء میں انھیں شکست دے کر ان کا خاتمہ کر دیا تھا۔ اس لئے مہرگل کو کوئی مدد نہیں مل سکتی تھی۔ لہٰذا اُن کی طاقت کو زوال آگیا۔

حملوں کا اثر: (۱) ہُن قوم کے حملوں نے برصغیر پاک و ہند کے باشندوں کی تمدنی زندگی پر بہت اثر ڈالا۔ (۲) گپت دور کا سیاسی اور سماجی نظام اس نے بالکل ختم کر دیا۔ (۳) ملک میں طوائف الملوکی پھیل گئی اور جابجا چھوٹی چھوٹی سلطنتیں قائم ہو گئیں (۴) ان کی یلغاروں اور شورشوں سے تمام قدیم روایات بالکل ختم ہو گئیں۔

اِن مذکورہ بالا اثرات کے سبب قدیم ترین ہندو خاندانوں کی روایتیں ہُنوں کے حملوں سے پہلے نہیں ملتیں۔[۱]

رانی پدما کی حکمرانی

۵۲۸ء سے ۵۳۰ء تک

رانی پدما کو راجہ مالوہ نے بھیرہ تا شورکوٹ تمام علاقہ جس میں خوشاب، امرانی، منکیرہ کی ریاستیں شامل تھیں، کا حکمران مقرر کیا۔ پنجاب کی تاریخ میں یہ پہلی عورت تھی جس نے حکومت سنبھالی۔ اور ہُنوں کو شکست دی۔ مگر دو سال حکمران رہنے کے بعد فوت ہو گئی۔ پھر اس کے علاقہ پر اس کی اولاد قابض رہی۔ تاآنکہ چندر خاندان کے راجہ چچ نے جو ۱۰ھ ۶۳۱ء میں حکمران بنا تھا، یہ علاقہ بھی اپنی عملداری میں لے لیا۔[۲]

چچ خاندان

۱۰ھ ۶۳۱ء سے ۹۳ھ ۷۱۱ء تک

راجہ چچ

۱۰ھ ۶۳۱ء سے ۵۰ھ ۶۷۰ء تک

راجہ چچ برہمن خاندان کے ایک شخص سیلاج پنڈت کا لڑکا تھا جو راجہ ساہسی رائے ثانی کے دور

۱؎ تاریخ پاک و ہند ایم اے بھٹی ص۸۰۔ ۲؎ تاریخ بھیرہ ابو شاہین فاروقی ص۲۹۔ تاریخ جھنگ بلال زبیری ص۶۳

میں سول کلرک کی حیثیت سے بھرتی ہوا اور ترقی کرتے کرتے راجہ کا پرائیویٹ سیکرٹری بن گیا۔ راجہ کی رانی سوہن دیوی اس پر سو جان سے فدا تھی۔ جب راجہ کا انتقال ہوا تو اس نے راجہ چچ کو سندھ کے تخت پر بٹھا دیا۔ آنجہانی کے ایک قریبی رشتہ دار راجہ مہرت نے اس پر حملہ کر دیا مگر الرور موجودہ روہڑی کے قریب لڑتا ہوا مارا گیا۔ اس کے بعد راجہ چچ نے ملتان کا رُخ کیا۔ پہلے شہر بابیہ کو فتح کیا۔ اس کے بعد اسکلندہ پر اپنا پرچم لہراتے ہوئے سکہ موجودہ سرور کوٹ پہنچا۔ معمولی جھڑپ کے بعد سکہ کے حاکم نے شکست کھائی۔ اور قلعہ چھوڑ کر بھاگ گیا[1]

ملتان کے راجہ راؤ بجے زبردست لشکر لے کر مقابلے کو نکلا۔ اس نے پوری شدت سے چچ پر حملہ کیا مگر شکست کھا کر صلح کر لی۔ چچ فتح و نصرت کے پھریرے لہراتا ملتان میں داخل ہوا تو بجے راؤ کے مغلوب ہونے سے چچ کا ایسا رعب بیٹھ گیا کہ ہر طرف کے حکام خود بخود مطیع ہو گئے۔ برہما پور۔ کروڑ۔ اشہار۔ اموانی منکیرہ کے حکمرانوں نے بھی سرِ اطاعت جھکا دیا۔ چالیس سال حکومت کرنے کے بعد ۵۰ھ/۶۷۰ء میں انتقال کیا۔ اس کی سلطنت سندھ کے علاوہ ملتان۔ کروڑ۔ بھکر۔ شورکوٹ۔ اموانی۔ منکیرہ۔ برہمن گڑھ۔ تلوارہ اور چاچ موجودہ چنیوٹ تک وسیع تھی[2]

رائے چندر

۵۰ھ/۶۷۰ء سے ۵۸ھ/۶۷۸ء تک

رائے چچ کے بعد اس کا چھوٹا بیٹا رائے چندر تخت نشین ہوا۔ یہ راجہ بُدھ مت کا پیرو تھا۔ اس کے زمانے میں بُدھ ازم کو بڑا فروغ ہوا۔ ہر شہر میں اس کی تحریک نے ازسرِ نو زندگی پائی۔ تبلیغ و ارشاد کے لئے بُدھ پرچارک مقرر کئے۔ خود راجہ سارا دن درویشوں اور فقیروں کی محفل میں بیٹھا مذہبی گفتگو کرتا رہتا۔ آٹھ سال بڑے جاہ و جلال سے حکومت کرنے کے بعد یہ نیک نام راجہ دارِ فانی سے عالمِ باقی کو رخصت ہو گیا۔ اس کے دور میں چنیوٹ کے راجہ ہرمن رائے نے بغاوت کر دی۔ بغاوتِ کشمیر تک پھیل گئی لیکن رائے چندر نے ہرمن رائے کو شکست دے کر اپنی سلطنت کشمیر تک بڑھا لی۔ اس طرح بغاوت کا خاتمہ ہو گیا[3]

راجہ داہر

۵۸ھ/۶۷۸ء تا ۹۳ھ/۷۱۱ء تک

رائے چندر کی موت کے بعد اس کا بھتیجا راجہ داہر تخت پر بیٹھا لیکن اس کے اپنے افراد کے خاندان

---

[1] تاریخ ملتان جلد اول ص۷۶۔ تاریخ سندھ مولانا عبدالحلیم شرر ص۔۔۔۔ چچ نامہ حصہ دوم ص۱۰۷ [2] تاریخ جھنگ بلال زبیری ص۶۴۔ چچ نامہ حصہ دوم ص۱۰۷ تاریخ سندھ از مرزا محمد کاظم برلاس [3] بحوالہ تاریخ جھنگ۔ بلال زبیری ص۶۶

نے بغاوت کردی اور رائے انمل کی قیادت میں منظم ہوکر اس کی ریاست میں داخل ہوگئے۔ انہی دنوں عرب کا سردار محمد بن حارث علافی جو عبدالرحمن بن اشعث کو قتل کر کے عرب سے بھاگ کر سندھ میں پناہ گزین ہوا تھا۔ بڑا بہادر اور شجاع تھا۔ اس نے راجہ داہر کو جنگی مشورے دیئے۔ جس پر عمل کرتے ہوئے اسے کامیابی ملی اور اس نے اپنی ریاست کو مستحکم کیا۔ ایک رات محمد بن حارث علافی نے اپنے پانچسو ساتھیوں کے ہمراہ رائے انمل پر ایسا شبخون مارا کہ ان سب کو کاٹ کر رکھ دیا۔ راجہ داہر کو علافی کی اس بہادری سے بڑی خوشی ہوئی اور اس کی بڑی قدر و منزلت کی۔ اس کے بعد راجہ داہر کو ہند کے راجاؤں سے کوئی تکلیف نہ پہنچی اور پچپن ۵۵ برس پورے دبدبہ اور طنطنہ سے حکومت کی۔ آخری دور میں اس کے دماغ کو نخوت و تکبر نے گھیر لیا جو اس کے زوال کا سبب بنا اور اس کے ساتھ ہی سرزمینِ ہندوستان سے ہندو سلطنت کا خاتمہ ہوگیا۔

دریائے چناب اور جہلم کا درمیانی علاقہ جو تھل ساگر کے نام سے موسوم ہے۔ بشمول امرانی، منکیرہ، بھکر، کروڑ اس کی عملداری میں شامل تھا۔ راجہ داہر نے دونوں دریاؤں کے کنارے چوکیاں، اصطبل اور سرائیں تعمیر کرائیں۔ [1]

[1] بحوالہ تاریخ جھنگ بلال زبیری ص۶۶، تاریخ ملتان جلد اول ص۴۰

ملک دوست محمد کھوکھر
مصنف تاریخ ریاست منکیرہ

دوسرا باب

اِسلامی دَورِ حکومت

۹۳ھ / ۷۱۱ء تا ۳۷۵ھ / ۹۸۵ء

ولایت سندھ اور ہند عربوں کی نظر میں

سندھ اور ہند عربوں کے نزدیک دو الگ الگ ملک تھے۔ سندھ کا ملک ہندوستان کرمان اور سجستان وغیرہ کی حدود سے گھیرا ہوا تھا۔ اس کے بعد ہندوستان کا ملک پڑتا تھا جو مشرق میں چین کی حدود سے ملتا ہے۔ عرب ان دونوں ملکوں کو ملا کر ہند بھی بولتے تھے جس طرح تاریخ نے اپنے آپ کو دہرایا اور اب پھر ایک ملک ہندوستان کے تقریباً انہی دونوں علاقوں کو بھارت اور پاکستان کے دو ناموں سے یاد کیا جانے لگا اور پرانی تاریخ کے مطابق دو الگ الگ ملک ہو گئے۔ قدیم ترین عرب جغرافیہ دان ابن خردازبہ نے بلاد سندھ میں ان شہروں کو شمار کیا ہے[1]

قیقان (قلات)۔ بنہ (غالباً بنوں)۔ مکران۔ قندھار۔ گندھارا۔ خضدار۔ بوقان۔ قندابیل۔ ارمابیل۔ دیبل (کراچی)۔ قنبلی۔ کنبایا (کھمبایت)۔ سہبان (سیوستان)۔ راسک۔ الرور (روہڑی)۔ ساوندری (موتان) سندان (سنجان بمبئی)۔ مندل سلیمان (گجرات) اور بروص (بھڑوچ) کو شمار کیا ہے[2]۔

عرب اور ہند کے ابتدائی تعلقات

عرب اور ہندوستان کے ابتدائی تعلقات حضرت آدم علیہ السلام اور اماں حوا کی ملاقات سے قائم ہوئے۔ اس ملاقات کا شرف وادئ سندھ کو حاصل ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور اماں حوا کو بہشت سے نکال کر باہر خطۂ ارضی پر بھیجا تو اس وقت آدم علیہ السلام کو ہندوستان کے جزیرے سراندیپ (لنکا) کی پہاڑی پر اُتار اگیا جسے اب آدم پہاڑی کہتے ہیں اور اماں حوا کو جزیرہ نمائے عرب میں بمقام بابل و نینوا اُتارا گیا۔ کافی مدت جُدا رکھنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے دونوں کی ملاقات وادئ سندھ میں باہم کرادی اور یہی ملاقات عرب ہندوستان تعلقات کی بنیاد ثابت ہوئی۔[3]

عرب ہندوستان تعلقات کا سراغ عہدِ قدیم سے لگایا گیا ہے۔ عہدِ قدیم سے ان دونوں ملکوں کے تجارتی علمی اور مذہبی تعلقات کا سراغ واضح ہو چکا ہے لیکن عرب میں ظہورِ اسلام کے بعد جو دَور آیا۔ اس کے مذہبی اور اخلاقی انقلاب کے اثرات بھی ان ہی واسطوں سے یہاں پہنچ گئے۔ چنانچہ ایسے عرب سیاحوں اور تاجروں کے سفرنامے اور جغرافیہ کی کتابیں جو ہندوستان سے متعلق ہیں، موجود ہیں۔

---

[1] سلاطین دہلی از پروفیسر غلام رسول ص۲۶۱ ۔ [2] سلاطین دہلی از پروفیسر غلام رسول ص۲۶۱ ۔ [3] بحوالہ عہدِ اسلامی کا ہندوستان ص۲۱ از سید ریاست علی ندوی۔

خلافتِ راشدہ میں ہندوستان سے تعلقات

۱۵ھ میں ہندوستان پر غیر منظم بحری حملہ کے بعد عہدِ فاروقی میں کسی اور مہم کا پتہ نہیں چلتا چونکہ حضرت عمر اس مہم کے سخت خلاف تھے اور بغیر مکمل تیاری کے اور پوری معلومات کے ہندوستان کے طویل بحری سفر کو مصلحت کے خلاف سمجھتے تھے۔

(۱)۔ عہدِ فاروقی میں سندھ اور مکران کی حدود تک براستہ خشکی مجاہدینِ اسلام کے قدم آئے۔ ۱۵ھ میں عثمان بن ابو العاص ثقفی کے حکم پر ایک مہم ہندوستان آئی۔ جس کا سالارِ اعلیٰ حکم بن ابو العاص ثقفی جو عثمان ثقفی کا حقیقی بھائی تھا اپنی فوج لے کر تھانہ (بمبئی) اور بھڑوچ (گجرات) پر حملہ آور ہوا اور فتح پائی۔

(۲)۔ دوسری مہم عثمان ثقفی نے اپنے دوسرے بھائی مغیرہ بن ابو العاص کی زیرِ قیادت ایک رضاکارانہ بحری فوج دیبل (سندھ) کی طرف روانہ کی۔ جہاں سے اسلامی لشکر مظفر و منصور، کامیاب و کامران ہو کر واپس ہوا حضرت فاروق کو اس فوج کشی کی خبر نہ تھی۔ اس لئے آپ نے عثمان کے اس اقدام کو ناپسند فرمایا اور تہدید آمیز خط لکھا۔ اے ثقفی! تو نے کیڑے کو لکڑی پر سوار کیا اور سمندر کے حوالے کر دیا۔ خدا کی قسم اگر اس خطرناک اور غیر منظم مہم میں مسلمانوں کا جانی نقصان ہوا تو تمہارے قبیلہ ثقیف سے ایک ایک کا بدلہ لوں گا[۱]

(۳)۔ جب حضرت عثمان کا دورِ خلافت آیا تو آپ نے ہندوستان کی طرف توجہ فرمائی اور حضرت عمرؓ کی محتاط روش کی روشنی میں عراق کے حاکم عبد اللہ بن عامر کُریز کے ذریعے حضرت حکیم بن جبلہ عبدی کو ہندوستان کے سرحدی مقامات کے سیاسی اور ملکی حالات اور جہاد کے امکانات معلوم کرنے کے لئے یہاں بھیجا مگر یہاں کے حالات جہاد کے لئے مناسب نہ تھے اس لئے مزید کوئی کارروائی نہ کی[۲]

(۴)۔ حضرت علیؓ کا دورِ خلافت آیا تو آپ نے ۳۸ھ کے ابتدا میں حارث بن مُرہ عبدی کو حکم دیا کہ ہندوستان کا رُخ کریں چنانچہ حارث بن مُرہ عبدی نے ہندوستان کی شمال مغربی سرحد پر حملہ کیا اور مالِ غنیمت پایا مگر بعد میں قیقان (کیگان قلات) کے ایک معرکہ میں حارث بن مُرہ اور بہت سے مسلمان شہید ہوئے یہ واقعہ ۴۲ھ کا ہے۔

(۵)۔ حضرت امیر معاویہؓ کے زمانۂ خلافت میں ۴۴ھ میں مہلب بن ابی صفرہ نے ہندوستان کا رُخ کیا اور بنّوں پر فوج کشی کی۔ اس کے بعد عبد اللہ بن سوار عبدی نے قیقان پر حملہ کر کے گذشتہ شکست کا بدلہ لیا اور فتح پائی۔ الغرض عہدِ فاروقی کی ابتدا سے حضرت امیر معاویہ کے زمانے تک ہندوستان اور عرب کے تعلقات کی نوعیت وقتی معرکہ آرائی اور غالب و مغلوب کی رہی جن میں خلفائے راشدین اور دوسرے صحابہ کرام اور

۱۔ سلاطین دہلی از پروفیسر غلام رسول ص ۲۴۷ ۲۔ سلاطین دہلی از پروفیسر غلام رسول ص ۲۵۱

تابعین معظام نے حصہ لیا۔ ظاہر ہے کہ ان مہمات میں بزم نبوت کے حلقہ نشینوں کے مبارک قدم اس ملک
میں آئے ہوں گے۔[1]

سندھ پر عربوں کے حملے اور اسباب

عرب اور ہند کے تعلقات کا سراغ پچھلے زمانے میں دو ہزار سال قبل مسیح میں مل سکتا ہے۔ اسلامی
عہد میں ان دونوں ملکوں کے تعلقات زیادہ استوار ہو گئے۔ عربوں کے تجارتی قافلوں کا سندھ اور ہند میں
خیر مقدم کیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ عربوں کے سندھ پر حملہ آور ہونے سے پہلے ان کی پر امن نوآبادیاں قائم ہو
گئی تھیں۔ اسلام کے آغاز میں سندھ کے قبیلے جاٹ اور مید لوگوں نے ایرانیوں کی طرف سے عربوں کا مقابلہ
کیا تھا۔ لڑائی میں ان قوموں کے شریک ہونے کی وجہ سے سندھ گویا دشمن ملکوں کی صف میں داخل ہو گیا تھا۔[2]

حملے کے اسباب

(۱)۔ سندھ میں اسلامی حکومت کو پہلی شکایت یہ ہوئی کہ سندھی جاٹ ایرانیوں کے ساتھ مل کر اسلامی
لشکر کے خلاف صف آرا ہوئے چنانچہ مسلمانوں کی دیکھ بھال کرنے والے بحری قافلے اور جنگی بیڑے ہندوستان
کے ساحل سے آکر ٹکرانے لگے اور سپاہی مختلف جگہوں پر چھاپے مارنے لگے۔

(۲)۔ سندھ سے اسلامی حکومت کو دوسری شکایت یہ ہوئی کہ حکومتِ سندھ نے ایسے مختلف باغیوں
کو اپنے دامن میں پناہ دی جو اسلامی حکومت کی نظر میں اسلام اور امن و امان کے لئے خطرہ بن چکے تھے۔ ان
میں محمد بن حارث علافی، معاویہ بن حارث علافی اور جہیم بن سامہ قابلِ ذکر ہیں۔

(۳)۔ تیسرا بڑا سبب یہ تھا کہ عرب عورتوں کے جہاز کو راجہ داہر کے بحری قزاقوں نے لوٹ لیا جس کی وجہ
سے ان دونوں ملکوں کے تعلقات خراب ہوئے۔ اس قضیہ کو مستقل طور پر تلوار ہی کے ذریعہ طے کرنے کا فیصلہ
کیا گیا۔

آخری واقعہ کی صورتِ حال یہ تھی کہ سراندیپ کے راجہ نے ایک سفارت چند تحائف کے ساتھ خلیفہ
ولید بن عبدالملک کے پاس دمشق روانہ کی نیز اس سفارت کے ساتھ ایسے عرب تاجروں کی مستورات اور
لڑکیاں بھی تھیں جو لنکا میں انتقال کر گئے تھے۔ اس جہاز کو سندھیوں نے بندرگاہ دیبل کے پاس لوٹ لیا۔ اسلامی
حکومت کی طرف سے سندھ کے راجہ داہر کو اس طرف توجہ دلائی گئی۔ کہ شریف عرب خواتین کو واپس کیا جائے
لیکن راجہ داہر نے جواب دیا کہ یہ بحری قزاقوں کا کام ہے جو اس کی دسترس سے باہر ہیں۔ حجاج بن یوسف
ثقفی نے راجہ داہر کے جواب کو حیلہ جوئی پر محمول کیا چنانچہ عرب عورتوں کے جہاز لوٹ لینے کے انتقام میں

---

[1] سلاطین دہلی از پروفیسر غلام رسول ص۲۵۱ [2] تاریخ فرشتہ جلد اول از محمد قاسم فرشتہ ص۸۰

حکومت سندھ کے خلاف ایک مہم اٹھارہ سالہ سپہ سالار محمد بن قاسم ثقفی کی سرکردگی میں بھیجی گئی۔

اُمویوں کا دورِ حکومت

۹۳ھ ۷۱۱ء سے ۱۳۲ھ ۷۴۹ء تک

دمشق پر ان دنوں اُموی خاندان کا پرچم لہرا رہا تھا۔ یہ علاقہ مرکزِ خلافت سے بہت دُور تھا اور درمیان میں کوہستانوں، صحراؤں اور دریاؤں کا لامتناہی سلسلہ حائل تھا۔ آبادی جنگجو قبائل پر مشتمل تھی۔ جب محمد بن حارث علافی ایک مسلمان سپہ سالار کو قتل کر کے وادئ سندھ میں آیا تو پہلی مرتبہ اُموی خلافت کو صفحۂ ارض پر یہ ملک نظر آیا۔

حجّاج نے فجاج بن سعید کو مکران کا گورنر مقرر کر کے علافیوں کی گرفتاری پر مامور کیا مگر وہ اسی سال مر گیا۔ اس کے بعد محمد بن ہارون کا تقرر ہُوا۔ وہ پانچ سال تک متعدد شہروں پر حملے کرتا رہا۔ اسے صرف ایک علافی مل سکا جسے قتل کر کے اس کا سر حجّاج کے پاس بھجوا دیا۔[1]

ابھی یہ چھیڑ چھاڑ جاری تھی کہ اتفاق سے ان دنوں سراندیپ (لنکا) کے راجہ نے حجّاج کے پاس آٹھ جہاز تحائف کے روانہ کئے۔ ان میں لونڈی اور غلام بھی تھے اور کچھ مسلمان عورتیں اور بچّے بھی۔ جب وہ جہاز دیبل سے گزرے تو بحری قزّاقوں نے لُوٹ لیا۔ عورتوں کو پکڑ کر لے گئے۔ دفعتہً ایک لڑکی بے تحاشا چلّا اٹھی۔

یا حجّاج اغثنی ۔ (اے حجّاج میری مدد کو پہنچ)

حجّاج عصر کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکل رہا تھا کہ ایک اجنبی ہانپتا کانپتا حاضرِ خدمت ہوا اور بولا۔ میں سندھ سے آ رہا ہُوں۔ سمندری لٹیروں نے آپ کے آٹھ جہاز لُوٹ لئے ہیں اور مسلمان عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر لیا۔ جب میں وہاں سے روانہ ہُوا تو ایک لڑکی کی آواز برابر میرے کانوں میں آ رہی تھی۔ یا حجاج اغثنی

حجّاج کے دل پر اس واقعہ کا ایسا اثر ہُوا کہ بے اختیار پکار اُٹھا۔

لبّیکَ یا اُختی ۔ (ہاں بہن میں آیا)

محمد بن قاسم فاتحِ سندھ

۹۳ھ ۷۱۱ء تا ۹۶ھ ۷۱۴ء

حجّاج نے ولید بن عبدالملک سے اجازت لے کر اپنے بھتیجے اور داماد محمد بن قاسم بن عقیل ثقفی

کو جو کہ اس وقت شیراز میں موجود تھا، حکم دیا کہ وہ جلد جائے اور فوج کو لے کر سندھ پر حملہ آور ہو۔
محمد بن قاسم کے مقدمۃ الجیش (ہراول) پر ابوالاسود جہم بن زحر الجعفی کو قائد مقرر کیا۔

جہاد کا اعلان ہوتے ہی دمشق سے پانچ ہزار نوجوان اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے جونہی یہ لشکر دمشق سے روانہ ہوا تو سینکڑوں نوجوان راستے میں جوق در جوق لشکر میں جمع ہوتے گئے حتیٰ کہ اس لشکر کی تعداد بارہ ہزار ہو گئی جن میں چھ ہزار سپاہی گھوڑوں پر، تین ہزار پیدل اور تین ہزار سامان رسد لے کر اونٹوں کے ساتھ تھے۔

دیبل کی فتح:۔ محمد بن قاسم ۹۳ھ/۷۱۱ء میں شیراز سے ہوتا ہوا مکران پہنچا اور وہاں سے کوچ کر کے باب الاسلام سندھ میں داخل ہوا۔ لس بیلہ کے پہاڑی علاقوں میں بیس ہزار سندھیوں نے راستہ روکا مگر پہاڑی قلعہ کو گرا لیا۔ لس بیلہ کی فتح کے بعد وہ دیبل پہنچا جو فصیل بند شہر تھا۔ وسط شہر میں ایک مندر تھا جس کے گنبد کے کلس پر زمین سے ایک سو بیس (۱۲۰) فٹ بلند سرخ جھنڈا لہرا رہا تھا۔ راجہ داہر خود پچاس ہزار فوج لے کر شہر کو بچانے کے لئے نکلا۔ قلعہ بند ہو کر لڑنے لگا۔ محمد بن قاسم نے منجنیق کے ذریعہ بہت بڑا پتھر مندر کے گنبد پر پھینکا جس کی ضرب نے گنبد کو زمین بوس کر دیا۔ اس کے ساتھ سرخ جھنڈا بھی نیچے آ رہا۔ راجہ داہر مشرقی دروازے سے نکل کر بھاگ گیا اور شہر فتح ہو گیا۔

اس کے بعد محمد بن قاسم نے نیرون کو فتح کیا۔ پھر یہاں قلعہ روڑ کے مقام پر راجہ داہر سے خون ریز جنگ کی جس میں وہ بہادر راجہ دادِ شجاعت دیتا ہوا مارا گیا۔ اس عظیم الشان فتح کے بعد محمد بن قاسم ملتان کی طرف بڑھا۔

ملتان کی فتح:۔ ملتان کا صوبہ بھی راجہ داہر کے ماتحت تھا۔ اس میں منکیرہ۔ اموانی۔ شورکوٹ اور کوٹ کروڑ کی ریاستیں شامل تھیں۔ محمد بن قاسم جب ملتان کی حدود میں داخل ہوا تو سکہ کا سابق حکمران بجے راؤ کا نواسہ مقابلے میں نکلا مگر شکست کھا کر قلعہ نشین ہو گیا۔ مسلمانوں نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا جو ایک عرصہ تک جاری رہا۔

عرب مؤرخ بلاذری کا بیان ہے کہ ملتان کا ایک باشندہ عربوں کے ہتھے چڑھ گیا جس نے قلعہ میں جانے والی خفیہ نہر کا پتہ دیا۔ مسلمانوں نے آب رسانی کا یہ سلسلہ منقطع کر دیا۔ چنانچہ پیاس سے تنگ آ کر قلعہ والوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس کے بعد محمد بن قاسم نے قلعہ میں داخل ہو کر راجہ جے بادین کے مندر کا مدفون خزانہ نکلوا کر عراق روانہ کر دیا۔ حجاج یہ دیکھ کر بہت خوش ہوا اور بے اختیار پکار اٹھا کہ اب ہمارا غصہ فرو ہوا کیونکہ صرف شدہ رقم کا دگنا خزانہ میں داخل ہوا۔ چھ کروڑ درہم اور راجہ داہر کا سر ہم کو

نفع میں ملا۔[۱] ابن خردادنبہ کا بیان ہے کہ ملتان کے خزانے کا یہ سرمایہ دارالخلافت پہنچا تو اس کی بڑی شہرت ہوئی اور لوگ ملتان کو خزج بیت الذہب یعنی سونے کی سرحد کہنے لگے۔ محمد بن قاسم نے ایک مکان میں چالیس بار سونا پایا۔ بار ۳۳۳ من کا ہوتا ہے۔ اس حساب سے کل بار میں ۱۳۳۲۰ من سونا ہوا۔[۲]

منکیرہ، بھکر اور کروڑ کی فتح :- محمد بن قاسم نے ابوالاسود جہم بن زحر ثقفی کو ہراول دستے کا سالار مقرر کر کے ایک فوج کوٹ کروڑ۔ بھکر اور منکیرہ کی ریاستوں کو فتح کرنے کے لئے روانہ کی۔ ان ریاستوں کو فتح کرنے کے بعد ابوالاسود خوشاب جا پہنچا اور دریائے جہلم کے دونوں کناروں کی آبادیاں فتح کر لیں پھر منکیرہ۔ بھکر اور کروڑ کے لئے احمد بن خزیمہ بن عتبہ مدنی کو گورنر مقرر کیا۔[۳]
اور انہوں نے مرض اسہال میں مبتلا ہو کر منکیرہ میں وفات پائی اور یہیں دفن ہوا۔ آپ کا مزار عظیم قلعہ منکیرہ کے جنوب مغربی گوشہ میں متصل برج قلعہ واقع ہے۔

انتظام سلطنت :- نظام حکومت سنبھالنے کے بعد محمد بن قاسم نے سندھ سے چنیوٹ تک ریاست کو پانچ صوبوں میں تقسیم کیا۔ ۱۔ روڑ موجودہ روہڑی ۲۔ ملتان ۳۔ شورکوٹ ۴۔ جندور (چنیوٹ) ۵۔ کوٹ کروڑ۔ بھکر۔ منکیرہ۔ مؤرخ یعقوبی نے شورکوٹ کا نام برہما پورا اور چنیوٹ کا نام جندور لکھا ہے۔ ہر صوبے کے لئے گورنر مقرر کئے۔ ۱۔ ملتان کے لئے داؤد بن نصر یمانی کو ۲۔ شورکوٹ کے لئے جلال الدین محمود غازی کو جس کا مزار شورکوٹ کے باہر موجود ہے۔ ۳۔ منکیرہ، بھکر اور کروڑ کے لئے احمد بن خزیمہ بن عتبہ مدنی کو ۴۔ چنیوٹ کے لئے حزیم بن عبدالملک تمیمی کو ۵۔ اور روڑ یعنی روہڑی کے لئے عکرمہ بن ریحان شامی کو گورنر مقرر کیا۔[۳]

محمد بن قاسم کی وفات

محمد بن قاسم اپنی ایک فوج کو منظم کرنے کے بعد ہندوستان کو فتح کرنے کی غرض سے قنوج کی طرف کوچ کرنے والا تھا کہ دربارِ خلافت سے اُسے واپسی کا حکم ملا۔ یہ حکم نئے خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کی طرف سے تھا جو اپنے بھائی ولید کی وفات کے بعد خلیفہ ہوا تھا۔ حجاج بن یوسف پہلے مر چکا تھا جس سے سلیمان ناراض تھا۔ محمد بن قاسم سندھ کی فوج کی کمان یزید بن ابی کبشہ کو دے کر عراق پہنچا۔[۴] تو اسے باسط کے جیل خانے میں بند کر دیا گیا۔ قید خانے کا حاکم صالح تھا جس کے بھائی کو حجاج بن یوسف نے قتل کرا دیا تھا۔ چنانچہ صالح نے اپنے بھائی کا انتقام محمد بن قاسم سے لیا اور اسے قتل کرا دیا۔ اس طرح سندھ کا فاتح بائیس سال

---

[۱] تاریخ فتوح البلدان علامہ بلاذری مطبوعہ حیدر آباد دکن ص ۱۹۱ [۲] تاریخ جھنگ ص ۶۹، تاریخ ملتان حصہ اول ص ۸۹، تذکرہ اولیائے جھنگ ص ۶۰ [۳] تاریخ سندھ مولانا عبدالحلیم شرر ص ۵۶، تاریخ یعقوبی ص ۲۵۶۔ [۴] تاریخ یعقوبی جلد اول ص ۲۵۶، تاریخ ملتان حصہ اول۔

کی عمر میں سیاسی مصلحتوں اور رنجشوں کی بھینٹ چڑھ گیا۔[1]

محمد بن قاسم کے بعد سندھ کی حالت

۹۶ھ/۷۱۴ء سے ۱۳۰ھ/۷۴۷ء تک

سندھ اور ملتان کی تسخیر کی مہم محمد بن قاسم کے ہاتھوں پہلی صدی ہجری میں مکمل ہو گئی تھی۔ اس کے
سواسو برس یہ ملک پہلے دمشق پھر بغداد کی حکومت کا حصہ رہا۔ سندھ پر حملہ آوروں کی مہم عراق کے والی
کی سرکردگی میں انجام پائی تھی اس لئے سندھ کی حکومت والیٔ عراق کے ماتحت رہی اور وہاں سے خلیفہ
کی رسمی منظوری کے بعد وقتاً فوقتاً گورنر نامزد ہو کر آتے رہے۔ چنانچہ محمد بن قاسم کے بعد یزید بن ابی کبشہ
سکسکی کی تقرری اور اس کی وفات کے بعد حبیب بن مہلب کے تقرر سے سندھ اور ملتان کے داخلی انتظام
کو نقصان پہنچا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ۹۹ھ/۷۱۸ء میں حبیب بن مہلب کو معزول کر کے عمرو بن مسلم باہلی
کو سندھ اور ملتان کی امارت پر بھیجا اور سندھ کے تمام مسلمانوں میں اربابِ اقتدار کو تبلیغی دعوت نامے
براہِ راست بھیجے جس سے متاثر ہو کر بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا جس میں راجہ داہر کا بیٹا جے سنگھ
بھی تھا۔ اس کے بعد بلال بن اخوذ تمیمی کی سرکردگی میں ایک لشکر آیا جس نے آلِ مہلب کا خاتمہ کیا۔ عمرو بن
مسلم باہلی کی بجائے جُنید بن عبدالرحمٰن المری کو ۱۰۷ھ/۷۲۵ء میں یہاں کا گورنر بنا کر بھیجا گیا۔ راجہ داہر کا بیٹا جے سنگھ
اسلام قبول کرنے کے بعد امان طلب کر کے برہمن آباد کو اپنا پایۂ تخت بنا کر حکومت کرتا رہا۔ جُنید سے اس کے تعلقات
خوش گوار نہ رہ سکے۔ دونوں میں جنگ ہوئی۔ جے سنگھ مارا گیا۔ بعد ازاں جُنید نے اپنی فتوحات کا دائرہ وسیع کیا
اُسے خراسان کا والی بنا کر بھیجا گیا اور یہاں کی حکومت تمیم بن زید عتبی کے ہاتھ میں آئی۔ تمیم کامیاب حکمران ثابت
نہ ہو سکا۔ جلد ہی وفات پائی۔ ملک میں عام ابتری پیدا ہو گئی۔ سندھ حکومت کی باگ ڈور دوبارہ جُنید کے ہاتھ
میں دے دی گئی۔ وہ خراسان میں رہ کر یہاں کی دیکھ بھال کرتا رہا۔ مگر حالت روز بروز ابتر ہوتی گئی۔
۱۱۵ھ/۷۳۳ء میں حکیم بن اعوانہ کلبی کو امیر سندھ بنا کر بھیجا گیا۔ اس نے ایک قلعہ بند شہر کی بنیاد ڈالی
محفوظہ سے اس کو موسوم کیا اور پایۂ تخت بنا کر سندھ میں اسلامی سلطنت کا مرکز قرار دیا پھر امن و امان قائم
کرنے کے لئے مہمیں بھیجیں اور ملک میں نئے سرے سے امن و امان قائم کیا۔ حکیم بن اعوانہ ۱۲۲ھ/۷۳۹ء میں ایک
لڑائی کے دوران مارا گیا۔[2]

۱؎ تاریخ ملتان حصہ اول ص ۹۰ - ۲؎ تاریخ فرشتہ جلد اوّل از محمد قاسم فرشتہ ص ۹۰ - عہدِ اسلامی کا ہندوستان از
ریاست علی ندوی ص ۳۷ - ہندوستان میں عرب حکومتیں از اطہر مبارک پوری ص

اس کے بعد سندھ اور ملتان کی حکومت محمد بن قاسم کے لڑکے عمرو ثقفی کے ہاتھ میں دے دی گئی۔ اس کے دور میں بغاوتوں نے سر اٹھایا مگر وہ پامردی سے مقابلہ کرتا رہا۔ یہاں تک کہ دشمنوں کو شکست دی۔ اسی اثنا میں آلِ مہلب نے مروان بن یزید بن مہلب کی سرکردگی میں پھر سر اٹھایا۔ مروان قتل ہوا اور فتنہ رفع ہوا۔ جب مسندِ خلافت پر ہشام کی جگہ ولید آیا تو اس نے عمرو ثقفی کو معزول کر دیا اور سندھ کی ولایت یزید بن عرار کے ہاتھ میں آگئی۔ یہ سندھ میں اموی سلطنت کا آخری والی تھا۔ اس کے دور میں اموی سلطنت کا دارالخلافہ حوادث و انقلاب کا شکار رہا۔ یہاں تک کہ سندھ میں اموی سلطنت کا چراغ گل ہوا اور عباسیوں کا پرچم لہرانے لگا۔[1]

عباسیوں کا دورِ حکومت

۱۳۰ھ/۷۴۷ء سے ۲۴۲ھ/۸۵۶ء تک

منصور بن جمہور کلبی نے جو دارالخلافہ بغداد سے فتنہ برپا کرتا ہوا سندھ تک آپہنچا اور یزید بن عرار سے مقابلہ کر کے اُسے قتل کیا اور اپنی آزاد حکومت قائم کی۔ یہی منصور کلبی سندھ میں عباسی حکومت کا بانی بنا۔ سندھ اور ملتان میں منصور بن جمہور کلبی سے اسلامی حکومت کا دوسرا دور شروع ہوا۔ اس زمانہ میں خلافت عباسیہ کی طرف سے ابومسلم عبدالرحمٰن بن مغلس عبدی فوج لے کر دیبل پہنچا۔ یہاں منظور کلبی نے مقابلہ کیا اور مارا گیا یہ سن کر منصور آگے بڑھا اور منصورہ کے قریب دونوں فوجوں میں سخت مقابلہ ہوا۔ مغلس عبدی کو شکست ہوئی اور گرفتار ہو کر قتل ہوا۔[2]

اس کے بعد موسیٰ بن کعب تمیمی بارہ ہزار لشکر کے ساتھ سندھ پر حملہ آور ہوا اور منصور کو شکست دی۔ موسیٰ پہلا عباسی امیر تھا جو کچھ دنوں یہاں مقیم رہا اور فتوحات انجام دیں پھر اپنے بیٹے عینیہ کو اپنا قائمقام بنا کر عراق واپس گیا۔ عینیہ کامیاب حکمران ثابت نہ ہوا۔ قحطانی اور نزاری قبیلے اس کے خلاف ہو گئے۔ اس نے اُن سب کو قتل کرا دیا۔[3]

عمر بن حفص عتکی اور شیعت کا فروغ

۱۴۲ھ/۷۵۹ء تا ۱۵۱ھ/۷۶۸ء

خلیفہ منصور نے عمر بن حفص عتکی کو سندھ کا والی بنا کر بھیجا۔ عینیہ بغاوت پر آمادہ ہوا۔ عمر بن حفص نے کامیاب پیش قدمی کی اور امان دے کر منصورہ پر قبضہ کر لیا اور عینیہ کو گرفتار کر کے دارالخلافہ بھیج دیا لیکن وہ

---

[1] سلاطین دہلی از پروفیسر غلام رسول ص ۲۵، تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۹۳۔ [3] عہدِ اسلامی کا ہندوستان از سید ریاست علی ندوی ص ۳۸۔

وہاں پہنچنے سے پہلے قتل ہوا۔ عمر بن حفص کا عہد کئی حیثیتوں سے اہم ہے۔ اس کے عہدِ حکومت میں شیعی اور خارجی
دونوں فرقوں کے مبلغین سندھ میں وارد ہوئے۔ چنانچہ ۱۴۲ھ/۷۵۹ء میں خارجی فرقہ کا مبلغ خان بن مجاہد ہمدانی سندھ
میں داخل ہوا مگر عمر بن حفص علوی سادات کا طرفدار تھا۔ خارجیوں کو اس کی حمایت حاصل نہ ہو سکی۔ اس لئے یہ
مبلغین موصل واپس چلے گئے۔ دوسری طرف حضرت عبداللہ بن محمد المعروف عبداللہ الاشتر بن النفس الزکیہ
سندھ میں وارد ہوئے۔ عمر بن حفص نے بوجہ اپنے فطری رجحانات اُن سے چشم پوشی کی۔ اس طرح وہ خود سندھ
میں شیعت کی تحریک کے فروغ پانے میں معاون ثابت ہوا۔ حضرت عبداللہ الاشتر بن محمد النفس الزکیہ کی
عقیدت سے پذیرائی ہوئی اور رازداری کے ساتھ اُن کو ایک راجہ کے حدودِ حکومت میں ٹھہرا دیا اور یہ اپنے
مشن کی تبلیغ میں مصروف رہے۔ اتفاق سے ۱۵۱ھ/۷۶۸ء میں خلیفہ منصور کو حضرت عبداللہ الاشتر کے حالات معلوم
ہو گئے۔ اس نے ان کی گرفتاری کا حکم بھیجا۔ اس حکم کی تعمیل میں ایک دوسرے فدائی کو الاشتر کا نام دے کر یہاں
سے دارالحکومت بھیجا گیا جو وہاں قتل کیا گیا۔ منصور کو اس واقعہ کی بھی آگاہی ہو گئی مگر صورت حال ایسی تھی کہ وہ
عمر بن حفص کے خلاف کسی جرم کا کوئی ثبوت نہ رکھتا تھا۔ ساتھ ہی اس کے تدبّر اور دانائی کا قائل بھی تھا۔
اس لئے اس کو ولایتِ سندھ سے ہٹا کر افریقہ جیسے بڑے صوبہ کی ولایت پر معمور کیا اور سندھ کی حکومت
کا پروانہ ہشام بن عمرو تغلبی کو دیا[1] جس نے ۱۵۱ھ/۷۶۸ء میں آکر زمامِ حکومت سنبھالی۔ المنصور عباسی نے ہشام
کو بھی عبداللہ الاشتر کی گرفتاری کا حکم بھیجا مگر در پردہ یہ بھی سادات کا ہم نوا تھا۔ اس نے بھی اس کی گرفتاری سے
اغماض کیا مگر اس کے بھائی سفیح بن عمرو تغلبی نے اچانک اُن کو دیکھ لیا اور حملہ آور ہو کر قتل کر ڈالا۔ ہشام
نے ان کے اہل و عیال کو منصور عباسی کے پاس بھیج دیا جس نے اس کے لڑکے کو مدینہ منورہ کے عامل کے سپرد
کر دیا۔ اگرچہ عبداللہ الاشتر نے سندھ ہی میں جامِ شہادت نوش کیا مگر شیعت کے اثرات فنا نہ ہو سکے
آگے چل کر شیعوں کی حکومت سندھ میں قائم ہوئی۔ اس کے بعد ہشام بن تغلبی نے توسیعِ مملکت کی فکر کی بھڑ
ملتان اور امواني منکیرہ کو زیرِ اقتدار لایا۔ ۱۵۷ھ/۷۷۴ء میں رُخصت لے کر وطن واپس چلا گیا۔[2]
خلافت عباسیہ کی طرف سے سندھ کی ولایت پر معبد بن خلیل تمیمی کا تقرّر ہوا۔ ان کی وفات کے
بعد رُوح بن حاتم گورنر سندھ مقرر ہوئے۔ اس کے زمانہ میں ہندوستان کے خلاف بحری مہم بھی جاری رکھی
پھر اس کو واپس عراق بُلا کر بسطام بن عمر کو والئ سندھ بنایا گیا پھر ۱۶۱ھ/۷۷۸ء میں نصر بن محمّد بن اشعث خزاعی
والئ سندھ بن کر آیا۔ اسے بھی واپس بلا لیا گیا۔ سندھ کی زمامِ سلطنت ایک ہاشمی محمد بن سلیمان بن علی کے ہاتھ میں
دے دی گئی۔ اس کے بعد خلیفہ مہدی نے اپنے غلام لیث بن ظریف کو اس عہدہ پر مامور کر کے بھیجا۔ اس کے

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد اوّل ص ۹۳، عہدِ اسلامی کا ہندوستان ص ۳۹ [2] سلاطین دہلی از پروفیسر غلام رسول ص ۲۵۸

میں جاٹوں نے منظم بغاوت کی۔ خلیفہ مہدی نے لشکر بھیج کر لیث کی مدد کی۔ ۱۶۵ھ/۷۸۲ء میں یہ بغاوت فرو ہوئی۔ اس کے بعد خلیفہ ہارون الرشید کی خلافت کا دور آیا۔[۱]

جب ہارون الرشید تختِ خلافت پر بیٹھا تو اس نے سالم یونسی کو سندھ اور ملتان کا والی بناکر بھیجا۔ اس نے چار سال بڑے شان و شوکت سے حکمرانی کی۔ اس کے بعد اسحاق بن سلیمان ہاشمی والیٔ سندھ مقرر ہوا۔ وہ بھی اسی سال فوت ہُوا۔ پھر اس کا بیٹا یوسف والیٔ سندھ بنا۔ پھر خلیفہ منصور نے طیفور بن عبداللہ بن منصور کو والیٔ بناکر بھیج دیا۔ ملک میں قبائلی جنگ شروع ہوگئی تو جابر بن اشعث طائی آیا۔ اس کی ناکامی پر سعید بن سلیم بن قتیبہ مقرر کیا گیا۔ اس نے اپنے بھائی کثیر بن مسلم کو اپنا نائب بناکر بھیجا۔ وہ بھی ناکام رہا۔

ان پے درپے ناکامیوں کے بعد ہارون الرشید کی نگاہِ انتخاب آلِ مہلب پر پڑی۔ چنانچہ ۱۸۴ھ/۸۰۰ء میں داؤد بن یزید بن حاتم مہلبی کو سندھ اور ملتان کا والی بناکر بھیجا۔ سندھ میں ان دنوں قبائلی خانہ جنگی برپا تھی۔ چنانچہ داؤد نے اپنی سخت گیریوں سے نزاریوں کی طاقت کا خاتمہ کردیا اور ۲۰ سال حکومت کی۔ داؤد مہلبی کی وفات کے بعد مامون الرشید نے اس کے لڑکے بشیر کو سندھ کا والی مقرر کیا۔ بشیر چند سال حکمرانی کرتا رہا پھر خراج دینا بند کیا اور اطاعت سے انحراف کیا تو مامون نے پہلے حاجب بن صالح کو بھیجا۔ بشیر نے اُس کو شکست دی۔ پھر موسیٰ بن یحییٰ بن خالد برمکی کو والی بناکر بھیجا جس نے ۲۲۱ھ/۸۳۵ء میں وفات پائی۔ بعد ازاں عمران بن موسیٰ بن یحییٰ برمکی والیٔ سندھ بنا تو اس نے بغاوتوں کو فرو کیا اور بعض نئے شہروں پر قابض ہُوا۔ عمران قتل ہوا ۲۲۶ھ/۸۴۰ء میں عتبہ بن اسحاق ضلبی کو ملتان اور سندھ کی ولایت پر بھیجا گیا۔ خلیفہ متوکل نے ہارون بن خالد مزوری کو اس کی جگہ سندھ کا والی بنایا مگر حجازیوں نے اسے قتل کرادیا۔ اس طرح عباسیوں کا اقتدار ۲۴۲ھ/۸۵۶ء میں ختم ہُوا۔ اس زمانہ میں متوکل جابجا کی بغاوتوں سے پریشان تھا۔ اس نے عمر بن عبدالعزیز ہباری کی درخواست کو غنیمت جانا اور اس کے نام ولایت سندھ لکھ دی۔[۲]

عباسیوں کا زوال اور سندھ کی سیاسی حالت

تیسری صدی ہجری کے وسط میں بغداد کی مرکزی حکومت کو زوال آگیا جس کی وجہ سے ملتان اور سندھ کے حالات بگڑ گئے۔ جو عرب قبائل یہاں آباد ہوئے تھے وہ باہم دست و گریباں ہوگئے۔ ملتان اور سندھ کی حکومت کمزور ہوگئی۔ ہندو راجاؤں نے ملتان اور سندھ کے بہت سے علاقوں پر قبضہ کرلیا۔

۱؎ سلاطین دہلی از پروفیسر غلام رسول ص ۲۵۹

ریاست امرائی منکیرو پر قنوج کے ناگ بھٹ راجپوتوں نے قبضہ کرکے اس کا الحاق قنوج سے کرلیا۔ ملتان اور سندھ میں دو بڑی اسلامی حکومتیں ایسی تھیں جو کچھ دنوں تک قائم رہیں۔ ایک سندھ کے سرے پر منصورہ، دوسری سندھ کے خاتمہ پر ملتان میں۔[1]

منکیرہ کی ناگ بھٹ راجپوت حکومت

۲۴۲ھ / ۸۵۶ء سے ۳۷۵ھ / ۹۸۵ء تک

بغداد کی مرکزی حکومت کی کمزوری اور سندھ ملتان کے داخلی انتشار سے فائدہ اٹھاکر قنوج کے ناگ بھٹ راجپوتوں نے جن کی حکومت قنوج سے پشاور تک پھیلی ہوئی تھی۔ ۲۴۲ھ / ۸۵۶ء میں ریاست منکیرو کے وسیع علاقہ تھل کو اپنی ریاست میں شامل کرلیا۔[2]

فخر مدبر مبارک شاہ اپنی کتاب "آداب الحرب والشجاعت" میں لکھتا ہے۔ کہ یہ لوگ بھٹی راجپوتوں میں سے تھے جنھوں نے ۳۷۵ھ / ۹۸۵ء تک حکومت کی۔ مندر پال کے بعد راجہ بھوج دوم نے حکومت کی پھر راجہ جیپال قابض ہوا۔ اس کے بعد راجہ مانک رائے نے قلعہ منکیرو کی تعمیر و مرمت از سرِ نو کی اور اپنے نام پر اس شہر کا نام کوٹ مانک رائے رکھا جو مرورِ زمانہ سے منکیرہ نام مشہور ہوا۔ اس کی وفات کے بعد یکے بعد دیگرے راجہ دیو پال، رجیا پال اور بجے پال ۳۸۵ھ / ۹۹۵ء تک بھیرہ اور منکیرو کے حکمران رہے۔[3]

امیر سبکتگین کے حملۂ ملتان کے وقت بھیرہ میں بجے راؤ۔ ملتان میں جلم بن شیبان قرامطی شیعہ حاکم تھا اور منکیرو میں میکن حکومت قائم تھی۔[4]

ملتان کی بنو منبہ سامی حکومت

۲۷۹ھ / ۸۹۲ء سے ۳۷۵ھ / ۹۸۵ء تک

۲۷۹ھ / ۸۹۲ء میں محمد بن قاسم بن منبہ نے ملتان کو فتح کرکے اپنی حکومت قائم کرلی اور اپنے دادا منبہ کی نسبت سے ملتان کی سامی حکومت کا نام بنو منبہ رکھا۔ محمد بن قاسم سامی نے ملتان میں سامی حکومت قائم کرکے اس کا الحاق مرکز خلافت سے وابستہ رکھا اور عباسی خلفا کے نام کا خطبہ جاری کیا بلکہ

---

[1] ہندوستانی میں عرب حکومتیں صفحہ ۲۱۳ [2] اطہر مبارک پوری [3] سلاطین دہلی بروقہ حسام رسول صفحہ ۱۵

[3] تاریخ ہندوستان صفحہ ۱۸۰ [4] تاریخ جھنگ، بلال زبیری صفحہ ۷۱

سے تمام خرابیوں کو دُور کیا۔ قرب وجوار کے ہندو راجاؤں اور مہاراجوں سے جنگ کرکے ان کی قوت توڑی اور اپنی ساکھ قائم کی۔[1]

ملتان میں بنو سامہ کی حکومت کا ذکر ابن رُستہ اور مسعودی نے کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ :۔

"ملتان کے بنو سامہ سُنّی المذہب ہیں اور سامہ بن لوئی بن غالب کی اولاد بتاتے ہیں۔ ان کے پاس طاقت اور فوج بہت زیادہ ہے۔ ملتان کی یہ حکومت سندھ سے کٹ کر قائم ہوئی۔ اس لئے اس کی حدودِ وُسعت مغرب کی طرف مکران اور جنوب میں منصورہ کی حد تک تھی۔ حدودِ ملتان میں ایک لاکھ بیس ہزار گاؤں اور بستیاں ہیں جن کا شمار ہو چکا ہے۔"

۳۰۰ھ/۹۱۲ء میں یہاں کا حکمران ابو اللہاب منبہ بن اسد قریشی تھا۔ اس کی نسبت سے اس کو بنو منبہ کہا جاتا ہے۔ ۳۷۵ھ/۹۸۵ء میں ملتان کے اسماعیلی شیعہ جلم بن شیبان قرامطی نے بنو منبہ کی سُنی المذہب حکومت کا خاتمہ کر دیا۔[2]

منصورہ کی ہباری قریشی حکومت

۲۴۰ھ/۸۵۴ء سے ۴۰۱ھ/۱۰۱۰ء تک

ہبار بن اسود قبیلہ قریش کی ایک شاخ بنو اسد سے تھا۔ اس کی اولاد میں سے منذر بن زبیر سندھ کے والی حکم بن العوانہ کے ساتھ سندھ آیا تھا۔ عمر بن عبدالعزیز ہباری اس کا پوتا تھا جس نے قبائلی نزاع میں قریش کی سرداری اختیار کی۔ خلیفہ متوکل نے ۲۴۰ھ/۸۵۴ء میں سندھ کی سندِ ولایت اس کو عطا کی تھی۔ سندھ میں اس کا آبائی وطن منصورہ کے قریب بانبیہ تھا۔ وہ یہیں سے سندھ پر حکمرانی کرتا رہا۔ اور ۲۷۰ھ/۸۸۳ء میں وفات پائی۔

باپ کی وفات کے بعد عبداللہ بن عمر ہباری سندھ کا والی بنا۔ عبداللہ نے محفوظہ، البیضا اور منصورہ کے نئے شہر آباد کئے۔ نیز بانبیہ کی بجائے منصورہ کو اسلامی سلطنت کا پایۂ تخت رکھا۔ یہ وہی شہر ہے جو آج کا بھکر (سندھ) کے نام سے مشہور ہوا۔[1]

عبداللہ کے بعد اس کا بیٹا ابو منذر حکمران ہوا۔ اس نے اپنی فتوحات سے حکومت کا دائرہ وسیع کیا۔ اس طرح یکے بعد دیگرے اس خاندان کے کئی حکمران ہوئے یہاں تک کہ ۴۰۱ھ میں سومری قرامطہ نے ان کا خاتمہ کیا۔[2]

---

[1] ہندوستان میں عرب حکومتیں، قاضی اطہر مبارکپوری صفحہ ۲۱۲ [2] ہندوستان میں عرب حکومتیں صفحہ ۲۱۵

عربوں کے اسلامی دور پر ایک نظر

سب سے پہلے اسلام کے نامور جرنیل محمد بن قاسم ثقفی نے ۱۰ رمضان المبارک ۹۳ھ میں باب الاسلام سندھ میں راجہ داہر کی حکومت کو شکست سے دوچار کر کے اسلام کا پرچم سربلند کیا اور عظیم الشان اسلامی سلطنت قائم کر کے دو قومی نظریہ کی بنیاد رکھی۔ باب الاسلام سندھ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ یہاں سب سے پہلے نورِ اسلام چمکا۔ ۹۶ھ میں ولید بن عبدالملک کی وفات کے بعد سلیمان بن عبدالملک تختِ خلافت پر متمکن ہوا تو اس نے محمد بن قاسم کو سندھ کی ولایت سے معزول کر کے اس کی گرفتاری کا حکم دیا۔ سندھ کے نئے گورنر یزید بن ابی کبشہ سکسکی نے اسے گرفتار کر کے عراق بھیجا۔ اہلِ سندھ اس گرفتاری پر بہت روئے اور کیرج میں اس کا مجسمہ بنایا اور پوجنا شروع کیا۔ کیونکہ وہ محمد بن قاسم کے حسنِ سلوک سے بہت متاثر تھے۔ عراق میں اسے واسط کے قید خانے میں بند کر دیا۔ قید خانے کا حاکم صالح تھا جس کے بھائی کو حجاج بن یوسف نے قتل کرا دیا تھا اس لئے صالح نے اپنے بھائی کا انتقام محمد بن قاسم سے لیا اور سخت اذیتیں اور تکلیفیں دے کر اسے قتل کرا دیا۔ اس طرح سندھ کا فاتح بائیس ۲۲ سال کی عمر میں سیاسی مصلحتوں اور سازشوں کی بھینٹ چڑھ گیا۔

بعد ازاں مرکزی حکومت بغداد کے اندرونی خلفشار کی وجہ سے حالات بگڑتے گئے۔ جو عرب قبائل سندھ میں آکر آباد ہوئے تھے۔ وہ بھی باہمی رقابت کی وجہ سے دست و گریباں ہو گئے۔ اس طرح سندھ حکومت کمزور ہو گئی۔ اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ہندو راجاؤں نے سندھ اور ملتان کے بہت سے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ سندھ کی عظیم سلطنت دو حکومتوں میں بٹ گئی۔ ایک حکومت کا دارالسلطنت منصورہ تھا جس پر ہباری قریشی حکمران تھے اور دوسری حکومت کا دارالسلطنت ملتان تھا جس پر بنو منبہ سامی حکمران تھے۔ عرب قبائل صدیوں سے ملک سندھ کے مختلف حصوں میں آباد ہو گئے تھے۔ اس لئے سندھ میں رہنے سہنے اور شادی بیاہ کرنے سے اُن کی اصل عربی معاشرت میں فرق آ گیا اور آہستہ آہستہ وہ مخلوط معاشرت کے خوگر ہو گئے اور پھر خاندان کے نام سندھی تلفظ میں ایسے ہو گئے کہ شناخت مشکل ہوتی تھی۔

تیسرا باب

میکن اقوام کا عہدِ حکومت

۳۷۵ھ / ۹۸۵ء تا ۸۷۵ھ / ۱۴۷۰ء

میکن قوم کا تعارف

۹۸۵ء میں قنوج کے ناگ بھٹ راجپوتوں کی ایک شاخ میکن اقوام نے تھل کی عظیم ریاست اموانی اور منکیرہ پر قبضہ کر لیا۔ سندھ اور ملتان کے داخلی انتشار سے فائدہ اٹھا کر اپنی ریاست میں توسیع کر لی۔ یہ حکمران ہندو تھے۔ انھوں نے ۶۶۴ھ/۱۲۶۵ء میں غیاث الدین بلبن کے عہدِ حکومت میں بابا فرید الدین گنج شکر کے دستِ حق پرست پر اسلام قبول کیا۔ تاریخ میں اس قوم کے نامور حکمران بہاؤ کا ذکر تفصیل سے موجود ہے جسے شہنشاہِ ہند غیاث الدین بلبن نے بہاؤ خان کے خطاب سے نوازا۔ اس خاندان نے پورے پانچ سو سال تک ریاست اموانی منکیرہ پر حکومت کی مگر سوائے نواب بہاؤ خان کے کسی اور میکن حکمران کا تفصیلی ذکر تاریخ کی کتابوں میں نہیں ملا جسے سپردِ قلم کیا جائے۔

امیر سبکتگین کا حملہ اور پنجاب کی سیاسی حالت

امیر سبکتگین کے حملۂ ملتان کے وقت سندھ اور پنجاب کی سیاسی حالت یہ تھی کہ سندھ کا کچھ علاقہ عباسی خلافت کے ماتحت تھا۔ ملتان اور شورکوٹ کے علاقے مصر کی فاطمی خلافت سے وابستہ ہو چکے تھے۔ اموانی منکیرہ پر میکن حکمران تھے۔ چنیوٹ پر جوئیہ اور جھنگ پر کھوکھر قابض تھے[۱]۔ مگر آئے دن کوہستان کے جنجوعہ اور جوئیہ ہندو راجے ان کو خوف زدہ کئے ہوئے تھے۔ اس افراتفری کے عالم میں ترک امیر سبکتگین غزنی سے اٹھا اور پنجاب پر حملہ کر دیا۔ اب یہ چوتھی بڑی طاقت تھی جس نے اہلِ پنجاب کو سیاسی اعتبار سے متاثر کیا۔[۲]

امیر سبکتگین کا حملۂ پنجاب

۳۸۰ھ/۹۹۰ء میں غزنی کے حاکم امیر سبکتگین نے جب پنجاب کے راجہ جے پال پر حملہ کیا تو اس وقت ملتان پر شیخ حمید سفری کی حکومت تھی۔ شیخ حمید اعتقاداً ملحد تھا اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے دن رات کوشش کر رہا تھا۔ اس نے راجہ جے پال کا ساتھ دیا۔ چنیوٹ کے صوبیدار نے خاموشی اختیار کر لی۔ امیر سبکتگین کو حاکمِ ملتان کی روش پر سخت رنج ہوا اور درمیانی ریاستوں اموانی

[۱] تاریخ جھنگ ص۷۵ [۲] تاریخ سندھ ابوظفر ندوی ص۲۶۴، تاریخ ملتان حصہ اول ص۱۰۹

منکیرہ کے حکمرانوں سے ملتان پر حملہ کرنے کے لئے راستہ مانگا۔ چنیوٹ اور اموانی منکیرہ نے تعرض نہ کیا۔ اور ساتھ ہی اپنی ریاستی حدود کے اندر سہولیات بھی مہیا کیں۔[1]

امیر سبکتگین کے حملۂ ملتان کی وجوہات

(۱) جب امیر سبکتگین نے راجہ جے پال سے دوسری جنگ کی تو شیخ حمید نے ہندو راجہ کا ساتھ دیا۔
(۲) شیخ حمید اعتقاداً ملحد تھا اس لئے اس کی سرکوبی مطلوب تھی۔

ان دو وجوہات کی بنا پر امیر سبکتگین نے ملتان پر حملہ کر دیا۔ شیخ حمید نے اس خیال سے کہ وہ بے یار و مددگار ہے۔ سلطان سے صلح کر لی۔ چنانچہ سالانہ خراج دینے کا معاہدہ ۳۸۲ھ/۹۹۲ء میں تحریر ہوا۔[2] ۳۹۵ھ/۱۰۰۵ء تک اس علاقہ میں امن و امان رہا۔ نہ کسی ہندو راجہ نے حرکت کی اور نہ ہی ملتان کے حکمرانوں نے۔ لیکن سال کے آخر میں جبکہ ملتان پر داؤد بن نصر بن شیخ حمید۔ ابوالفتح کے نام سے حکمرانی کر رہا تھا مذکورہ معاہدہ کو یک طرفہ طور پر منسوخ کر دیا۔ اس وقت غزنی کے تخت پر سلطان محمود متمکن تھا۔ وہ بلوچستان کے راستہ سے ہندوستان میں داخل ہوا۔ اور دریائے سندھ کو عبور کر کے کوہستان کی وادی میں اترا۔[3]

[1] تاریخ جھنگ۔ بلال زبیری ص۷۵ [2] تاریخ سندھ ابوظفر ندوی ص۲۶۴، تاریخ جھنگ ص۷۵

بھیرہ پر محمود غزنوی کا حملہ

محمود غزنوی نے دریائے جہلم کے کنارے واقع ریاست بھیرہ پر حملہ کر دیا۔ اُس وقت بھیرہ کا حکمران بجے راؤ تھا۔ محمود نے بھیرہ کا قلعہ فتح کر لیا۔ بجے راؤ نے متوقع شکست کے پیشِ نظر خودکشی کر لی۔ بھیرہ کی مہم میں چنیوٹ کے حاکم جیون خان ٹانڈہ نے محمود کا ساتھ دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بجے راؤ چنیوٹ کی ریاست پر قبضہ کرنے کا خواہاں تھا اور آئے دن سرحدوں پر جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں۔ محمود نے بھیرہ فتح کر کے اُسے چنیوٹ کے تابع کر دیا۔ خود اپنی فوج لے کر ملتان کی طرف بڑھا۔ جھنگ کے کھوکھروں اور منکیرہ کے میکنوں نے محمود کا ساتھ دیا۔ ۱؎

محمود غزنوی کا حملۂ ملتان

حاکمِ ملتان نے بھیرہ کی مہم میں محمود کا ساتھ نہ دیا تھا لیکن محمود نے یہ بات دل میں رکھی اور ملتان سے خاموشی کے ساتھ گزر گیا۔ غزنی پہنچ کر اس نے ہندوستان پر دوبارہ حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ محمود نے دوسرا بڑا حملہ ۳۹۶ھ / ۱۰۰۵ء میں کیا۔ اس کی خواہش تھی کہ ملتان کے حاکم کو بے خبری میں جا کر دبوچ لے گا مگر راجہ جے پال کے لڑکے انند پال نے راستہ روکا۔ زبردست جنگ ہوئی مگر وہ شکست کھا کر بھاگ گیا۔ محمود نے براستہ بھکر منکیرہ پہنچ کر تریموں گھاٹ پر قیام کیا اور ملتان پر حملہ کرنے کی تیاری کرنے لگا۔ اسی جگہ پر اس کا سالار مخدوم تاج الدین جس کا لقب اٹھارہ ہزاری تھا، تریموں گھاٹ پر بیمار ہو کر فوت ہوا۔ محمود کو اپنے اس قابلِ قدر سالار پر بڑا فخر تھا۔ محمود نے اس کی نعش دریا کے غربی کنارے دفن کی اور اس پر مزار شہزادہ مسعود نے تعمیر کرایا۔ یہ مزار اب بھی موجود ہے اور اس جگہ کا نام اٹھارہ ہزاری مشہور ہے۔ ۲؎ منکیرہ اور اموانی کے حکمرانوں نے تریموں گھاٹ کے مقام پر محمود غزنوی کو اپنی وفاداری کا حلف دیا۔ محمود غزنوی ۳۰ اپریل ۱۰۳۰ء میں فوت ہوا۔

مفتوحہ علاقوں کا انتظام

محمود غزنوی نے انتظامی لحاظ سے ریاست شورکوٹ کو ریاست چنیوٹ میں شامل کیا۔ ملتان کو صوبہ سندھ سے الگ کر کے علیحدہ صوبہ بنایا اور ریاست اموانی منکیرہ کو اس میں شامل کیا۔ نیز ملک ایاز کو اپنا نائب بنا کر

۱؎ تاریخ جھنگ، بلال زبیری ص۵۷، ۲؎ تاریخ جھنگ بلال زبیری ص۵۷

لاہور میں متعین کیا۔ شورکوٹ، جھنگ، چنیوٹ اور بھیرہ کے علاقے ملک ایاز کی نگرانی میں رہے۔ البتہ ملتان اور سندھ کے علاقے شیخ سومرہ کے سپرد کئے گئے۔[1]

میکن غوری عہد میں

غوری خاندان کا بانی غیاث الدین غوری تھا جو علاقہ غور سے اُٹھا اور غزنی فتح کر کے تخت نشین ہُوا ابھی تخت پر بیٹھا ہی تھا کہ اسے ملتان میں فرقہ قرامطہ کے بارے میں معلومات حاصل کر کے دُکھ پہنچا۔

اگرچہ سلطان محمود نے ملتان سے قرامطہ کی حکومت کا خاتمہ کر دیا تھا لیکن اس کے انتقال پر جُوں ہی قرامطہ کو آزادی ملی تو وہ عملاً ملتان پر چھا گئے۔ حضرت شیخ عبدالصمد کے مکتوب نے سلطان محمد غوری کو ملتان پر حملہ کرنے کی ترغیب دی اور وہ قشونِ قاہرہ کے ساتھ ۵۷۱ھ/۱۱۷۵ء میں جھنگ، بھکر، منکیرہ پر قبضہ کر کے دفعتاً ملتان پر ٹوٹ پڑا۔ قرامطہ کو تہس نہس کر کے اس سرزمین کو ہمیشہ کے لئے کفر و الحاد کی لعنت سے پاک کر دیا۔ پھر اُچ کو فتح کر کے قرامطی لوگوں کا قتلِ عام کیا۔

محمد غوری کی انتظامی تبدیلیاں

سُلطان محمد غوری سُلطان محمود غزنوی کی طرح بہت بڑا جرنیل اور مُدبّر حکمران تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ محمود نے ہندوستان کو غزنی پر سے تصدّق کر دیا تھا لیکن محمد غوری نے عروسِ ہند کے لئے سارے وسط ایشیا سے کنارہ کر لیا۔ محمود غزنوی کے بعد جھنگ کے کھوکھروں نے بھیرہ سے شورکوٹ کا علاقہ سنبھال لیا تھا اور ملتان کے قرامطی گورنر سے معاہدہ کر رکھا تھا۔ اس وجہ سے کھوکھروں نے محمد غوری کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ اس پر محمد غوری نے کھوکھروں کو شکست دے کر تمام علاقہ قطب الدین ایبک کی براہِ راست نگرانی میں دے دیا۔[2]

تاریخ الفی کے مطابق ۶۰۲ھ/۱۲۰۵ء میں محمد غوری کو خوارزم شاہ کے مقابلے میں شکست ہُوئی۔ کھوکھروں نے یہ سمجھا کہ وہ اب لوٹ کر واپس ہندوستان نہیں آئے گا۔ انھوں نے بغاوت کر کے اپنے سابقہ مقبوضات واپس چھین کر حکومت وسیع کر لی اور اسلام سے بھی منحرف ہو گئے۔ چنانچہ محمد غوری نے ۶۰۳ھ/۱۲۰۶ء میں ملتان کے قرامطیوں اور جھنگ کے کھوکھروں کو شکست دی اور ملتان پر علی کرماخ کو گورنر مقرر کیا جو ملتان، کوہستان، شورکوٹ، جھنگ، امرانی، منکیرہ اور چنیوٹ کا حکمران تھا۔ جھنگ کی حکومت ٹوڈر نامی نول سردار کے

[1] تاریخ جھنگ، بلال زبیری ص۷۵، [2] تاریخ جھنگ، بلال زبیری ص۸۱

پھروکی اور اموانی منکیرہ کی ریاست میکنوں کے پاس رہی۔ [1]

محمد غوری کا حملہ ملتان براستہ منکیرہ

محمد غوری کا حملہ ملتان فرقہ قرامطہ کی سرکوبی کے لئے تھا۔ وہ درۂ گومل کے ذریعے داخل ہوا اور دریائے سندھ عبور کرکے بھکر، منکیرہ اور اموانی کو فتح کرتا ہوا علاقہ کچھی میں خیمہ زن ہوا۔ یہاں سے وہ شورکوٹ پہنچا اور پہلی فوجی چھاؤنی گڑھ مہاراجہ کے میدان میں ڈالی۔ اسی جگہ بیٹھ کر وہ ملتان کے محاذ کے لئے تیاری کرتا رہا۔ چنانچہ ملتان کی فتح کے بعد اس فوجی چھاؤنی کو باقاعدہ شہر میں بدلا اور اس شہر کا نام شاہ نگر رکھا۔ [2]

سلطان محمد غوری کا قتل

سلطان محمد غوری واپس جانے کی فکر میں تھا کہ دریائے جہلم کے کنارے اسے قتل کر دیا گیا۔ مورخین نے یہ خیال ظاہر کیا کہ محمد غوری کا قاتل کھوکھر تھا مگر طبقات ناصری کا مورخ لکھتا ہے کہ قاتل قرامطی فدائی تھا۔ [3]

محمد غوری کے بعد کچھی کے کھوکھروں نے جھنگ کے نول قبیلہ کو شکست دینے کی کوشش کی مگر تھل اموانی منکیرہ کے میکنوں اور کوہستان کے جنجوعوں کا نولوں سے معاہدہ آڑے آتا رہا۔ [4]

قطب الدین ایبک اور میکن عہد

سلطان شہاب الدین محمد غوری اولادِ نرینہ سے محروم تھا۔ تُرک افسروں کے مشورہ سے قطب الدین ایبک جو محمد غوری کا غلام تھا، لاہور کا وائسرائے مقرر ہُوا مگر عملاً صُورت یہ ہوئی کہ غزنی کے تخت پر تاج الدین یلدوز بیٹھا تھا۔ ہندوستان میں قطب الدین ایبک اور سندھ اور ملتان میں ناصرالدین قباچہ حکمران تھا۔ چنانچہ تین حکومتیں قائم ہوئیں۔ ان تینوں حکومتوں کے مابین کوئی مشترکہ کمان نہ تھی اور نہ ہی ان کا متحدہ مرکز تھا۔ ۶۰۳ھ/۱۲۰۶ء میں قطب الدین ایبک ہندوستان کا حکمران تسلیم ہوا تو وادئ جہلم وچناب پر قباچہ نے حملہ کر دیا اور جھنگ کا علاقہ اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ اس کے بعد ناصرالدین قباچہ نے ریاست اموانی منکیرہ کو فتح کر لیا۔

قطب الدین ایبک سے اہالیان لاہور نے اچھا سلوک نہ کیا۔ اس کے چار سالہ دورِ حکومت میں بدامنی رہی

[1] تاریخ ملتان حصہ اول ص۱۳۶ [2] تاریخ ہند پنڈت وشوا ناتھ ص۱۰۱، تاریخ جھنگ بلال زبیری ص۸۲

[3] تاریخ فرشتہ جلد اول از محمد قاسم فرشتہ ص۶۰، آبِ کوثر از محمد اکرم ص۹۴ [4] تاریخ جھنگ بلال زبیری ص۸۳

تاآنکہ ۱۲۱۰ء ۶۰۷ھ میں وفات پاگیا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا آرام شاہ حکومت کا طلب گار ہوا۔ مگر اُمراء نے مشورہ کرکے التمش کو سربراہ مقرر کردیا۔[۱]

سُلطان التمش اور میکن حکومت

۱۲۱۱ء ۶۰۷ھ تا ۱۲۳۶ء ۶۳۲ھ

سُلطان شمس الدین التمش نہایت ذہین اور خدا ترس بادشاہ تھا۔ یہ پہلا حکمران تھا جسے خلافت عباسیہ بغداد نے باقاعدہ طور پر ہندوستان کا بادشاہ تسلیم کیا۔ التمش نے اپنی خداداد سلطنت دہلی تک وسیع کرلی۔ جو علاقے ایک زمانہ میں ناصرالدین قباچہ نے اپنی حکومت ملتان وسندھ میں شامل کئے تھے، التمش نے واپس لے لئے۔ اسی طرح شورکوٹ تا بھیرہ بشمول علاقہ تھل اموانی منکیرہ اور کوہستان التمش کی ماتحتی میں چلا گیا۔ التمش نے یہ علاقے ۱۲۱۵ء ۶۱۲ھ میں اپنے تسلط میں لے لئے اور جھنگ کے نول سردار ٹوڈر کو جو اس علاقے کا سربراہ تھا۔ باقاعدہ مقامی حکومت کے اختیارات سونپے اور اموانی منکیرہ کی حکومت میکنوں کو واگزار کردی۔[۲]

تاتاری مُغلوں کا حملہ

تمام تاریخوں کا اِس امر پر اتفاق ہے کہ چنگیز خان نے دریائے سندھ عبور نہیں کیا لیکن اس کا جرنیل طرطائی دریائے سندھ کو عبور کرکے بھیرہ تک آپہنچا اور اس شہر کی آبادی کو حکم دیا کہ فوج کے لئے کشتیاں تیار کرے۔ جب کشتیاں تیار ہوگئیں تو ان میں وزنی پتھر رکھوائے۔ پھر یہاں سے سینکڑوں کشتیوں کے ذریعے دریائے جہلم عبور کرتا ہُوا کھوکھروں کی ریاست خوشاب پہنچا۔ طرطائی نے خوشاب کا علاقہ تباہ و برباد کیا۔ یہاں تک کہ خوراک کے ذخیرے اور مال داسباب لُوٹ لیا اور لُوٹا ہوا سامان لے کر تریموں گھاٹ پہنچا۔ یہاں ایک ماہ قیام کیا۔ آس پاس کے قبیلوں کو اپنی حمایت کے لئے بُلایا۔ جس قبیلہ نے تعاون سے انکار کیا اس کے سرکردہ افراد کو سرِعام قتل کردیا۔ نِول قبیلہ کے کئی نوجوان اس کے ہاتھوں قتل ہُوئے اور کچھ رُوپوش ہوگئے۔ پھر اموانی اور منکیرہ کو تباہ کرکے شورکوٹ پہنچا۔ شہر کو خُوب لُوٹا۔ قلعہ سے سامانِ حرب حاصل کیا اور اس طرح سپاہ لئے ملتان پر حملہ آور ہُوا۔ منجنیقوں کے ذریعے قلعۂ ملتان پر سنگ باری اور آتش باری کی۔ قباچہ کو شکست یقینی نظر آرہی تھی۔ انہی دنوں حضرت قطب الدین بختیار کاکی نے ایک تیر قباچہ کو عنایت کیا کہ وہ رات کے وقت

۱۔ تاریخ جھنگ بلال زبیری ص۸۴ ۲۔ تاریخ جھنگ بلال زبیری ص۸۶

دشمن سپاہ کی طرف پھینکے۔ قباچہ نے اسی طرح کیا۔ تیر کا زمین پر گرنا تھا کہ مغلوں کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ محاصرہ سے دست بردار ہو کر واپس چلا گیا۔[1]

ریاست منکیرہ پر تاج الدین یلدوز کا حملہ

محمد غوری حاکم غزنی کا وارث تاج الدین یلدوز پنجاب پر للچائی ہوئی نظر رکھتا تھا۔ اس نے ۶۱۵ھ/۱۲۱۸ء میں پنجاب پر حملہ کر دیا۔ جونہی یہ دریا عبور کر کے تھل کی عظیم ریاست منکیرہ کی حدود میں پہنچا۔ التمش نے جھنگ کے نول حکمران قبول خان کو آگاہ کر دیا۔ قبول خان ایک لشکرِ جرار لے کر تریموں گھاٹ عبور کر کے دس میل دور علاقہ تھل میں میکن ریاست منکیرہ کے قلعہ ڈھنگانہ کے نزدیک خیمہ زن ہوا۔ اس طرح کوہستان سے جنجوعہ، خوشاب سے کھوکھر اور شورکوٹ سے کاٹھیہ اقوام کے بہادر مقابلے کے لئے پہنچے۔ سلطان التمش بھی لشکرِ جرار لے کر بھیرہ اور پنڈی بھٹیاں کے قبائل کے ہمراہ خود تھل آیا۔ قلعہ ڈھنگانہ کے نزدیک سخت جنگ ہوئی۔ اس میں تاج الدین نے شکست کھائی اور گرفتار ہوا۔ التمش نے اسی خوشی میں خوشاب کی حکومت کھوکھروں کو، کوہستان کی حکومت جنجوعوں کو، منکیرہ کی حکومت میکنوں کو اور جھنگ کی حکومت نولوں کو عطا کی۔ قریبی ریاستوں میں رابطہ کے لئے چنیوٹ کو خاص مقام عطا کیا۔[2]

رضیہ سلطانہ اور میکن حکومت

سلطان رکن الدین کے بعد رضیہ سلطانہ تختِ دہلی پر متمکن ہوئی۔ یہ التمش کی بیٹی تھی۔ عورت ہونے کے باوجود انتہائی بہادر، ذہین اور معاملہ فہم تھی۔ جھنگ کا نول سربراہ کبیر خان رضیہ کا زبردست حامی تھا۔ اس نے یقین دلایا تھا کہ اس کی قوم کے افراد ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار رہیں۔ منکیرہ کے میکنوں نے اپنی وفاداری کا حلف دیا۔ قرامطی فرقہ کے لوگ جو اپنے عقائد میں انتہا پسند تھے، مسلح ہو کر دہلی میں شورش پیدا کرنے کے لئے داخل ہو گئے۔ رضیہ سلطانہ نے جھنگ کے نول حکمران کی قیادت میں آتے ہوئے لشکر کو ان کی سرکوبی کے لئے مامور کر دیا اور شاہی فوج ان کے ساتھ لگا دی۔ چنانچہ قرامطیوں کی شورش دبا دی گئی۔ کبیر خان جو رضیہ سلطانہ کو تختِ دہلی پر بٹھانے کے لئے پیش پیش تھا، بعد میں باغی ہو گیا اور ملتان کو رضیہ سلطانہ سے علیحدہ کر لیا۔ رضیہ سلطانہ ملتان پر حملہ آور ہوئی۔ کبیر خان شکست کھا گیا۔ پھر رضیہ سلطانہ اپنے حقیقی بھائی بہرام شاہ کے ہاتھوں قتل ہوئی۔

[1] تاریخ ملتان حصہ اول ص ۱۶۶ [2] تاریخ ہند از ذکاء اللہ ص ۱۰، تاریخِ اسلامی ہند ص ۲۱۰، تاریخ جھنگ ص ۸۷

تاریخ جھنگ۔ بلال زبیری ص ۸۶

بابا فرید الدین گنج شکرؒ

۲ محرم الحرام ۵۶۹ھ / ۱۱۷۴ء تا ۵ محرم الحرام ۶۶۴ھ / ۱۲۶۵ء

آسمانِ فقر را خود آفتاب آمد فریدؒ

آپ کا نام فرید الدین مسعود اور باپ کا نام جمال الدین تھا۔ آپ کھتوال ضلع ملتان (جس کا موجودہ نام دیوان چاولی مشائخ ہے) میں پیدا ہوئے۔ آپ ابھی چھوٹے ہی تھے کہ والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ ابتدائی تعلیم گھر میں حاصل کی۔ اس کے بعد ملتان تشریف لے گئے۔ یہاں آپ نے قرآن پاک حفظ کیا اور مولانا منہاج الدین کی مسجد میں فقہ کی مشہور کتاب "نافع" شروع کی۔ ملتان سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد قندھار اور بغداد تشریف لے گئے۔ یہاں کافی علماء اور مشائخ سے استفادہ کیا۔ پانچ برس کی سیاحت کے بعد حضرت گنج شکر دہلی تشریف لائے اور حضرت خواجہ بختیار کاکی کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔[۱]

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر جو سلسلۂ چشتیہ کے بلند پایہ ولی اور دُور اندیش مُبلّغ تھے، صوفیاء میں چہار یار کی ترکیب سے مشہور رہیں۔ اُن میں شیخ الاسلام حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی، سید مخدوم شیر شاہ مُنیر سُرخ جلال بخاری، حضرت خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر اور حضرت مخدوم لعل شہباز قلندر شامل ہیں۔

سلطان غیاث الدین بلبن حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر کا مُرید تھا اور ان کا خسر بھی۔ خواجہ صاحب کا بلبن کے دربار میں اثر تھا۔[۲]

رائے سیال کا قبولِ اسلام

ریاست جون پور کے راجپوت راجہ پنوار کی اولاد میں سے رائے شنکر کے بیٹے رائے سیال نے بلبن کے خلاف بغاوت کر دی۔ اسے یقین تھا کہ اس کے دُوسرے دو بھائی ٹیو اور گیٹو بھی اس کا ساتھ دیں گے۔ ان دونوں نے بغاوت میں حصّہ نہ لیا۔ رائے سیال کو شاہی فوج کے مقابلے میں شکست ہُوئی اور وہ خود جان بچا کر بھاگ نکلا۔ شاہی سپاہ اس کے تعاقب میں رہی۔ رائے سیال پنجاب آگیا اور اُسے بلبن سے بچاؤ کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو حضرت خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور اپنے جُرم کا اعتراف کر کے معافی چاہی۔ خواجہ صاحب نے بلبن سے سفارش کی چنانچہ رائے سیال کو معاف کر دیا گیا۔ خواجہ صاحب کے حُسنِ سلوک سے متاثر ہو کر رائے سیال مسلمان ہو گیا۔ یہ واقعہ ۶۶۴ھ / ۱۲۶۵ء کا ہے۔[۳]

[۱] تاریخ ملتان حصہ اول نور احمد خان آفریدی ص ۱۶۸ [۲] تاریخ جھنگ ص ۹۰ ، [۳] تاریخ جھنگ ص ۹۱

اموانی منکیرہ

حدودِ ریاست

شمال میں کوہستانی ریاست تھی جس پر جنجوعہ قوم حکمران تھی جس میں میانوالی اور خوشاب کا پہاڑی علاقہ شامل
تھا. جنوب میں ریاست ملتان واقع تھی جس میں مظفر گڑھ ضلع کا وسیع علاقہ تھا. مشرق میں ریاست جھنگ اور
ریاست شورکوٹ کا علاقہ تھا. دریائے چناب اور جہلم دونوں ریاستوں کے درمیان حدِ تصوّر سرحد تھی اور
میو سے ٹڑلنے گیٹو سے گیجیے مشہور ہوئے. مغرب میں دریائے سندھ سرحد تھی.

نواب بہاؤ خان میکن منکیرہ و اموانی

اس زمانہ میں اموانی منکیرہ کی ریاست میکن قوم کے پاس تھی. اس ریاست میں منکیرہ کا قلعہ اپنی مضبوطی
اور وسعت کے اعتبار سے خاصی شہرت کا حامل تھا. میکن قبیلہ خواجہ فرید الدین گنج شکر کے ذریعہ مسلمان ہوا تھا.
یہ بھی ایک دلچسپ واقعہ ہے کہ اس علاقہ پر کوہستان کے جنجوعہ حکمران نے چڑھائی کر دی اور تلوارہ کھوکھران
کے کھوکھر اس کے ساتھ ہو گئے. اس وقت خوشاب کی حکومت کھوکھروں کے پاس تھی. جنجوعہ اور کھوکھر قبائل
مسلمان ہو چکے تھے، مگر میکن قبیلہ ابھی تک حلقہ بگوش اسلام نہ ہوا تھا. کھوکھروں کی منشا یہ تھی کہ عظیم ریاست اموانی
منکیرہ پر قبضہ کر لیں لیکن منکیرہ کے میکن سردار بہاؤ نے حضرت خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر سے فریاد کی تو
انھوں نے کھوکھروں اور جنجوعوں کو حملہ کرنے سے روک دیا. سردار بہاؤ نے اس حسنِ سلوک کی بنا پر اسلام قبول کر لیا.
غیاث الدین بلبن نے سردار بہاؤ کو خان کا خطاب دے کر ۶۶۴ھ / ۱۲۶۵ء میں منکیرہ اموانی کا حکمران مقرر
کیا. سردار بہاؤ خان پندرہ دن منکیرہ میں اور پندرہ دن اموانی میں حکومت کرتا تھا اس لئے یہ ریاست
اموانی منکیرہ کے نام سے مشہور ہوئی. جب رائے سیال مسلمان ہوا تو حضرت خواجہ صاحب اسے لے کر جھنگ
پہنچے. نواب بہاؤ خان کو حضرت کی آمد کی خبر ملی تو وہ خود چل کر تریموں گھاٹ آیا اور حضرت خواجہ سے شرف
ملاقات حاصل کر کے عرض کی. حضرت مجھے بلا بھیجتے. آپ نے کیوں تکلیف فرمائی. خواجہ صاحب نے فرمایا. ایک
ضروری کام کے لئے آنا پڑا. وہ کام یہ ہے کہ رائے سیال اچھے راجپوت خاندان کا نوجوان ہے. اسے تم اپنی دامادی
میں لے لو. بہاؤ خان کے لئے مرشد کا حکم حرفِ آخر تھا. چنانچہ اُس نے اپنی لڑکی مائی سہاگ رائے سیال سے بیاہ
دی اور گزارہ کے لئے دریائے جہلم کے غربی کنارے کی جاگیر عطا کی۔[2]

[2] تاریخ جھنگ. بلال زبیری ص ۹۱، ۹۲
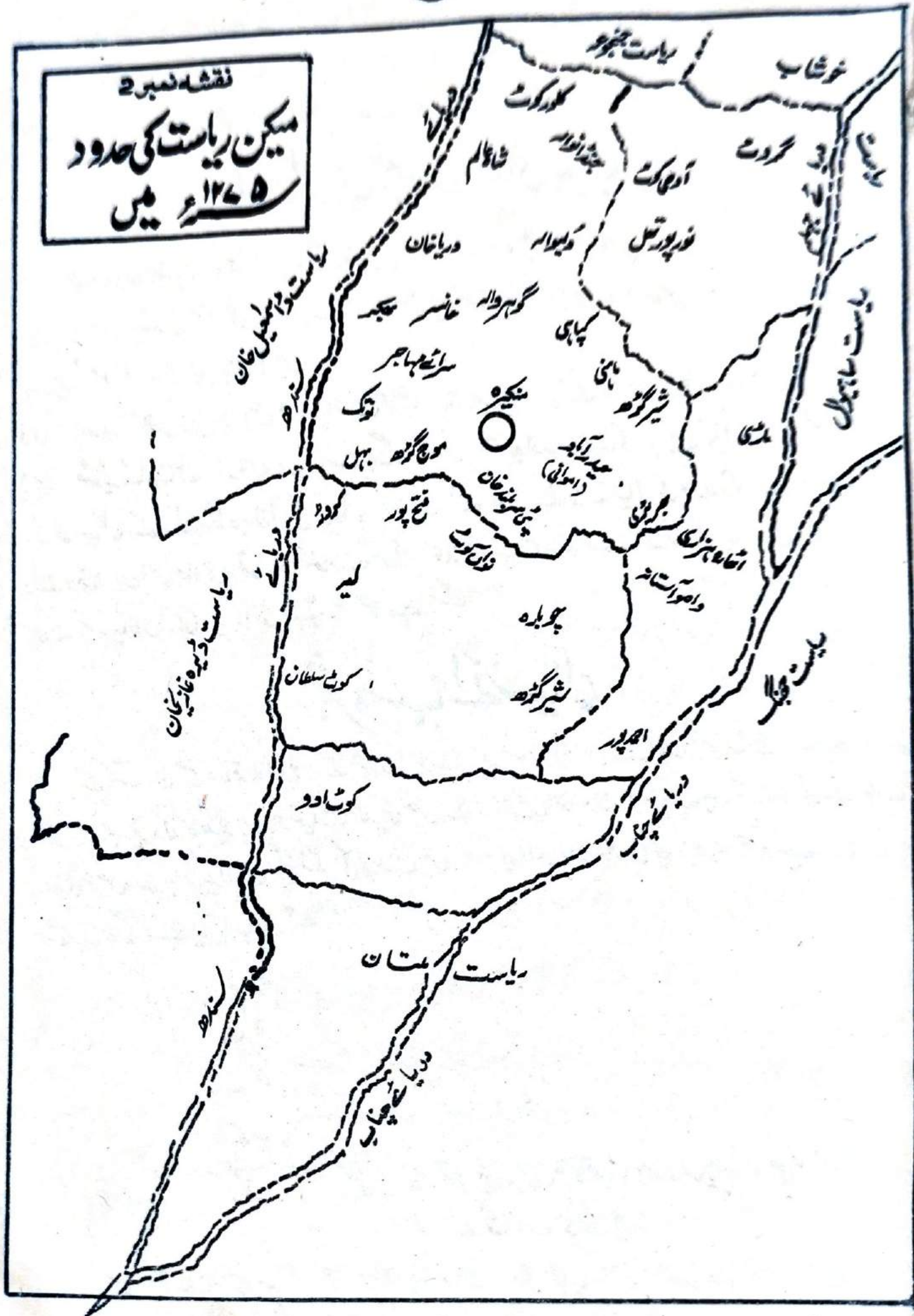
یہ پہلی جاگیر تھی جو رائے سیال کو ملی چنانچہ کچھ عرصہ رائے سیال نے کمھی کے قصبہ کوٹلی باقریں قیام کیا۔ پھر وہاں سے شورکوٹ چلا گیا۔ وہاں اپنے نام پر ایک بستی سیالکوٹ بسائی۔ یہ بستی آج بھی تحصیل شورکوٹ میں گڑھ مہاراجہ سے جانب شمال مغرب دس کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ [1]

غیاث الدین بلبن کی انتظامی تبدیلیاں

ملتان میں حضرت بہاؤ الدین زکریا۔ دیپال پور کے صوبہ میں حضرت فرید الدین مسعود گنج شکر۔ پنجاب میں سید شاہ جلال سُرخ بخاری اور سندھ میں سخی لعل شہباز قلندر کی تبلیغ سے اسلام پھیلا۔ اسی وجہ سے بلبن کے عہد میں بعض انتظامی تبدیلیاں ہوئیں۔

(۱) صُوبہ **لاہور**:۔ اس میں ریاست خوشاب۔ بھیرہ اور پنڈی بھٹیاں شامل کر دی گئیں۔

(۲) صُوبہ **مُلتان**:۔ اس میں ریاست جھنگ۔ اموانی۔ منکیرہ اور شورکوٹ کی ریاستیں شامل ہوئیں۔ [2]

رائے سیال کے لئے شاہ جلال کی دُعا:۔ حضرت شاہ جلال نے رائے سیال کی اولاد کو بشارت دی کہ آنے والے وقت میں اس علاقہ پر تمہاری حکومت ہوگی۔ اسی بشارت ہی کے تحت سنئے شہر کی بنیاد رکھی اور اس کا نام جھنگ سیالاں رکھا۔ یہ واقعہ ۶۸۶ھ / ۱۲۸۸ء کا ہے۔ [3]

شجرہ نسب رائے سیال

ہندوستان کے علاقہ جون پور کے مشہور راجپوت راجہ ہنوار کی نسل سے ایک شخص رائے سیال ولد رائے شنکر ولد بجدیو ولد کامدیو ہوا جو غیاث الدین بلبن کے زمانہ میں بغاوت کا مرتکب ہوا مگر ناکامی کے سبب پناہ کی غرض سے بابا فرید الدین گنج شکر کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام قبول کیا۔ جس کا شجرہ نسب درج ذیل ہے جو تاریخ جھنگ سے لیا گیا ہے۔ [4]

کامدیو
|
بجدیو
|
رائے شنکر
|
رائے سیال

بھرمی	کوہلی	ماہنی

ماہنی: علاقہ تھل میں ماہنی نام کا قصبہ اسی نے بسایا اور قلعہ بھی تعمیر کیا لیکن اب قلعہ کے نشانات نابود ہیں۔

۱۔ تاریخ جھنگ بلال زبیری ص ۹۲ ، ۲۔ سیر العارفین ص ۵۶ ، قبائل پنجاب ص ۵۲۶ ، ۳۔ تاریخ قبائل پنجاب ص ۵۲۳
۴۔ تاریخ جھنگ ص ۹۵ ، آب کوثر ص

کہلی
بھم پتی
اپیل
اچل
مہپال
چوہڑ — ۷۸۲ھ/۱۳۸۰ء میں میکن عہدِ حکومت میں فوج کا سالارِ اعلیٰ تھا اس نے قلعہ منکیرہ کی تعمیر و مرمت از سرِ نو کرائی۔

چوچک | پتھر | اللہ ڈتہ

مائی ہیر (۸۳۰ھ/۱۴۲۵ء تا ۸۷۶ھ/۱۴۷۱ء) | مل — جو بعد میں مل خان کے نام سے جھنگ کا حکمران ہوا۔ عرصہ حکومت ۱۴۶۲ء تا ۱۵۰۳ء (۸۶۶ھ تا ۹۱۳ھ)

خاندانِ خلجی اور میکن ریاست

۶۸۷ھ/۱۲۹۰ء تا ۷۱۸ھ/۱۳۲۱ء

مارچ ۶۸۷ھ/۱۲۹۰ء میں ملک فیروز خلجی سلطان جلال الدین فیروز شاہ خلجی کے لقب سے سریر آرائے سلطنت ہُوا تو اس نے ملتان پر اپنے لڑکے ارکلی خان کو گورنر مقرر کیا جو سات برس تک گورنری کے فرائض انجام دیتا رہا۔ جھنگ۔ شورکوٹ۔ چنیوٹ اور اموانی منکیرہ کا علاقہ اس کی عملداری میں رہا۔ [۱]

اس خاندان کے بادشاہ علاؤالدین خلجی نے بھیرہ تک کے تمام علاقے بشمول شورکوٹ۔ جھنگ۔ چنیوٹ۔ اموانی منکیرہ صوبہ ملتان میں شامل کر دیئے اور ملک نصرت کو ملتان کا گورنر مقرر کیا۔ علاؤالدین کی اولاد میں سے کوئی زندہ نہ تھا۔ اس کی موت کے بعد اس کا وزیر ملک غازی خان غیاث الدین تغلق کے نام سے ہندوستان کا بادشاہ تسلیم ہوا۔ اس سے قبل یہ دیپالپور کا گورنر رہ چکا تھا۔ یہ بڑا جابر شخص تھا۔ ملک کا اچھا انتظام کیا۔ [۲]

ابنِ بطوطہ منکیرہ میں

مشہور سیّاح ابنِ بطوطہ دریائے سندھ عبور کر کے ۷۳۲ھ/۱۳۳۲ء میں قصبہ داجل پہنچا اور یہاں قیام کیا۔ پھر بھکر سے ہوتا ہُوا منکیرہ آ کر میکن راجدھانی میں ٹھہرا۔ پھر اموانی حیدر آباد سے ہوتا ہُوا تریموں گھاٹ پہنچا۔ یہاں سے جھنگ آیا۔ اس زمانہ میں جھنگ کا حکمران مبارک خان نول تھا۔ ابن بطوطہ اس کے ہاں ٹھہرا۔ حاکم نے اُسے

۱۔ تاریخ جھنگ۔ بلال زبیری ص ۹۷ ۲۔ تاریخ ملتان حصہ اوّل نور احمد خان ص ۲۱۹

رخصت کرتے وقت دو شال اور ایک گھوڑا عطا کیا۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامہ میں لکھا کہ جب وہ ہندوستان پہنچا تو اس ملک میں زبردست قحط پڑا ہوا تھا۔ گندم روپے کی چار من فروخت ہو رہی تھی۔ عام حالت میں روپے کی سات من گندم بکتی تھی۔ ؎۱

علی عہد میں جھنگ۔ امرائی منکیرہ اور دیگر ریاستوں کے بارے میں کوئی اہم سیاسی یا انتظامی تبدیلی نہیں ہوئی اور نہ ہی کسی مورخ نے اس کا ذکر کیا ہے۔

امیر تیمور کا دوسرا حملہ

خاندان تغلق کی کمزوری اور ملک میں طوائف الملوکی کے بارے میں امیر تیمور کو لمحہ بہ لمحہ خبریں مل رہی تھیں۔ مغل سردار نے ملتان پر حملہ کرنے کے لئے اپنے بھانجے پیر محمد جہانگیر کو ملتان کی طرف روانہ کیا۔ اس نے ملتان پہنچ کر محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ چھ ماہ تک جاری رہا۔ پیر محمد جہانگیر نے آس پاس کی ریاستوں امرائی منکیرہ خوشاب اور جھنگ کو پہلے ہی زیر کر لیا تھا اور اپنی فوج کی ضرورت کا سامان انہی علاقوں سے اکٹھا کیا تھا۔ جب سارنگ خان ڈول کے پاس خوراک ختم ہو گئی تو اس نے از خود قلعے کے دروازے کھول دیئے جس پر مغل سپاہ نے ملتان اور شور کوٹ کو بُری طرح لوٹا۔ خوراک کی قلت کے مارے شہری چوہے۔ بلّی اور کتے تک کھانے کو مجبور ہو گئے۔ ملتان کی فتح کی خبر امیر تیمور کو بھیجی گئی۔ پیر محمد جہانگیر ملتان سے دیپال پور پہنچا۔ یہاں کے صوبیدار کو باغی رعایا سے قتل کرایا۔ ۸۰۱ھ ۱۳۹۸ء میں امیر تیمور، سید خضر خان کو ہندوستان میں اپنا نائب مقرر کر کے واپس چلا گیا۔ ؎۲

سید خضر خان اور میکن ریاست

۸۱۷ھ ۱۴۱۴ء تا ۸۵۴ھ ۱۴۵۰ء

امیر تیمور نے سید خضر خان کو اپنا نائب السلطنت مقرر کیا تھا۔ ادھر محمد تغلق کی وفات کے بعد ۸۱۵ھ ۱۴۱۲ء میں تمام اُمرا نے متفقہ طور پر دولت خان لودھی کو اپنا حکمران تسلیم کر لیا۔ سید خضر خان کو یہ بات ناگوار گزری اور اپنی افواج لے کر دہلی روانہ ہُوا۔ دونوں فوجوں کا ٹکراؤ لاہور کے قریب ہُوا۔ دولت خان لودھی نے شکست کھائی اور سید خضر خان حکومت پر قابض ہُوا۔ اس نے شاہ رُخ مرزا کے نام کا خطبہ پڑھنے کا حکم دیا اور

؎۱ تاریخ جھنگ بلال زبیری ص ۹۹ ، تاریخ ملتان حصہ اول ص ۲۸۴ ؎۲ تاریخ جھنگ ص ۱۰۲ ،
تاریخ ملتان دوم ص ۲۸۴ ، تاریخ پنجاب از سید اصغر علی ص ۱۱۴

اس کے نام کا سکہ جاری کیا۔ سات سال حکومت کرنے کے بعد اس دار فانی سے کوچ کر گیا۔ حکمران بنتے ہی اردگرد کی ریاستوں کو مطیع بنایا جن میں اعوان، مکھیرہ، جھنگ، شورکوٹ اور نوشاب قابلِ ذکر ہیں۔[1]

اس خاندان کا آخری بادشاہ علاؤالدین تغلبی تھا جسے بہلول لودھی نے ۸۵۲ھ/۱۴۴۸ء میں شکست دے کر تخت دہلی پر قبضہ کر لیا۔ آخری دو حکمرانوں کے دَور میں جھنگ کی ریاستوں میں متعدد انتظامی تبدیلیاں اور سیاسی انقلاب آئے۔ ان کا تذکرہ لودھی عہد میں کیا جائے گا۔

سُلطان بہلول لودھی اور سیکن ریاست

۸۵۵ھ / ۱۴۵۱ء تا ۸۹۴ھ / ۱۴۸۸ء

بہلول لودھی کا دادا ملک بہرام ملتان کے صُوبیدار مردان دولت کا ملازم تھا۔ اس کے پانچ بیٹے تھے۔ ملک سلطان خان۔ ملک کالا۔ ملک فیروز۔ ملک محمد اور ملک خواجہ۔

جب خضر خان ملتان کا صوبیدار مقرر ہوا تو اس نے سُلطان خان کو اپنی ملازمت میں لے لیا اور اسلام خان کا خطاب دے کر سرہند کی حکومت عطا کی۔ اُس کے دیگر بھائی بھی ہمراہ تھے۔ وہ فوج میں افسر تھے۔ اُن میں ملک کالا نیازی افغانوں کی لڑائی میں مارا گیا۔ اس کی بیوی حاملہ تھی اور ملتان میں رہتی تھی۔ وضعِ حمل کے ایّام قریب تھے کہ اتفاقاً اس پر مکان کی چھت آپڑی۔ وہ اس صدمہ سے مرگئی لیکن اس حادثہ میں اس کا حمل ساقط ہوگیا۔ اور بچہ پیدا ہوا جو زندہ رہا۔ یہی بچہ بعد میں اپنی ذہانت اور قابلیت کی بنا پر سلطان بہلول کے نام سے مشہور ہُوا۔ ابھی ایک ماہ کا تھا کہ اسلام خان حاکم سرہند نے اسے اپنی تحویل میں لے لیا۔ وہیں پرورش پائی اور بعد میں دیپال پور کا حاکم مقرر ہُوا پھر لاہور کا حاکم بنا۔ قسمت نے یاوری کی اور دہلی کے تخت پر بیٹھا۔

کہتے ہیں کہ جھنگ کی ایک عارفہ مائی ہیر نے جس کا نام عزّت بی بی تھا۔ بہلول سے کہا کہ دہلی کا تخت تیرا انتظار کر رہا ہے۔ فوراً دہلی پہنچو۔ ایک اور مجذوب نے بھی بہلول کو دہلی کی بادشاہت کی خوشخبری دی تھی جس سے اس کے قلب و دماغ میں غیر معمولی قوّت پیدا ہو گئی تھی اور وہ یقینِ کامل کی برکت سے اپنے مقصد میں کامیاب ہُوا۔[2]

بہلول لودھی کا بچپن ملتان اور دیپال پور میں گزرا۔ ان علاقوں میں سادات بخاری کا رُوحانی عروج تھا۔ اس علاقے کے بیشتر قبیلے انھی کی تبلیغ کے نتیجے میں مسلمان ہوئے تھے۔ بہلول لودھی بھی حضرت سید احمد کبیر شاہ

---

[1] تاریخ جھنگ ص۱۰۶ [2] تاریخ ملتان حصہ اول ص۲۸۹، تاریخ جھنگ ص۱۰۷، تاریخ پنجاب سید اصغر علی جعفری ص۱۳۱

ثانی کا مرید تھا اس لئے وہ اپنے مرشد کے ہمراہ منکیرہ بھی آیا تھا

صُوبہ مُلتان کے گردو پیش کے حالات

جس زمانہ میں بہلول لودھی سرہال پنجاب کا صوبیدار تھا۔ اس وقت شورکوٹ کا علاقہ صوبہ ملتان سے وابستہ تھا اور اس پر شیخ محمد یوسف قریشی حکمران تھے۔ اہل ملتان نے بار بار کی انتظامی اور سیاسی تبدیلیوں کی وجہ سے اور خاص طور پر سلطان علاؤالدین شاہ کی کمزوریوں کے باعث قندھار کی مغل افواج کے حملے سے ملتان اور شورکوٹ کی تباہی و بربادی کے بعد یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ ملتان کو خود مختیار صوبہ بنائیں گے اور اپنا حکمران خود مقرر کریں گے۔ چنانچہ اسی جذبہ کے تحت حضرت شیخ محمد یوسف قریشی کو ملتان کا حاکم بنایا گیا۔ ان کی حکومت منکیرہ اور شورکوٹ کی ریاستیں شامل تھیں۔ ۱؎

شیخ محمد یوسف قریشی اور میکن ریاست

۸۴۷ھ/۱۴۴۳ء تا ۸۵۸ھ/۱۴۵۴ء

شیخ محمد یوسف قریشی کو ۸۴۷ھ/۱۴۴۳ء میں حاکم ملتان بنایا گیا۔ اس نے تھوڑے ہی عرصہ میں ملک کا انتظام قائم کر دیا۔ لشکر میں خاصہ اضافہ کیا اور ملتان کے جملہ زمیداران اور طومان داران پر لطف و احسان کر کے ان کے دلوں کو مسخر کر لیا۔ یہ طوائف الملوکی کا زمانہ تھا۔ دہلی کے تخت کا رعب اٹھ چکا تھا اس لئے ہر سردار بادشاہی کے خواب دیکھنے لگا۔ بہلول لودھی اسی طمع میں تختِ دہلی کی طرف اڑا جا رہا تھا۔ اِدھر سیوی کا ... میں رائے سہرہ نامی ایک لنگاہ سردار کے دل میں بھی ہوسِ اقتدار کا ناگ جھوم اُٹھا۔ شیخ محمد یوسف کی حکومت اس کی نگاہوں میں خار کی طرح کھٹکنے لگی۔ چونکہ لوگوں نے شیخ یوسف کو اپنی مرضی سے اپنا بادشاہ بنایا تھا اور اس کے حسنِ انتظام سے خوش تھے اس لئے رائے سہرہ کو علی الاعلان جنگ کی ہمت نہ ہوئی۔ چنانچہ ایک سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت حضرت کی خدمت ایک پیغام بھیجا کہ :-

"ہم باپ دادا کے وقت سے آپ کے سلسلہ میں اعتقاد رکھتے ہیں۔ میں عرض کرتا ہوں اب جبکہ سلطنتِ دہلی فتنہ و فساد سے پُر ہے نیز بہلول لودھی نے دہلی میں اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا ہے مناسب ہے آپ قوم لنگاہ کی دلجوئی کریں اور اسے اپنے لشکر میں شامل کر لیں تاکہ ضرورت کے وقت وہ جان کی قربانی

۱؎ بحوالہ تاریخ جھنگ صفحہ ۱۱۰ ۔ تذکرہ اولیائے جھنگ صفحہ ۳۷۶

پیش کر سکیں نیز اپنی لڑکی آپ کی زوجیت میں دیتا ہوں۔"

شیخ محمد یوسف اس سازش سے قطعاً بے خبر تھے۔ رائے سہرہ کی درخواست قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے اور اس کی لڑکی کو سلاطین کی رسم کے مطابق نکاح کر کے حرم میں داخل کر لیا۔ [1]

رائے سہرہ کا فریب

اگرچہ رائے سہرہ اور حضرت شیخ محمد یوسف میں بے تکلفی ہو چکی تھی۔ وہ اکثر اپنی لڑکی کو ملنے کے بہانے آتا اور شیخ کو عمدہ عمدہ تحفے پیش کرتا۔ اس طرح جب اس کا اعتبار قائم ہو گیا تو اس نے اپنی سوچی سمجھی اسکیم کے عمل کرنے کا تہیہ کر لیا۔ چنانچہ ۸۵۸ھ/۱۴۵۴ء میں اپنے جنگ آزما جوانوں کو جمع کر کے ملتان پر چڑھ آیا۔ جب ملتان کے مضافات میں پہنچا تو اس نے عرضی بھیجی کہ اس دفعہ اپنی قوم کے تمام جنگجو مرد ہمراہ لایا ہوں تاکہ آپ میری جمعیت دیکھ کر لائق خدمات تجویز فرمائیں۔ شیخ صاحب اپنی نیک دلی کے سبب رائے سہرہ کے دھوکہ میں آگئے۔ وہ بلا کسی مزاحمت کے ملتان کے قلعہ تک آپہنچا اور معہ اپنے لشکر کے خیمہ زن ہو گیا۔ [2]

کچھ عرصہ بعد کمال ہوشیاری اور مکاری سے اپنی مسلح افواج شیخ صاحب کے محل میں جمع کر لی۔ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہو سکی۔ صبح کو اہل شہر نے یہ سنا کہ شیخ محمد یوسف گرفتار ہو گئے اور رائے سہرہ سلطان قطب الدین لنگاہ کے لقب سے تخت پر بیٹھ گیا۔ ملتان کی سیاسی فضا میں تھوڑی سی جنبش آئی مگر جب شہر کے ہر چوک پر تلواریں چمکتی نظر آئیں تو پھر ہر شخص نے صبر کا گھونٹ پی لیا۔

سلطان بہلول لودھی نے شور کوٹ۔ جھنگ۔ اموانی اور منکیرہ کو تابع کر دیا۔ اس لئے یہ ریاستیں وفادار رہیں ان میں کوئی گڑبڑ نہ ہوئی۔

سلطان قطب الدین لنگاہ اور مکین ریاست

۸۵۸ھ/۱۴۵۴ء تا ۸۷۵ھ/۱۴۷۰ء

رائے سہرہ نے بہت جلد اعیان حکومت پر قابو پا لیا۔ اور ساتھ ہی اس نے شیخ محمد یوسف کے اعزہ واقارب کو انعام و اکرام سے نوازا جس سے تمام لوگ اس کی حکومت پر راضی ہو گئے۔ شیخ محمد یوسف کو ان کے اپنے محل میں نظر بند کر دیا گیا۔ جب ان کی طرف سے کسی قسم کے خدشے اور خطرے کا امکان نہ رہا تو ایک دن انھیں خاموشی کے ساتھ قلعے سے باہر نکل جانے کی اجازت دے دی گئی۔

[1] تاریخ ملتان حصہ اول ص ۲۸۹ [2] تاریخ ملتان حصہ اول ص ۲۹۲، تاریخ جھنگ ص ۱۱۱

رائے سپرو نے قطب الدین لنگاہ کے لقب سے اپنا خطبہ جاری کیا۔ سولہ برس دبدبے سے حکومت کرنے کے بعد ۸۷۴ھ/۱۴۶۹ء میں فوت ہوا۔ سلطان بڑا خوش تدبیر شخص تھا اگرچہ شاہ گردی اور قحط نے ملتان کی چولیں ہلا دی تھیں تاہم اس ویرانی کو دُور کرنے کیلئے اس نے پوری کوشش کی اور جب اس نے انتقال کیا تو ملتان میں قحط کا نشان نہ تھا ہر طرف مرفہ الحالی کا دور دورہ تھا۔ لہ

سلطان حسین لنگاہ اور میکن ریاست

سلطان قطب الدین لنگاہ کے بعد اس کا بڑا بیٹا سلطان حسین خان لنگاہ کے نام سے تخت پر بیٹھا۔ یہ بڑا قابل اور متعد حکمران تھا۔ ایک غاصب سلطنت کا لڑکا ضرور تھا لیکن علماء اور مشائخ کا قدر دان تھا علوم متداولہ اور فنون جاریہ کو ترقی دی۔ حکمران ہوتے ہی سب سے پہلے ۸۷۵ھ/۱۴۷۰ء میں منکیرہ اموانی کی میکن ریاست پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا اور اپنے بھائی شہاب الدین لنگاہ کو ریاست اموانی منکیرہ کا حکمران مقرر کیا۔ نیز اپنی سلطنت دین کوٹ علاقہ کوہستان تک اور دریائے جہلم کے غربی کنارے تک وسیع کر لی۔ چوچک سیال کی جاگیر جس کا منتظم مل خان تھا اب یہ ریاست خوشاب کی ریاست بھی اس کے قبضہ میں آگئی۔ بھی صوبہ ملتان سے وابستہ ہو گئی۔ ؎۲

اُن دنوں لیہ سے ڈیرہ اسماعیل خان تک دریائے سندھ کے غربی کنارے کے ساتھ ساتھ بلوچ حکمران تھے۔ وہ بھی صوبہ ملتان کے تابع تھے۔ رنگ پور کی ذیلی ریاست جس پر کھیڑے قابض تھے، ملتان سے وابستہ تھی۔

باربک شاہ لودھی کا ملتان پر حملہ

نولوں کی بے رُخی، میکنوں کی بے بسی

بہلول لودھی نے ریاست جھنگ کے سربراہ ولی داد خان نول کو ہدایت دی کہ وہ اور کمالیہ کا کھرل حاکم اپنی سپاہ لے کر باربک شاہ لودھی کی حمایت میں تریموں گھاٹ پر جمع ہوں۔ تاکہ سلطان حسین لنگاہ کو شکست دی جا سکے۔ مگر نولوں اور کھرلوں نے ساتھ دینے سے صاف انکار کر دیا۔ اس کے بعد بہلول لودھی نے مل خان حاکم جھنگ اور منکیرہ کے میکن سردار سے یہی کہا۔ مگر میکن تازہ حملہ کی وجہ سے بے حال ہو چکے تھے۔ وہ مصلحتاً خاموش رہے۔

لہ تاریخ ملتان حصہ دوم ص ۱۶ ؎۲ تاریخ جھنگ ص ۱۱۰

البتہ مل خان نے اپنے قبیلہ کے تمام بہادر افراد کو جمع کیا جو کئی ہزار کی تعداد میں تھے۔ بخاری سادات کے مریدوں نے باربک شاہ کی حمایت کا اعلان کیا۔ باربک شاہ نے ملتان پر حملہ کر دیا۔ کئی روز تک جنگ جاری رہی۔ بالآخر لودھیوں کو شکست ہوگئی اور یہ لشکر اتنی تیزی سے پسپا ہوا کہ اس نے چنیوٹ جا کر دم لیا۔ [۱]

جنگ کے اس نتیجہ میں بہلول لودھی نے جھنگ کی لول حکومت کو ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا اور چوچک کے بھتیجے مل خان کو پیغام بھیجا کہ وہ پوری تیاری سے جھنگ پر حملہ کرے۔ شاہی فوج اس پر حملہ کرے گی لیکن منکیرہ کی میکن حکومت کی مجبوری اور بے بسی کا اعتراف کرتے ہوئے اسے معاف کر دیا۔

لنگاہوں کا عہدِ حکومت

۱۴۷۵ء تا ۱۴۸۵ء

شہاب الدین لنگاہ حاکم منکیرہ کروڑ

سلطان حسین لنگاہ حاکم ملتان نے ۱۴۷۵ء میں حکمران ہوتے ہی منکیرہ کی میکن ریاست پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔ اور اپنے حقیقی بھائی شہاب الدین لنگاہ کو اس ریاست کا حکمران مقرر کیا۔

ریاست منکیرہ اور کروڑ پر پورے دبدبہ اور شان و شوکت سے دس سال حکمرانی کی۔ آخری دنوں میں اس کے دماغ میں فتور آگیا اور اپنے محسن بھائی کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر کے خود مختیار ہو بیٹھا۔

اس کی خواہش تھی کہ دریائے سندھ سے دریائے جہلم تک کا درمیانی علاقہ اور ریاستیں اس کی عملداری میں آجائیں مگر سلطان حسین خان لنگاہ نے برا مانا اور بغاوت فرو کرنے کے لئے فوج کشی کی۔ شہاب الدین لنگاہ کو شکست دے کر ریاست کروڑ اور اموانی منکیرہ کو اپنے قبضے میں لے لیا اور اسے گرفتار کر کے واپس تریموں گھاٹ پہنچا۔ جہاں اسے خبر ملی کہ سلطان بہلول لودھی نے شیخ محمد یوسف قریشی کے ایماء پر اپنے لڑکے باربک شاہ لودھی اور ایک سردار تاتار خان لودھی کو ملتان پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کیا۔ سلطان حسین لنگاہ یہ خبر سنتے ہی ملتان پہنچا اور قلعہ بند ہوگیا۔ [۲]

---

[۱] تاریخ جھنگ صفحہ ۱۱۱ [۲] تاریخ جھنگ صفحہ ۱۱۱

لنگاہوں کے عہد پر ایک نظر

لنگاہ غاصبانہ حیثیت سے اس ملک کے مالک بنے تھے لیکن جب ان کا تسلط ہو گیا تو انھوں نے
اپنے آپ کو نہایت مدبر اور منتظم ثابت کیا۔ انھوں نے اپنے اخلاق سے رعایا کا دل موہ لیا تھا اور وہ
لوگ جو انھیں غاصب اور اپنا دشمن سمجھتے تھے۔ بہت جلد اُن پر اپنی جان قربان کرنے کو تیار ہو گئے تھے
سلطان حسین خان نے کالا باغ سے بھکر تک بلوچوں کی بفر سٹیٹ قائم کر دی تھی۔ جس سے وہ نہ
صرف مغربی حملوں سے محفوظ ہو گیا تھا۔ بلکہ ایک ایسی بہادر اور شجاع قوم اس کے ہاتھ آ گئی تھی جو ضرورت
کے وقت سینہ سپر ہو جاتی تھی۔ یہ قوم لنگاہوں کے آخری عہد تک مخلص اور وفادار رہی۔ جب محمود خان
لنگاہ مرزا پیر محمد جہانگیر سے ٹکر لینے کے لئے ملتان سے روانہ ہوا تو اسی ہزار تیغ زن کا لشکرِ جرار اس
کے جلو میں تھا۔ اُن میں زیادہ تر رِند۔ جتوئی۔ کورائی۔ دودائی۔ میرانی اور چانڈیہ بلوچ تھے۔ افسوس ہے کہ اس
خاندان میں سلطان حسین خان لنگاہ جیسا کوئی مدبر پیدا نہ ہوا اور لنگاہ امراء نے اپنے فرض کا احساس نہ
کیا۔ نہ صرف یہ کہ وہ عیاش تھے بلکہ انھوں نے ظلم اور طغیان کو اپنا شعار بنا لیا تھا۔ اُن کے دماغ میں کبر و نخوت
کی ہوا بھر گئی تھی۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ یہ خاندان جس سُرعت سے اُبھرا تھا۔ اتنا ہی جلد فنا ہو گیا۔
یہاں تک کہ سلطان حسین خان کا فلک بوس مقبرہ بھی مُولراج کے زمانے میں بارُود سے اُڑ گیا۔ اس میں تمام
لنگاہ اکابرین دفن تھے۔ آج ملتان اپنے وسیع و عریض قبرستانوں کے باوجود اس خاندان کی قبریں
دکھانے سے قاصر ہے۔ بقول علامہ اقبال ؎

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیرِ اُمم کیا ہے
شمشیر و سناں اوّل، طاؤس و رُباب آخر

چوتھا باب

بلوچ اقوام کا عہدِ حکومت

۸۸۵ھ / ۱۴۸۰ء تا ۱۲۱۹ھ / ۱۸۰۴ء

بلوچ قوم کا تعارف

بلوچی ادب کا دعویٰ ہے کہ بلوچ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی اولاد ہیں۔ میر سردار خان گچکوری
نے لفظ بلوچ پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ لفظ بلوچ "املفظ اور تلفظ" کی مختلف تبدیلیوں کے مراحل سے
گزرنے کے بعد ہم تک پہنچا ہے۔ قرونِ وسطیٰ کے عربوں نے بلوص اور اہل فارس نے اسے بلوچ سے موسوم
کیا۔ بہرحال ہم جناب گشکوری صاحب کے اس نظریہ کی تائید کرتے ہیں اور قومی روایات کو نہیں جھٹلا سکتے
کہ تمام بلوچوں کو فردِ واحد کی اولاد بنانے کی کوشش کسی نے نہیں کی۔ البتہ میر جلال خان کو تمام بلوچوں کا سردار
اور حکمران ضرور سمجھا۔
سینکڑوں قبائل اپنی انفرادیت کو قائم رکھتے ہوئے پہلے فردِ واحد میر جلال خان کے تابع تھے
اب وہ دو سرداریوں میں بٹ گئے۔ کسی نے رند سردار سے رابطہ قائم رکھا اور کوئی لاشار سردار کے مطیع
ہو گیا۔ پھر لڑائی گوہر نامی لڑکی کے لئے نہیں۔ بلکہ ایک اصول کی خاطر لڑی گئی تھی۔ ایک قبیلے کے چند
نوجوانوں نے رند سردار کے علاقہ میں گھس کر ایک بیوہ خاتون کے شتر بچے ذبح کر دیئے۔ اس کا انتقام
رند سردار کے لئے ضروری تھا۔ یہی امر ایک طویل جنگ کا سبب بن گیا۔ [1]

بلوچوں کا قدیم وطن

جناب عبدالرحمٰن صاحب غور بلوچ قوم کے حسب نسب پر تنقید کرتے ہوئے اپنا فیصلہ ان الفاظ
میں دیتے ہیں کہ:-
" قدیم تاریخی روایات و واقعات کی تحقیق اور لسانی ثقافتی تجزیہ کے بعد بالآخر ہم اس نتیجہ
پر پہنچتے ہیں کہ بلوچ حسب و نسب کے اعتبار سے عربی النسل ہیں۔ میر گل خان نصیر اپنی تالیف
"تاریخ بلوچستان" میں اس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ یہ بلوچ قوم زمانہ قدیم میں عربستان میں دجلہ
اور فرات کی گودیوں اور حلب کے مرغزاروں میں ایرانی سرحد کے ساتھ ساتھ آباد تھی اور ایران میں
تبریز سے کوہ البرز کے دامن میں مشہد تک پھیلی ہوئی تھی اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی اولاد تھی
جب عمالقہ نے بنو اسماعیل کو مکہ مکرمہ سے نکالا تو ان کے چند قبائل شام کی وادی بلوص میں آ کر آباد

[1] بلوچ قوم اور اس کی تاریخ ص۵۳

ہوئے اور بلوص کہلائے۔ یہی بلوص جب فارس کی طرف بڑھے تو بلوص کی "ص" "چ" میں بدل گئی اور یہی بلوص لوگ بلوچ کہلانے لگے۔ [۱]

کوہِ سلیمان کے بلوچوں کی یلغار

تاریخی معصومی نے اس امر کی نشان دہی کی ہے کہ کشلو خان گورنر ملتان نے جب سلطان محمد تغلق سے لڑنے کا ارادہ کیا تو اس نے کوہِ سلیمان کے دامن سے بلوچوں کو طلب کر کے اپنی فوج میں بھرتی کیا۔

نظام الدین احمد بدخشی بھی محمد تغلق کے ضمن میں لکھتا ہے کہ "محمد تغلق سے بغاوت کرنے میں کشلو خان نے کوہِ سلیمان کے بلوچوں سے مدد لی تھی"۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ کوہِ سلیمان کی گھاٹیاں اس زمانے میں بھی بلوچوں سے بھری پڑی تھیں۔

انگریز مورخ نے فارسی دستاویزات کے حوالہ سے ثابت کیا ہے کہ "سلطان حسین خان لنگاہ کے زمانے میں کوہِ سلیمان کے بلوچ بڑی طاقت رکھتے تھے اور انھوں نے سلطان کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ اسی زمانہ میں کوہِ سلیمان کے بلوچوں نے ایک جمعیت منظم کی اور مار دھاڑ کرتے ہوئے تھل عبور کر کے دریائے جہلم کے کنارے تک آپہنچے۔ ان بلوچوں نے میکنوں کی ریاست اوانی اور منکیرہ پر قبضہ کر لیا پھر حدودِ ریاست جھنگ میں کچھی کا علاقہ مل خان سے چھین لیا اور بلوچوں کی نئی ریاست وجود میں آگئی جو دریائے سندھ کے مشرقی کنارے سے لے کر دریائے جہلم کے مغربی کنارے تک وسیع تھی۔" [۲]

بلوچ سرداروں کی آمد

جب سلطان حسین خان لنگاہ کو بلوچوں کی بغاوت اور شور کوٹ پر حملہ کی خبریں ملیں تو اس نے مکران کے ملک سہراب خان دودائی اور جام اسماعیل خان ہوت کو اپنی حمایت میں بلایا۔ ہزاروں بلوچ مکران سے ملتان تک نعرے لگاتے ہوئے پہنچ گئے۔ حسین خان لنگاہ نے کوٹ کروڑ سے علاقہ دین کوٹ اور علاقہ کوہستان تک بطور ریاست ان کے حوالے کر دیا۔

جب یہ خبر سندھ پہنچی تو سردار حاجی خان میرانی اپنے جواں سال بیٹے غازی خان اور اپنے قبیلے کے سینکڑوں حامیوں کو لے کر ملتان پہنچا۔ سلطان حسین نے اسے بھی ہاتھوں ہاتھ لیا اور کوٹ کروڑ سے سیت پور تک کا علاقہ بطور ریاست بخش دیا۔ [۳]

[۱] بلوچ قوم اور اس کی تاریخ صفحہ ۵۵۔ [۲] تاریخ جھنگ صفحہ ۱۱۵ [۳] تاریخ ملتان حصہ دوم نور احمد خان صفحہ ۱۸

جب کہ سلیمان کے بلوچوں کو اس کی خبر ملی تو انہوں نے ملتان جانے کا خیال ترک کر دیا اور اپنی موجودہ ریاست کی حفاظت کرنے لگے۔ اسی دوران مل خان سیال نے حملہ کر کے بلوچوں کو شکست دے کر چنیوٹ کا علاقہ ۸۷۳ھ/۱۴۶۸ء میں بلوچوں سے آزاد کرا لیا۔

نئی سیاسی تبدیلیاں

(۱) **ریاست جھنگ** :- مل خان نے ۸۶۶ھ/۱۴۶۲ء میں جھنگ کے حکمران ولی داد خان لول کو شکست دے کر قلعہ برمی گڑھ موجودہ جھنگ میں سیال خاندان کی مستقل حکومت قائم کی۔ یہ قوم ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۸ء تک پورے جھنگ پر حکمران رہی۔ مل خان سیال نے ۸۷۳ھ/۱۴۶۸ء میں کوہِ سلیمان کے بلوچوں کو شکست دے کر چنیوٹ کے علاقہ کو اپنی ریاست میں شامل کر لیا۔ جھنگ شہر کو جو جنگ کی وجہ سے زیادہ تباہ و برباد ہو گیا تھا مل خان نے قلعہ برمی گڑھ موجودہ جھنگ دوبارہ بسایا اور اس کا نام جھنگ سیالاں رکھا۔[۱]

(۲) **ریاست منکیرہ** :- سلطان حسین خان لنگاہ حاکم ملتان نے ۸۷۵ھ/۱۴۷۰ء میں منکیرہ پر حملہ کر کے میکنوں کے پانچ سو سالہ دور کا خاتمہ کر کے اپنے حقیقی بھائی شہاب الدین لنگاہ کو گورنر منکیرہ کا حاکم مقرر کیا جو بعد میں اپنے بھائی کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر کے خود مختیار ہو گیا۔ سلطان حسین نے اس پر حملہ کر کے گرفتار کر لیا۔ اس کے بعد مکران سے ملک سہراب خان دودائی کو اپنی حمایت میں بلایا اور منکیرہ کی عظیم میکن ریاست اسی کو تفویض کی۔[۲]

(۳) **ریاست ڈیرہ اسماعیل خان** :- نواب محمد اسماعیل خان ہوت بلوچ بھی مکران سے چل کر ملتان آیا تو سلطان حسین خان لنگاہ نے کوٹ کروڑ سے دین کوٹ تک کا علاقہ اس کو دے دیا۔ اس نئی حکومت نے کوہِ سلیمان کے بلوچوں کا قلع قمع کیا اور ان کی طاقت ہمیشہ کے لئے ختم کر دی۔ بعد ازاں ۸۹۴ھ/۱۴۸۸ء میں ڈیرہ اسماعیل خان کی بنیاد رکھی۔ یہ شہر دریائے سندھ کے کنارے ڈیڑھ میل دور مغرب میں تعمیر کیا گیا۔

(۴) **ریاست ڈیرہ غازی خان** :- حاکم ملتان سلطان حسین خان لنگاہ کے بلاوے پر سردار حاجی خان میرانی اپنے جواں سال بیٹے غازی خان اور اپنے قبیلے کے سینکڑوں کڑیل جوان ہمراہ لے کر ملتان آیا۔ سلطان نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور کوٹ کروڑ سے سیت پور تک کا علاقہ کوہ سلیمان کے دامن تک دے دیا

۱؎ بحوالہ تاریخ جھنگ صفحہ ۱۱۳ ۲؎ تاریخ ملتان حصہ دوم صفحہ ۱۹ ۳؎ بلوچ قوم اور اسکی تاریخ صفحہ ۲۳۷

جب کوہستانی بلوچوں کو اس کی خبر ملی۔ تو انھوں نے ملتان جانے کا خیال ترک دیا اور موجودہ ریاست کی حفاظت کرنے لگے۔ [۱]

(۵) ریاست شورکوٹ :- سندھ کے بادشاہ جام نظام الدین کی بے رُخی کے باعث سمہ قوم کے دو سردار جام بایزید اور جام ابراہیم ناراض ہو کر سلطان حسین خان لنگاہ کے پاس ملتان آگئے۔ سلطان نے ان کی آمد کو غنیمت سمجھا اور جام بایزید کو شورکوٹ کی ریاست عطا کی۔ [۲]

(٦) ریاست اُچ :- جام ابراہیم جو سمّہ قوم کا سردار تھا۔ جام نظام الدین حاکم سندھ کی بے رُخی دیکھ کر ملتان آیا۔ سلطان اُن کی آمد سے بڑا خوش ہُوا اور اُچ کی ریاست عطا کی۔ یہ سردار حسین خان کی قدردانی اور معارف پروری کا چرچا سُن کر آیا تھا۔

دودائی بلوچوں کا عہدِ حکومت

۸۸٦ھ / ۱۴۸۰ء تا ۹۳٦ھ / ۱۵۳۰ء

ملک سہراب خان دودائی نواب منکیرہ وامرانی

۸۸٦ھ / ۱۴۸۰ء تا ۹۱۰ھ / ۱۵۳۰ء

سلطان حسین خان لنگاہ کے زمانے میں کوہِ سلیمان کے بلوچ بڑی طاقت رکھتے تھے۔ انھوں نے سلطان کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ چونکہ آئے دن سلطان کو کوہِ سلیمان کے بلوچوں کی بغاوتوں اور شورشوں سے سابقہ پڑتا تھا۔ اس لئے اس نے ان سے پیچھا چھڑانے اور اپنی عسکری قوت بڑھانے کے لئے اپنے قدیم دوستوں ملک سہراب خان دودائی اور جام اسماعیل خان ہوت کو ملتان آنے کی دعوت دی۔ یہ لوگ مکران سے ہزاروں جانباز بلوچ جوانوں کو اپنے جلو میں لئے ملتان پہنچے۔ سلطان نے دین کوٹ سے کروڑ تک کا علاقہ ان کی سرداری میں دے دیا۔ جب کوہستانی بلوچوں کو نئے قابضین کا علم ہُوا تو بڑے جُزبُز ہُوئے اور اپنی گھاٹیوں سے نکل کر دریائے سندھ تک پھیل گئے۔ ملک سہراب خان اور جام اسماعیل خان ہوت کو اپنے علاقوں پر قبضہ کرنے میں دشواریاں پیش آئیں۔ بعد ازاں ملک سہراب خان کو سلطان حسین خان لنگاہ نے اپنے دربار سے وابستہ کر لیا تھا اور جاگیر میں اس کا بیٹا بابر بن سہراب حکومت کرتا تھا۔ [۳]

[۱] تاریخ ملتان حصہ دوم ص ۲۲ [۲] تاریخ جھنگ ص ۱۱٦-۱۱۷ [۳] تاریخ ملتان حصہ دوم ص ۱۹ نور احمد خان آفریدی

ملک سہراب خان اور لنگاہ حکومت

سلطان حسین خان لنگاہ نے ۹۰۲ھ/۱۴۹۵ء میں اپنے پوتے سلطان محمود کو ولی عہد بنایا اور جام بایزید کو
اس کا اتالیق اور وزیر مقرر کیا۔ سلطان حسین خان فوت ہو گیا۔ محمود کمسن تھا۔ نالائق لوگ اس کے گرد جمع
ہو گئے۔ انھوں نے وزیر اور بادشاہ کو لڑا دیا۔ جام بایزید بھاگ کر شورکوٹ چلا گیا اور اپنی ریاست
شورکوٹ کا الحاق سلطنت دہلی سے کر لیا۔ چند دنوں بعد سلطان محمود شاہ نے شورکوٹ پر حملہ کر دیا۔
جام بایزید نے فوراً دولت خان لودھی کو اطلاع دی۔ اس نے دونوں فریقوں میں صلح کرادی اور دریائے راوی
کو حدِ فاصل قرار دیا۔ اور جام بایزید کی وزارت سے علیحدگی پر ملک سہراب خان نے دوبارہ قلمدانِ وزارت
سنبھال لیا جس سے لنگاہ سلطنت کی عمر کچھ زیادہ ہو گئی۔ [1]

بابر بن سہراب دودائی نواب منکیرہ و اموانی

۹۱۰ھ/۱۵۰۱ء تا ۹۳۷ھ/۱۵۳۰ء

جب یہ علاقہ کوہِ سلیمان کے بلوچوں کی یلغار سے پاک ہو گیا تو جام اسماعیل خان ہوت نے علاقہ تھل کی
حکمرانی ملک سہراب خان دودائی کے لڑکے بابر کے سپرد کر دی۔ یہ ملک سہراب خان کا لائق بیٹا تھا۔ ابتدا میں
بابر بن سہراب خان نے اپنے نام پر کوٹ بابر کی بنیاد رکھی۔ یہ قلعہ ڈیرہ اسماعیل خان سے ۲۰ میل جنوب دریائے
سندھ کے غربی کنارے آباد کیا۔ [2]

جب مغلیہ خاندان کے تاجدار بابر نے پنجاب پر حملہ کیا تو ان دنوں ریاست اموانی منکیرہ پر ملک سہراب
خان بلوچ وزیر اعظم ملتان کا لڑکا بابر حکومت کر رہا تھا۔ قبل ازیں یہ ریاست میکنوں کے قبضۂ اقتدار میں تھی
لیکن اب دودائی بلوچ حکومت کر رہے تھے۔ یہ ریاست خوشاب سے مظفر گڑھ تک اور دریائے جہلم کے
غربی کنارے دریائے سندھ کے مشرقی کنارے تک پھیلی ہوئی تھی۔ [3]

مغل بادشاہ بابر نے ۹۳۲ھ/۱۵۲۶ء میں ابراہیم لودھی کو پانی پت کے میدان میں شکست دے کر دہلی کی حکومت
حاصل کر لی۔ اس سے قبل وہ لاہور۔ بھیرہ۔ اموانی۔ منکیرہ۔ ملتان۔ شورکوٹ۔ دیپالپور۔ چنیوٹ اور خوشاب
وغیرہ کی ریاستیں زیرِ نگیں کر کے ان کے مقامی امرا کو اپنا ہمنوا بنا چکا تھا۔ [4]

[1] تاریخ لنگاہ ص [illegible]، تاریخ جھنگ ص ۱۱۹ [2] تاریخ ملتان حصہ دوم ص ۲۰ [3] تاریخ جھنگ ص ۱۲۳ [4] تاریخ جھنگ ص ۱۲۶

ہوت بلوچوں کا عہدِ حکومت

۹۳۶ھ / ۱۵۳۰ء تا ۹۶۵ھ / ۱۵۵۷ء

جام اسماعیل خان ہوت نواب منکیرہ و ڈیرہ اسماعیل خان

۹۳۶ھ / ۱۵۵۰ء تا ۹۶۰ھ / ۱۵۵۲ء

ملتان کے حاکم سلطان حسین خان لنگاہ نے کوہ سلیمان کے بلوچوں کی یلغار سے تنگ آکر جام اسماعیل خان ہوت کو اپنی حمایت میں بُلایا اور کوٹ کروڑ سے دین کوٹ تک بمعہ علاقہ کوہستان آپ کے حوالے کر دیا۔

جام اسماعیل خان ہوت نے اپنے نام پر ۸۹۴ھ / ۱۴۸۸ء میں شہر ڈیرہ اسماعیل خان کی بنیاد رکھی۔ یہ شہر دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر ڈیڑھ میل دور تعمیر کیا گیا۔ ہوت فرماں روانے خوب صورت عمارتیں بنوا کر اسے خوب رونق دی اور چاروں طرف مصارفِ کثیر سے بڑے عمدہ باغات لگوائے۔ بابر کے زمانے میں یہ شہر خاصہ مشہور ہو چکا تھا۔ ۹۳۶ھ / ۱۵۳۰ء میں بابر بن سہراب کی وفات کے بعد امرانی منکیرہ کی ریاست بھی جام اسماعیل خان ہوت کے زیرِ تسلط رہی۔ [۱]

شیر شاہ سُوری ملک کا دَورہ کرتے ہوئے خوشاب پہنچا تو جام اسماعیل خان ہوت فتح محمد خان کلاچی اور میر حاجی خان میرانی نے حاضرِ خدمت ہو کر حلفِ وفاداری اُٹھایا اور اپنی اپنی ریاستوں پر بحال رہے۔ [۲]

عباس خان سراوانی نے جام اسماعیل خان ہوت کی عقلمندی کا ایک عجیب واقعہ بیان کیا ہے۔ لکھتا ہے کہ "شیر شاہ سُوری نے بلوچوں کو حکم دیا کہ گھوڑوں کو داغ کراؤ۔ جام اسماعیل خان کو گھوڑے بڑے پیارے تھے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ بے زبان مخلوق کو عذاب پہنچے۔ مگر انکار کرتا تو حکم عدولی کا مرتکب ہوتا۔ اس نے بڑی سادگی سے عرض کیا۔ جہاں پناہ! دوسرے لوگ گھوڑوں کو داغ کریں گے اور میں اپنے تئیں داغ کروں گا۔ بادشاہ اس جواب سے بڑا خوش ہوا اور جام اسماعیل خان ہوت کو داغ معاف کیا۔ [۳]

ہوت بلوچوں کا حملہ کچھی ۹۵۹ھ / ۱۵۵۱ء

جھنگ کے حکمران مَل خان سیال نے ۸۷۴ھ / ۱۴۶۸ء میں امرانی منکیرہ کے بلوچوں کو شکست دے کر علاقہ کچھی جو ریاست امرانی منکیرہ کی حدود میں شامل تھا، حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔ چنانچہ منکیرہ کے بلوچ منظم ہو کر اپنے علاقہ کچھی۔

۱۔ بحوالہ تاریخ ملتان حصہ دوم ص ۱۹ ۲۔ بلوچ قوم اور اس کی تاریخ نور احمد خان ص ۲۳۷ ۳۔ بلوچ قوم اور اس کی تاریخ ص ۲۳۷ تاریخ شیر شاہی از عباس خان سراوانی ص ۲۸۳۔

کروا گزار کرانے کے لئے ریاست جھنگ پر حملے شروع کر دیئے۔ ان دنوں ریاست جھنگ کا حاکم دولت خان سیال تھا ان حملوں سے تنگ آکر دولت خان سیال نے بلوچوں کو سزا دینے کے لئے اپنی فوج منظم کی اور تھل کی طرف کوچ کیا۔ یہ واقعہ ۹۵۸ھ/۱۵۵۱ء کا ہے۔ دوسری طرف بلوچوں نے مقابلہ کے لئے فوجی قوت جمع کر دی۔ ڈیڑھ ماہ برابر جنگ جاری رہی۔ اسی دوران میں میدان جنگ میں جب دولت خان سیال حاکم جھنگ خود اپنی فوج کی کمان کر رہا تھا ایک زہر آلود تیر اس کے پیٹ میں لگا جس سے وہ میدان ہی میں جاں بحق ہو گیا۔ بلوچوں نے آگے بڑھ کر علاقہ کچھی پر قبضہ کر لیا نیز سیالوں کے بہت سے قبیلوں کو اس علاقہ سے نکال کر ان کی اراضی چھین لی۔ دولت خان سیال کا مزار قصبہ واسو آستانہ میں ہے۔ [۱]

جام ابراہیم خان ہوت نواب ڈیرہ اسماعیل خان و منکیرہ

۹۶۰ھ/۱۵۵۲ء تا ۹۶۸ھ/۱۵۶۱ء

جام ابراہیم خان ہوت ریاست ڈیرہ اسماعیل خان کے حاکم مقرر ہوئے۔ اس کے باپ کی وفات کے بعد جام ابراہیم خان ہوت ریاست ڈیرہ اسماعیل خان کے حاکم مقرر ہوئے۔ ان کے دورِ حکومت میں ریاست امروانی منکیرہ بھی ان کے زیر تسلط رہی۔ آپ کے عہد میں غازی خان سیال نے ریاست امروانی پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔

غازی خان سیال کا امروانی پر حملہ

غازی خان سیال حاکم جھنگ نے اپنے باپ کا بدلہ لینے کے لئے تھل کے بلوچوں پر ۹۶۴ھ/۱۵۵۵ء میں ریاست منکیرہ کے مشہور قلعہ امروانی پر حملہ کر دیا۔ قلعہ امروانی جو کہ اب حیدر آباد تھل کے نام سے موسوم ہے یہ علاقہ بلوچوں سے چھین کر اپنی ریاست جھنگ میں شامل کر لیا۔ بلوچوں نے اپنی زبردست شکست کا اعتراف کرتے ہوئے سفارتی سطح پر صلح کرنے کی کوشش کی۔

چنانچہ حاکم خوشاب کی وساطت سے دونوں میں اس شرط پر صلح ہو گئی کہ بلوچ ہر سال جھنگ کے حاکم کو خراج ادا کریں گے۔ اس فیصلہ کے مطابق جب تک غازی خان سیال زندہ رہا۔ بلوچ ہر سال ایک سو روپیہ، دو گھوڑے اور دستار بطور خراج پیش کرتے رہے۔ [۲]

۱۔ تاریخ جھنگ صفحہ ۱۶۸ ۲۔ تاریخ جھنگ صفحہ ۱۶۹

میر پُنوں خان ہوت

آپ میر عالی کے سب سے چھوٹے لڑکے اور جام اسماعیل خان کے چھوٹے بھائی تھے۔ آپ میر عالی کی چھوٹی بیگم کے بطن سے تھے اور میر صاحب کو بڑے پیارے تھے۔ میر عالی مملکت کیچ مکران کے فرمانروا تھے۔

میر پُنوں کا سسّی سے معاشقہ

میر عالی کے زمانے میں کیچ بڑی رونق پر تھا۔ دُنیا کے بڑے بڑے شہروں سے تجارتی قافلے آتے اور اپنا سامان فروخت کر کے ضرورت کی چیزیں خرید کر لے جاتے تھے۔ میر عالی کے یوں تو تمام خوبرو صاحبزادے مہرو ماہ کو شرماتے تھے۔ مگر پنوں خان ان سب سے زیادہ خوب صورت تھا۔

اسی زمانے میں غالباً ۹۴۶ھ میں بھنبھور کی ایک حسینہ سسّی کا بڑا چرچا ہو رہا تھا۔ اگرچہ وہ ایک دھوبی کی بیٹی تھی۔ مگر حسن و جمال میں شہزادیوں کو بھی مات کرتی تھی۔ جب یہ بھنک شہزادے کے کانوں تک پہنچی تو وہ اس کا غائبانہ عاشق ہوگیا اور والد کی مرضی کے خلاف تاجروں کے بھیس میں بھنبھور پہنچا اور اس حسینہ سے شادی کرلی۔ جب میر عالی کو اطلاع ہوئی تو وہ سخت برہم ہوئے۔ انھوں نے اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ جس طرح بھی ممکن ہو بھنبھور جاکر پنوں کو لے آئیں۔ پُنوں کے بھائی بھنبھور پہنچے۔ اور ایک رات جبکہ وہ بے خبر پڑا سو رہا تھا۔ اُسے رسیوں سے جکڑ کر اُونٹ پر لادا۔ اور راتوں رات کیچ روانہ ہوئے۔ سسّی بیدار ہوئی۔ تو وہ آہ و فغاں کرتی ہوئی پُنوں کے تعاقب میں چل پڑی۔ تقریباً ایک سو میل پا پیادہ چل کر جب ندی پہنچی اور اسے عبور کر کے ریگستان میں داخل ہوئی تو پیاسی مرگئی۔ ایک چرواہے نے اس کو دفن کر دیا۔

اِدھر پُنوں جب کیچ پہنچا۔ تو سسّی کے فراق میں اس کی حالت بے حد مخدوش ہوگئی۔ میر عالی نے بیٹوں سے کہا۔ بھائی ہاتھ سے جاتا ہے۔ فوراً لے جاؤ۔ چنانچہ شہزادے پُنوں کو اونٹ پر سوار کر کے پھر بھنبھور کو روانہ ہوئے۔ جب سسّی کی قبر سے گزرے تو پنوں چیخ کر اونٹ سے گرا اور جاں بحق ہوگیا۔ اسے بھی سسّی کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔ [1]

شیر شاہ سوری کی یادگار سڑک

۹۴۶ھ/۱۵۳۹ء میں شیر شاہ سوری خوشاب میں چند دن ٹھہرنے کے بعد ملتان کی طرف بڑھا۔ راستہ میں

[1] بلوچ قوم اور اس کی تاریخ صفحہ ۲۷۶

ریاست منکیرہ کی سرحدی چوکی تریوں گھاٹ پہ پڑاؤ کیا۔ یہاں سے لاہور کو قندھار سے ملانے کے لئے سڑک بنانے کا حکم دیا۔ چنانچہ اس عظیم سڑک پر پندرہ پندرہ میل کے فاصلے پر سرائیں بنوائیں اور ہر پانچ میل کے فاصلہ پر ایک نگران چوکی قائم کی۔ سڑک کے دونوں جانب سایہ دار درخت لگوائے اور ہر چوکی پر کنواں، مسجد اور تالاب تعمیر کرائے۔ آج بھی اس عظیم سڑک پر سرائیں، کنویں موجود ہیں جو شیر شاہ سوری کے زرّیں دور کی شہادت دے رہی ہیں۔

اب اس سڑک کو ڈیرہ پل کے ذریعے صوبہ سرحد سے ملا دیا گیا ہے۔ بین الصوبائی سڑک ہونے کی وجہ سے خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔ کثرت ٹریفک کی بدولت اب اس عظیم سڑک کو چوڑا اور سیدھا کیا جا رہا ہے۔

شجرہ نسب ہوت فرمانروایان

میر جلال خان

میر عبدو خان

میر عالی

- میر پنول خان (جس کا سسی سے معاشقہ تھا)
  - میر راجو خان
    - میر زیبن خان
      - فتح خان بانی کوٹ فتح خان
        - سکندر خان
          - مہابت خان
            - کمال خان بانی کوٹ کمال خان
            - شہباز خان بانی کوٹ شہباز خان
- میر عمر خان
  - میر بہادر خان
    - محمد خان
      - احمد خان
      - بڈھا خان
        - مبارک خان
        - ہوت خان
        - ہیبت خان حاکم ڈیرہ اسماعیل خان، حاکم ماڑی شاہ سنجرا
          - نصرت خان حاکم ماڑی
          - ہیبت خان
            - غلام رسول خان
            - سردار خان
- میر اسحاق خان
  - شادن خان
  - بالاچ خان
    - میر غلام حسن خان
      - میر میرن خان
        - میر محمود خان (اس کی اولاد تالپور کہلاتی ہے)
          - زمان خان
          - عظمت خان
          - بہادر خان
            - محمد اعظم خان
              - غلام حیدر خان بانی حیدر آباد تھل
              - اسماعیل خان
            - محمد نواز اللہ بخش
            - حبیب خان
            - شہالم خان
              - احمد خان
                - غلام حسن خان
                - فرید احمد
              - غلام صدیق
              - نور محمد
- میر اسماعیل خان
  - میر ابراہیم خان
    - فتح خان
      - خان عالم خان
        - ابراہیم خان ثانی
          - محمد خان
            - نصرت خان جس کے دور میں ہوت بلوچ حکومت کا خاتمہ ۱۱۸۴ھ ۱۷۷۱ء میں ہوا۔

نوٹ: یہ شجرہ بلوچ قوم اور اسکی تاریخ کے صفحہ ۳۲۶ سے لیا گیا ہے۔

رِند بلوچوں کا عہدِ حکومت

۹۷۵ھ / ۱۵۶۷ء تا ۱۰۱۵ھ / ۱۶۰۵ء

میر چاکر خان رِند کی فاتحانہ یلغار

میر چاکر اعظم رند علاقہ سبی بلوچستان کا حکمران تھا۔ یہ آہنی عزم کا بلوچ جرنیل میر شہک کا بہادر بیٹا تھا۔ باپ کے انتقال پر بلوچوں کا سردار مقرر ہوا۔ ایک اور سردار سردار گواہرام گنداوہ کا حکمران تھا۔ کسی بات پر ان دونوں میں جنگ چھڑ گئی اور تیس سال تک ایک دوسرے کے گلے کاٹتے رہے۔ ہزاروں بلوچوں کے قتل کے بعد لاشار قبائل کو شکست ہوئی اور گجرات کاٹھیا واڑ کی طرف منتقل ہو گئے۔ خانِ اعظم میر چاکر خان کو بھی اِس خونی سرزمین سے نفرت ہو گئی۔ اپنے ہزاروں جنگ آزما اور صف شکن بہادروں کے جلو میں پنجاب کو اپنا وطن بنانے کی نیت سے روانہ ہوا۔ جب اُچ میں داخل ہوا تو اُس نے بخاری اور گیلانی بزرگان کے مزارات پر حاضری دی۔ ان دنوں اُچ کا حاکم جام ابراہیم سمہ تھا۔ اس کے تعلقات بلوچ سردار سے خوشگوار تھے لہٰذا خانِ اعظم میر چاکر خان نے اپنا لشکر جام ابراہیم سمہ کے پاس چھوڑا اور خود اپنے شہزادوں میر شہداد اور میر اللہ داد کے ہمراہ ملتان آیا۔ اس زمانے میں لنگاہوں کا صرف نام تھا۔ ان کے پردے میں بلوچ حکومت کر رہے تھے۔ ملک سہراب خان وزیرِ اعظم اور لشکر خان سپہ سالار تھا۔ خانِ اعظم میر چاکر خان کی آمد آمد کی خبر سُنی تو ملک سہراب خان سہم گیا اور اسے اپنا مستقبل نقش بر آب نظر آنے لگا۔ اس نے سلطان محمود لنگاہ سے صاف صاف کہہ دیا کہ جو شخص اقتدار کی خاطر اپنے تیس ہزار بھائیوں کا گلا کاٹ سکتا ہے وہ ہمیں بھلا کب چھوڑے گا۔ بہتر ہے کہ اُسے چلتا کیجئے۔ ورنہ میرا استعفا قبول فرمائیے۔

خانِ اعظم میر چاکر خان نے سلطان سے تخلیہ میں ملاقات کی اور کہا؛ اگر آپ مجھے اپنا سالار بنا لیں تو میں دہلی تک آپ کی سلطنت پھیلا دوں گا۔ سلطان محمود لنگاہ خان اعظم میر چاکر خان کی خون آشامی سے خود بھی واقف تھا۔ اور پھر ملک سہراب خان نے اس پر اس قدر رنگ چڑھایا تھا کہ وہ گھبرا اٹھا اس نے خانِ اعظم سے کہا کہ ملتان ایک چھوٹی سی ریاست ہے۔ آپ جیسے اولوالعزم رزم آزما جرنیل کی کیونکر متحمل ہو سکتی ہے۔ آپ کے پاس اپنی کافی فوج ہے۔ کسی دوسرے کو ساتھ ملانے کی کیا ضرورت ہے۔ دہلی کا میدان خالی ہو رہا ہے۔ آگے بڑھ کر قسمت آزمائی کیجئے۔

[1] بحوالہ تاریخ ملتان دوئم ص ۲۶

چونکہ ملتان کی حکومت چند دن کی مہمان نظر آرہی تھی اور مغل تاجدار بابر کی آمد کا خطرہ تھا۔ اس
لیے لنگاہوں سے الجھنا پسند نہ کیا۔ اُچ کا حکمران جام ابراہیم جو جام بایزید کا قریبی رشتہ دار تھا، نے چاکر اعظم
کو ایک جاگیر مرحمت کی جو راوی سے دیپال پور تک پھیلی ہوئی تھی۔ خان اعظم نے اس اراضی میں اپنے نام پر
قلعہ تعمیر کرایا جو کہ اب تک جلال پور پیروالا سے لودھراں روڈ پر سر اٹھائے بلوچوں کے تابناک ماضی کی واپسی
کا انتظار کر رہا ہے۔ ۱

میر سپہ داد خان رند حاکم منکیرہ و بھکر ۹۶۸ھ/۱۵۶۱ تا ۹۷۵ھ/۱۵۶۷ء

۹۶۲ھ/۱۵۵۵ میں ہمایوں ہندوستان پر حملہ آور ہوا تو خان اعظم میر چاکر خان رند چالیس ہزار لشکر جرار جلو میں
لیے اس کے ہمراہ تھا۔ لاہور تک کا علاقہ بغیر لڑائی کے ہاتھ آگیا۔ مگر سرہند میں خوب میدان کارزار گرم ہوا۔
سکندر سوری بھی اسی ہزار فوج اور بے شمار ہاتھی لے کر مقابلے کو نکلا۔ خونریز جنگ ہوئی۔ کشتوں کے
پشتے لگ گئے مگر سکندر لودھی شکست کھا کر بھاگ گیا۔ بلوچوں نے اس جنگ میں اپنی شجاعت کے جوہر
دکھائے۔ ہمایوں فتح و نصرت کے شادیانے بجاتا رمضان المبارک ۹۶۲ھ/۱۵۵۵ میں اپنے آبائی تخت دہلی پہنچا
کر کے رفیقوں اور دوستوں کو انعامات سے مالا مال کیا۔ دہلی سے آگرہ اور ست گرہ تک تمام علاقہ چاکر اعظم کی
تحویل میں دے دیا۔ ۲

جب ہمایوں کی امداد کے لئے چاکر اعظم رند دہلی روانہ ہوا تو انہوں نے اپنے ایک فرزند میر سپہ داد خان
کو اہل و عیال کی خبر گیری کے لئے اپنی جاگیر ست گھرہ میں مقرر کیا۔ چنانچہ دہلی فتح ہونے کے بعد بھی یہ اسی جگہ
آباد رہے۔ ۹۶۲ھ/۱۵۵۶ میں چاکر اعظم وفات پا گیا۔ آپ کی وفات کی خبر سنتے ہی ساہیوال۔ خوشاب۔ ڈیرہ اسماعیل
خان۔ منکیرہ۔ ڈیرہ غازی خان اور سبی تک کے لوگوں میں صف ماتم بچھ گئی۔ ۳

چاکر اعظم کا خوشاب پر حملہ

چاکر اعظم بھکر اور منکیرہ کی ریاستوں کو مطیع کر کے خوشاب پہنچا۔ راستہ
میں منکیرہ سے ۱۵ کلومیٹر دور قصبہ کلیانوالا کے نزدیک ایک ٹیلہ پر پڑاؤ کیا۔ یہ مقام آج بھی ٹیلہ چاکر خان
کے نام سے مشہور ہے

میر رند خان نواب منکیرہ و بھکر

۹۷۵ھ/۱۵۶۷ء تا ۹۹۹ھ/۱۵۹۰ء

چاکر اعظم کی وفات حسرت آیات کے بعد نواب غازی خان اول نے بھکر۔ منکیرہ اور حیدر آباد تھل (اسمٰعیلی)

۱ تاریخ ملتان حصہ دوم ص ۲۶ ، تاریخ جنگ بلال زبیری ص ۱۲۱ ۲ تاریخ ملتان حصہ دوم ص ۸۸ ۳ بلوچ قوم اور اس کی تاریخ ص ۱۸۲

کی حکومت میر رند کو عطا کی۔ یہ نوجوان میر سپہ داد خان کا بیٹا اور چاکر اعظم کا پوتا تھا۔ اس وقت ان علاقوں پر نواب غازی خان اوّل کا تسلط تھا۔ میر رند پندرہ دن بھکر اور پندرہ دن منکیرہ میں حکومت کرتا تھا۔ اپنی وفات تک ان علاقوں کی حکومت پر فائز رہے۔ بعد ازاں ان کے بھائی میر محمد داؤد خان نے بھکر حکومت کے لئے نواب غازی خان اوّل سے درخواست کی۔ مگر نواب نے اُمراء کے بہکانے سے انکار کر دیا جس پر میر محمد داؤد خان باغی ہو گیا اور وارہ گشکوری کو مستقر بنا کر میرانی اور ہوت مقبوضات پر حملے کرنے لگا۔[1]

سردار محمد داؤد خان نواب منکیرہ بھکر

۹۹۹ھ / ۱۵۹۰ء تا ۱۰۱۵ھ / ۱۶۰۵ء

میر محمد داؤد خان میر سپہ داد خان کا لڑکا اور خان اعظم چاکر خان کا پوتا تھا۔ نواب غازی خان دوئم سے حکومت بھکر اور منکیرہ کی سند حاصل نہ کر سکا تو باغی ہو کر ہوت اور میرانی مقبوضات پر حملے کرنے لگا اور اپنا مستقر وارہ گشکوری کو بنایا۔

ایک روایت کے مطابق پانچسو سوار اس کے جلو میں چلتے تھے۔ اس نے بہت جلد ایک چھوٹی سی ریاست بنالی تھی اور بڑی عقل و دانش اور فہم و فراست سے آباد کرنے میں مصروف ہوا۔ ایک موقع پر جب نواب غازی خان دوم لاؤ لشکر لے کر اس پر چڑھ آیا تو اس نے اس پر نہایت کامیاب شب خون مارا۔ نواب "محمد راجن شاہ" کے مقام پر خیمہ زن تھا۔ رات کے وقت سردار داؤد خان اس کے خیمے میں گھس گیا۔ اگرچہ بڑی آسانی سے نواب کو قتل کر سکتا تھا مگر اس نے نواب کو بیدار کر کے کہا کہ چونکہ آپ قوم کے نیک نام سردار ہیں اس لئے میں آپ کو قتل کرنا نہیں چاہتا۔ آپ اپنے دارالحکومت کو واپس تشریف لے جائیں۔ نواب غازی خان دوئم نے اپنے پہرہ داروں کو ان کی غفلت پر خوب سزا دی اور حریف کی اس مروّت کے عوض محاصرہ اٹھا کر اپنے دارالحکومت کو لوٹ گیا۔ اس واقعہ سے داؤد خان کا حوصلہ بڑھ گیا۔ غازی خان دوم کے جانے کے بعد اس نے بڑی شدت سے میرانیوں اور ہوتوں پر حملے شروع کر دیئے اور ان کا ناک میں دم کر دیا۔ داؤد خان کی سینہ زوری اور بہادری کے گیت آج تک اس علاقہ میں گائے جاتے ہیں۔ ایک شعر درج ذیل ہے۔[2]

ع داؤد میر وارہ اندر ویندا ڈنگے ہوتاں تے میرانیاں کولوں نت براتیں منگے

---

[1] بلوچ قوم اور اسکی تاریخ صفحہ ۳۲۹ [2] بلوچ قوم اور اس کی تاریخ صفحہ ۳۲۵

سردار محمد داؤد خان کا قتل

جب ہوت حکمران اور نواب غازی خان دوم نے دیکھا کہ سردار داؤد خان کو قابو میں لانا ان کے بس کی بات نہیں تو انھوں نے متفقہ طور پر مغل شہنشاہ سے امداد طلب کی۔ اکبر اعظم کا زمانہ تھا۔ اس نے سردار داؤد خان کی سرکوبی کے لئے بارہ ہزار کا لشکر جرار روانہ کیا۔ سردار داؤد کے پاس صرف پانچ سو سوار تھے۔ اتنی قلیل فوج کے ساتھ تین طاقتوں سے ٹکرانا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ رفیقوں نے اُسے کوہِ سلیمان میں پناہ لینے کا مشورہ دیا اور اس میں قطعاً کوئی شبہ نہیں کہ اگر سردار داؤد خان پہاڑ میں چلا جاتا تو یہ تینوں لشکر اس کا کچھ نہ بگاڑ سکتے۔ مگر اس طرح چھپنا سردار داؤد خان نے مردانگی کے خلاف سمجھا۔

وہ ایک رات قضائے مبرم کی طرح شاہی لشکر پر ٹوٹ پڑا۔ اور اس کے بے شمار سپاہی گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیئے لیکن شاہی لشکر نے بھی خوب مردانگی دکھائی۔ اس غیر مساوی مقابلے میں سردار داؤد خان انتہائی بہادری سے رفیقوں سمیت لڑتا ہُوا مارا گیا۔ اور اس کی لاش حضرت مخدوم راجن شاہ کے قبرستان میں دفن کر دی گئی۔ داؤد خان کے قتل پر رند بلوچ کلیتاً کمزور ہو گئے اور انھوں نے نواب غازی خان دوم کی اطاعت قبول کر لی۔ اموانی منکیرہ کی عظیم ریاست پر میرانیوں کا تسلط ہو گیا۔ ۱؎

شجرہ نسب رند ولاشار

- میر جلال خان
  - میر ہوت
    - میر عمرو خان
      - میر عالی
        - میر اسمٰعیل خان — نواب ڈیرہ منکیرہ
        - میر اسحٰق خان
        - میر عمر خان
        - میر پنوں خان — جن کا سسی سے معاشقہ تھا
  - میر رند
    - میر عبداللہ خان
      - میر شہداد خان
        - میر حسن خان
        - میر شہک خان
          - میر چاکر خان (خان اعظم)
            - میر ابوبکر
            - میر سپہ داد خان
              - میر رند خان
              - میر داؤد خان
                - میر بلوچ خان اوّل بانی جسکانی حکومت منکیرہ
  - میر لاشار
    - میر اسمٰعیل خان
      - میر عبداللہ خان
        - نودبندغ خان
          - میر گواہرام خان
            - میر ابوبکر
            - میر رامن
          - میر رمضان خان
            - حدہ خان
              - خاوند بی بی بانڑی

گل رئیس، میر حسن، گیاندار، نوحک، جنید، ریحان، ابراہیم، میر محمد

(نوٹ: یہ شجرہ بلوچ قوم اور اسکی تاریخ کے ص ۲۰۱ سے لیا گیا ہے)

۱؎ بلوچ قوم اور اس کی تاریخ ص ۳۵

حضرت مخدوم لعل عیسن صاحب کروڑ

صاحب اذکار قلندری لکھتے ہیں کہ مخدوم شیخ محمد یوسف الملقب بہ لعل عیسن علیہ الرحمۃ حضرت غوث الملک شیخ بہاؤ الدین ثانی کے بڑے صاحبزادے تھے اس لئے شیخ الاسلام کی سجادگی کے حق دار تھے۔ شیخ کبیر عمر میں چھوٹے تھے لیکن ایک دفعہ جبکہ ان کی عمر چار سال ہو گی۔ انھوں نے اپنے والد ماجد کی دستار کو ہاتھ لگا دیا جس پر حضرت غوث الملک نے فرمایا، بیٹا! تو بھی صاحب دستار ہو گا۔

جب دونوں بھائی بڑے ہوئے۔ اور حضرت بہاؤ الدین ثانی عالم قدس کو انتقال کر گئے تو ان میں سجادگی پر تنازعہ ہوا۔ ایک بڑا بیٹا ہونے کی وجہ سے حقدار تھا اور دوسرا والد ماجد کے ارشاد کو سند بناتا تھا۔ معاملہ حکومت تک پہنچا۔ وہاں سے حکم ہوا کہ ملتان شہر کے علماء اور مشائخ فیصلہ کریں۔ چنانچہ اس معاملہ میں کافی غور وخوض ہوتا رہا۔ انجام کار طے پایا۔ کہ دونوں صاحبزادوں کی پگڑیاں روضہ مبارک میں مقفل کر دی جائیں۔ جس کی دستار بندھی ہوئی ہو گی۔ وہ سجادگی کا حقدار قرار پائے گا۔ صبح دیکھا تو دونوں پگڑیاں بندھی پڑی تھیں۔ مگر روضہ مبارک کی چابی شیخ کبیر کے حوالے کی گئی۔ اس پر حضرت لعل عیسن صاحب آزردہ خاطر ہو کر مقبرہ میں داخل ہوئے اور ادب سے جدِّ امجد کے مزار پُر انوار کو بوسہ دیا اور اُن کے دست مبارک کا لکھا ہوا قرآن مجید جو مزار کے سرہانے رکھا تھا۔ اُٹھا کر خاموشی سے باہر نکل آئے آپ ملتان کو ہمیشہ کیلئے خیر آباد کئے جا رہے تھے۔ اور یہ علم نہیں تھا کہ منزل کہاں ہو گی۔ ایک گاؤں میں رات کو قیام کیا۔ خواب میں شیخ الاسلام کی زیارت ہوئی۔ فرمایا: "بیٹا! تم اتنے غمگین کیوں ہو۔ کوٹ کروڑ جہاں ہمارے آباؤ اجداد نے صدہا سال سے علم وعرفان کی شمعیں روشن کی تھیں۔ پھر اس پر بے دینی کی گھٹا ٹوپ ظلمت چھا گئی ہے۔ قدرت کو یہی منظور ہے کہ تم وہاں پہنچ کر بھولی بھٹکی مخلوق کو راہِ ہدایت پر لاؤ۔ کوٹ کروڑ میں میرے سجادہ کی حیثیت سے کام کرو گے۔ اور تمہارے دم قدم سے لاکھوں بندگانِ خُدا کو فائدہ پہنچے گا۔" اس بشارت سے حضرت مخدوم لعل عیسن صاحب باغ باغ ہو گئے اور دل جمعی سے کوٹ کروڑ کو روانہ ہوئے۔ [۱]

حضرت مخدوم کوٹ کروڑ میں

شیخ محمد یوسف الملقب شیخ مخدوم لعل عیسن رحمۃ اللہ علیہ ۱۲ ربیع الاوّل ۹۵۱ھ / ۱۵۴۴ء میں باپ کی وفات کے

[۱] تاریخ ملتان حصہ دوم ص ۱۱۵

بعد جب علاقہ کروڑ میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ تمام ملک قحط کی لپیٹ میں آچکا ہے۔ لوگ جوق در جوق آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بارش کے لئے دعا کی درخواست کی۔ حضرت نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے خوب بارش ہوئی۔ گندم بونے کا وقت تھا، مگر گندم نایاب ہو چکی تھی۔ حضور نے فرمایا۔ اگر گندم نہیں ہے تو بھوسہ بودو پیر دستگیر کے فرمان پر لوگوں نے بے تحاشا بھوسہ چھڑکنا شروع کر دیا۔ خدا کی قدرت سے بھوسہ کی گٹھلیاں پھوٹ پڑیں اور ان سے گندم اگ آئی۔ ہر طرف کھیت لہلہانے لگے۔ اور قحط دور ہو گیا۔

ان دنوں کروڑ کے گرد و پیش بالخصوص دین کوٹ سے سیت پور تک، دریائے سندھ کے دونوں اطراف میں بلوچ آباد تھے اور انھوں نے بڑے بڑے شہر آباد کر لئے تھے۔ کوہ سلیمان کے دامن سے دریائے جہلم و چناب تک ان کا طوطی بول رہا تھا۔ یہ سپاہی قسم کے لوگ تھے۔ ان میں کوئی کوئی تعلیم یافتہ تھے۔ اکثریت ان پڑھ لوگوں کی تھی۔ اس وقت ان کی طاقت کے تین مرکز تھے۔

۱۔ ڈیرہ اسماعیل خان ۲۔ ڈیرہ غازی خان ۳۔ منکیرہ

نواب محمد اسماعیل خان ہوت۔ نواب غازی خان دوم میرانی اور نواب فتح محمد خان کلاچی۔ یہ تینوں بلوچ سردار آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔ حضرت مخدوم کا انتقال کوٹ کروڑ میں ہوا۔ آپ کے مزار پر انوار پر بلوچ فرماں رواؤں نے نہایت پرشکوہ مقبرہ تعمیر کرایا جو حضرت قطب الاقطاب شاہ رکن عالم قدس سرہٗ کے مقبرہ کی طرزِ تعمیر کا حامل ہے اور تینوں بلوچ سردار بھی آپ ہی کے قدموں میں سو رہے ہیں۔ افسوس ہے کہ حضرت کا آستانِ عالیشان اب قال اللہ و قال الرسول کی صداؤں سے محروم ہو چکا ہے۔ وہ مساجد نما عمارتیں جن میں سینکڑوں طالبانِ دین اکتسابِ علوم کرتے تھے۔ آج حیرت سے منہ کھولے ہوئے قافلے کا منہ تک رہی ہیں۔ درس و تدریس تو بجائے خود رہی۔ ان میں کوئی نماز تک نہیں پڑھتا۔ بقول علامہ اقبال علیہ الرحمۃ۔ [1]

ع مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے

میرانی بلوچوں کا عہدِ حکومت

۱۰۱۵ھ / ۱۶۰۵ء تا ۱۰۹۵ھ / ۱۶۴۸ء

میرانی بلوچوں کا تعارف

عجیب اتفاق ہے کہ ڈیرہ غازی خان کے حالات میں صرف اُن حکمرانوں کا ذکر آتا ہے جن کا نام غازی خا

[1] تاریخ ملتان حصہ دوم ص ۱۱۷

ہے۔ اگرچہ حاجی خان نام کے متعدد حکمران گزرے ہیں مگر ان کا ذکر بہت کم آتا ہے۔

بلوچوں کے رواج کے مطابق حاجی خان کے بعد غازی خان اول ثانی کے بعد حاجی خان وارث ہوئے اور ان کی حکومت پندرہ پشتوں تک قائم رہی۔ حاجی خان سات اور غازی خان نام کے آٹھ حکمران گزرے ہیں اس لئے وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کس نواب نے کتنے برس حکومت کی۔ اس عملداری کی تفصیل کسی تاریخ میں نہیں مل سکی۔ ماسوائے چند حوالہ جات کے جو بڑی مشکل سے بعض کتابوں سے حاصل کئے جا سکے ہیں۔ اس سے بلوچ فرماں رواؤں کی مکمل تاریخ تو ظاہر نہیں ہوتی البتہ اس کی چند جھلکیاں ضرور نظر آتی ہیں۔ ؎۱

میرانی بلوچوں کا شجرہ نسب

نواب حاجی خان اوّل وفات ۹۵۷ھ / ۱۵۵۰ء

نواب غازی خان اوّل، وفات ۱۰۰۳ھ / ۱۵۹۴ء

نواب حاجی خان دوم

نواب غازی خان دوم عرف نواب چاکر خان

نواب کمال خان — نواب داؤد خان — نواب سلطان خان — نواب نوشیر خان

بانی کوٹ لیہ — بانی کوٹ ادّو — بانی کوٹ سلطان — بانی کوٹ نوشہرہ

نواب مبارک خان

نواب میر عالم خان

نواب غازی خان سوئم وفات ۱۷۷۲ء

نواب گوہر علی خان

نواب محمد حسین خان

نواب شاہ محمد خان — سردار محمد امیر خان — سردار غلام حسن خان

نواب احمد خان — نواب محمود خان — سردار حاجی خان — سردار غلام محمد خان

سردار اللہ بخش خان — میر عالم خان — غلام حیدر خان — غلام سرور خان

نواب غازی خان — نواب شاہ محمد خان

متوفی ۱۹۵۹ء

علی گوہر خان — شاہ نواز خان — غلام سرور خان — سرور کربلائی

؎۱ بلوچ قوم اور اس کی تاریخ ص ۳۶۵

نواب غازی خان دوم منکیرہ و ڈیرہ غازی خان

۱۱۱۷ھ / ۱۷۰۵ء تا ۱۱۳۸ھ / ۱۷۲۶ء

نواب حاجی خان دوم کے بعد اس کا بلند اقبال فرزند نواب غازی خان دوم مسند نشین ہوا تو اس نے رند بلوچوں کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر منکیرہ، بھکر اور کروڑ کے علاقے اپنی ریاست ڈیرہ غازی خان میں شامل کر لئے۔ اس طرح ان علاقوں میں میرانی بلوچوں کو عروج حاصل ہوا۔

نواب غازی خان کے چار صاحبزادے تھے۔ انھوں نے اپنے اپنے نام پر شہر آباد کئے۔ نواب کمال خان نے کمالیہ جو بعد میں لیہ ہو کر رہ گیا۔ نواب اڈو خان نے کوٹ اڈو۔ نواب سلطان خان نے کوٹ سلطان اور نواب نوشیر خان نے نوشہرہ کا شہر آباد کیا۔

میرانی حکمرانوں نے اپنے پھیلے ہوئے علاقوں پر براہِ راست حکومت کرنا مناسب تصوّر نہ کیا۔ بلکہ ان علاقوں میں نیم خود مختیار ناظم مقرر کئے جو اپنے تمنات کے سربراہ تھے۔ تمندار کہلاتے تھے۔ ؎

نواب غازی خان دوم کو عمارات بنوانے کا بڑا شوق تھا۔ حضرت سخی سرور رحمۃ اللہ علیہ سے بلوچوں کو والہانہ محبت تھی۔ اب بھی ہر سال آپ کے مزارِ نُور بار پر بہت بڑا اجتماع ہوتا ہے جس میں شرکت کے لئے پنجاب تک کے وفود آتے ہیں۔ نواب صاحب نے حضرت سخی سرور کے مزارِ نُور بار پر عالی شان مقبرہ تعمیر کرایا اور زائرین کے لئے حجرے اور مسافر خانے تعمیر کرائے۔ نواب صاحب کے زمانے میں ایک شاہ صاحب کے زُہد و ورع کی بڑی شہرت تھی۔ ان کا عدل و انصاف خصوصی طور پر مشہور تھا۔ ایک دفعہ ان کے صاحبزادے پیر غیاث الدین شاہ نے ایک زمیندار کو قتل کر دیا۔ اس کے ورثا نے نواب صاحب کے دربار میں حاضر ہو کر داد فریاد کی۔

نواب صاحب حضرت کا بے حد احترام کرتے تھے۔ انھوں نے یہ مقدمہ شاہ صاحب کی خدمت میں بھیج دیا۔ شاہ صاحب نے اپنی ذمہ داری کو اچھی طرح محسوس کرتے ہوئے مقدمہ کو خوب غور سے سُنا اور اپنے لڑکے کو مجرم پا کر تلوار طلب کی اور عوام کے سامنے اس کا سر بُھٹے کی طرح اُڑا دیا۔ اس واقعہ سے شاہ صاحب پیر عادل شاہ کے نام سے مشہور ہو گئے۔ جب حضرت کا انتقال ہوا تو نواب صاحب نے آپ کے مزارِ پُر انوار پر ایک لاکھ روپے سے عالی شان مقبرہ تعمیر کرایا۔ ؎

؎ بلوچ قوم اور اس کی تاریخ ص۳۶۲

سردار گانمن خان قرائی وزیرِ اعظم

سردار گانمن خان قرائی وزیرِ اعظم ڈیرہ غازی خان ضلع جھنگ کے موضع کل قرائی کے باشندے تھے۔ جب ڈیرہ جات منظرِ عام پر آئے تو اس نوجوان کو بھی قسمت آزمائی کا شوق ہُوا۔ چنانچہ نقلِ مکانی کر کے ڈیرہ غازی خان تشریف لائے اور نواب کی سرکار میں ملازم ہو گئے۔ خداوندِ عزوجل نے انھیں غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ حق گوئی میں جواب نہیں رکھتے تھے۔ اس لئے نواب نے اُنھیں راست باز خان کا خطاب مرحمت فرمایا اور عوام میں اب تک گانمن سچار کے نام سے مشہور ہیں۔ [۱]

سردار گانمن خان اپنی فطری ذہانت۔ لیاقت اور ظرافتِ طبع کی بدولت ترقی کرتے ہُوئے وزارتِ عظمےٰ کے منصبِ عالیہ پر فائز ہو گئے۔ میرانی اور ہوت سرداروں میں ۲۲ دفعہ شدید جھڑپیں ہو چکی تھیں۔ جن میں دونوں قبائل کے رزم آزما بہادر کام آئے تھے۔ سردار گانمن خان نے اپنی ظرافت ولطافت سے دونوں سربراہوں میں صُلح کرادی اور مُورچنگی دونوں ریاستوں کی حدِّ فاصل مقرر ہُوئی اور تعلقات میں مزید پختگی پیدا کرنے کی غرض سے دونوں سرداروں میں رشتہ داریاں کرادیں۔ اِدھر اطمینانِ خاطر ہوا تو نواب نے ڈیرہ غازی خان کی آبادی اور سرسبزی وشادابی کے لئے توجہ دی۔ شہر میں مزید عالی شان کوٹھیں تعمیر ہوئیں۔ نہریں احداث ہوئیں اور باغات کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں ڈیرہ غازی خان فردوس بر رُوئے زمین نظر آنے لگا۔ [۲]

سردار گانمن خان کا قبیلہ

سردار گانمن خان کا قبیلہ خوشاب میں حکمران رہا۔ اس قبیلے نے شہنشاہ ہُمایوں کی آمدِ پنجاب پر لبیک کہا تھا۔ میر دادن۔ میر بجار۔ اور قرائی سردار سب سلام کو حاضر ہُوئے اور دہلی کی مہم کے لئے اپنی خدمات پیش کیں۔ شہنشاہ ہمایوں نے میر دادن کے بیٹے میر بہادر خان کو خوشاب کی حکومت عطا کی اور میر بجار کو علاقہ تھل نُور پور عطا ہُوا۔ میر بجار نے دریائے جہلم کے کنارے اپنے دارالحکومت کی بنیاد رکھی جو ان کے نام کی بدولت کوٹ بجار سے موسُوم ہوا۔ میر صاحب نے نہریں احداث کر کے تھل کو خوب آباد کیا اور اپنی حیاتِ مستعار کو ختم کر کے بمقام جلاّ زیریں المعروف جلاّ بلوچاں میں دفن ہُوئے۔

[۱] بلوچ قوم اور اس کی تاریخ ص۳۶۱ [۲] بلوچ قوم اور اس کی تاریخ ص۳۶۴ نور احمد خان آفریدی۔

قرائی بلوچوں کو ان کی خواہش کے مطابق سیر حاصل اراضیات سے نوازا گیا۔ سرہند کی جنگ میں میدان،
میر بجار اور قرائی بہادروں نے اپنے نامور سردار میر چاکر خان کے لیے علمِ مردانگی اور شجاعت کے جوہر دکھائے
اور جب دہلی فتح ہو گئی تو میر بجار اور قرائی بہادر انعام و اکرام سے نہال ہو کر نوشاب کو واپس لوٹے۔ سردار گاہن
خان اسی قرائی بلوچوں کا سردار تھا۔ ۱

نواب حاجی خان سوئم منکیرہ و ڈیرہ غازیخان

۱۱۳۸ھ/۱۶۲۷ء تا ۱۰۵۹ھ/۱۶۴۸ء

تاریخ ہند کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ جس حکمران نے دارا شکوہ کو دریائے سندھ عبور کرنے کی اجازت
دینے سے انکار کر دیا تھا اس کا نام حاجی خان سوئم تھا اور غالباً اسی نواب نے ملتان میں اورنگ زیب عالمگیر
سے مل کر خلعتِ فاخرہ حاصل کیا تھا۔ اس سے زیادہ کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ ۲
۱۰۵۹ھ/۱۶۴۸ء میں جب اورنگ زیب ملتان کا گورنر مقرر ہو کر آیا تو اسے ہوت۔ لوحانی اور نہمروی بلوچوں
سے کئی لڑائیاں لڑنی پڑیں مگر آخر کار اُسے بلوچوں کو دوست بنانے کی بجائے دشمن بنانے ہی میں فائدہ نظر
آیا۔ اس نے بلوچوں کی ریاستوں کے متعلق شاہ جہاں کو رپورٹ ارسال کی تھی۔ رپورٹ کے الفاظ یہ تھے کہ ،،

"حاجی خان و جام جمعہ اعیان آں سرزمین کہ از عہدِ حکام ترخانیہ تا حال رجوع نداشتند۔
سر انقیاد بہ خط فرمان نہادہ۔"

(ترجمہ :۔ حاجی خان اور جام جمعہ جنھوں نے عہدِ ترخانیہ سے اب تک کسی کی بھی اطاعت قبول نہ کی تھی انہیں مطیع کیا گیا ۔
شہنشاہِ دہلی سے آزاد رہے) ۳

رپورٹ سے یہ امر یقین ہو جاتا ہے کہ عہدِ ترخانیہ سے شاہ جہاں کے آخری دور تک بلوچ سرداران
شہنشاہِ دہلی سے آزاد رہے۔

۱۱۱۱ھ میں اورنگ زیب کو اطلاع ملی کہ بلوچوں نے بارہ ہزار فوج جمع کر لی ہے اور آمادۂ فساد ہیں۔
شہزادہ معز الدین جو بعد میں جہاندار شاہ کے نام سے تخت نشین ہوا تھا۔ اس بغاوت کو فرو کرنے پر مامور
ہوا۔ یہ لڑائی دراصل بلوچوں کی جنگِ آزادی تھی۔ وہ طوقِ غلامی کو جو سالِ رواں میں ہی ان کے گلے میں ڈالا گیا

۱۔ بلوچ قوم اور اس کی تاریخ ص ۳۶۴ نور احمد خان آفریدی ۲۔ بلوچ قوم اور اس کی تاریخ ص ۳۶۷، تاریخ ملتان حصہ دوم ص
۳۔ بلوچ قوم اور اس کی تاریخ ص ۳۶۸، تاریخ ملتان حصہ دوم ص ۱۴۱، عالمگیر نامہ از مولانا عبدالرحمٰن ص ___

تھا۔ نکال پھینکنا چاہتے تھے۔ حفیظ اللہ خان، صوبیدار ٹھٹھہ نے شہزادے کی مدد کی۔ بلوچوں نے بہادری کے جوہر دکھائے۔ جن میں دہلی افواج کے نامور افسر کام آئے۔ ان میں لطف علی خان، سورج مل اور بہادر خان قابلِ ذکر ہیں۔ شہزادے نے ایک ہزار بلوچ قتل کئے تب کہیں فتح پائی۔ ۱؎

مُغلیہ دَورِ حکُومت اور بلوچ ریاستیں

اکبر اعظم کے عہد میں صوبہ مُلتان سلطنتِ دہلی کے ماتحت تھا۔ مگر ڈیرہ جات پر قبضہ کرنے کی کوشش نہ کی گئی۔ "انڈیا آف اورنگ زیب" کا فاضل مؤلف ایم سی سرکار ص۲ پر لکھتا ہے کہ راجہ ٹوڈر مل نے عہدِ حاضر کی پالیسی کے مطابق ہندوستان اور خراسان کے درمیان ایک بفر سٹیٹ قائم کر دی تھی جس کی بنا پر کوٹ کروڑ سے دین کوٹ تک علاقہ معمولی حقوق کے بدلے بلوچوں کے حوالے کر دیا تھا۔ اس کے طفیل خراسان اور ہند کے درمیان دو سو سال کے لئے ایک زبردست دیوار کھڑی ہو گئی تھی۔ ۲؎

یہی مؤلف اس کتاب میں خلاصۃ التواریخ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ :۔

"ملتان سے پانچ کوس کے فاصلے پر دریائے چناب سے پرے بلوچوں کا ملک ہے۔ وہاں دو سردار ہیں۔ ایک دودائی جس کے پاس تیس ہزار گھوڑ سوار اور پچاس ہزار پیادہ فوج ہے۔ دوسرا ہوت سردار جس کے ماتحت بیس ہزار سوار اور تیس ہزار پیادہ فوج ہے۔ یہ دونوں سردار سرحدات کی خاطر آپس میں لڑتے رہتے ہیں۔ شہنشاہ کا حلف اٹھانے کے بعد یہ دونوں سردار اپنے اپنے ملک کے سردار رہتے ہیں۔ اُن کے سفیر ملتان میں حاضر رہتے ہیں۔ شہنشاہ کے احکام بجا لاتے ہیں اور صوبائی گورنر کی رہنمائی میں کام کرتے ہیں۔ بلوچوں کی یہ ریاست آبادی اور ہر دو فصلات کی کثرت کے سبب مشہور ہے۔ یہاں دولت کی بڑی فراوانی ہے اور یہ علاقہ ڈاکوؤں اور چوروں سے محفوظ ہے۔ ۳؎

میرانی عہد کا تاریخی جائزہ

بلوچ طبعاً آزاد واقع ہوئے۔ وہ دوسروں کی غلامی کو انتہائی مجبوری کے وقت قبول کرتے ہیں۔ لنگاہ اُن کے مزاج شناس تھے۔ انھوں نے انھیں بُلایا۔ ریاستیں اور جاگیریں عطا کیں لیکن انھیں مطیع و منقاد بنانے کی کوشش نہیں کی۔ وہ جس طرح سندھ میں ان کے حلیف تھے۔ ویسے ہی ملتان میں ان کے دوست رہے۔

۱؎ خلاصۃ التواریخ از سبحان رائے بٹالوی ص۸۷ ، بلوچ قوم اور اسکی تاریخ ص۳۶۶ ۲؎ خلاصۃ التواریخ ص۸۷ ، بلوچ قوم اور اسکی تاریخ ص۳۶۶
۳؎ خلاصۃ التواریخ " " " " " " " " " " " "

جب کبھی بیرونی حملہ آور ملتان کا رُخ کرتے۔ بلوچ اپنی جمیعت کے ساتھ سینہ سپر ہو کر آگے بڑھتے اور دشمن کے دانت کھٹے کر دیتے۔ مگر جب بلوچوں سے وزارتِ عظمیٰ اور فوج کی قیادت لے لی گئی تو لنگاہ انحطاط اور انتشار کا شکار ہو گئے۔ تاہم لنگاہوں کے آخری دَور تک میرانیوں کی ریاست ملتان کی حکومت کو امداد دیتی رہی۔ اس کے بعد شیر شاہ سوری کے زمانے میں بھی یہ ریاست داخلی طور پر آزاد تھی۔ اکبر اعظم نے تو سرکاری طور پر اس ریاست کی خود مختاری کو تسلیم کر لیا تھا۔ ؎

میرانیوں کا مآلِ کار

میرانیوں کا عہدِ حکومت امن اور خوش حالی کا زمانہ تھا۔ ملک نے غیر معمولی ترقی کی۔ انھوں نے کئی نہریں نکالیں۔ شہر آباد کئے۔ نواب حاجی خان نے حاجی پور۔ جہان خان نے جہان پور۔ سنجر خان نے سنجر پور۔ عالم خان نے موضع عالم خان آباد کیا۔ کوٹ اُدّو کا بانی نواب داؤد خان تھا۔ اس شہر کا نام بھی کوٹ داؤد خان رکھا جو مُرورِ زمانہ سے مسخ ہو کر کوٹ اُدّو بن گیا۔ لیّہ کا اصلی نام کمالیہ تھا جسے نواب کمال خان نے آباد کیا۔ نواب مہر خان نے کوٹ مہر خان آباد کیا جو کوٹ مہرے والہ کے نام سے آج بھی مشہور ہے۔ ؎

رائے بہادر ہیتو رام لکھتے ہیں کہ ' نواب غازی خان آخر کے بعد ۱۲۳۰ھ/۱۸۱۵ء تک ڈیرہ غازی خان کی سلطنت طوائف الملوکی کا شکار رہی۔ تقریباً سولہ افراد اس ملک کے حاکم بنے مگر کسی کو ایک برس اور کسی کو بمشکل چھ ماہ کام کرنے کا موقع ملا۔ اکثر مغل پٹھان کابل سے تعینات ہو کر آتے تھے جو اس ملک کے حالات سے بیخبر ہوتے تھے۔ اس لئے ملک تباہ و برباد ہو گیا اور یہ ریاست جو کبھی عروج پر تھی۔ جس کا ذکر اورنگ زیب جیسا شہنشاہ بھی بڑے فخر سے کرتا تھا۔ بنجر اور بیاباں بن کر رہ گئی۔ اور امن مفقود ہو گیا۔ ؎

ڈیرہ کے نواب رعایا پرور اور عادل تھے۔ اُن کی انصاف پروری نے دُور دُور تک تاجروں کو کھینچ کھینچ کر ڈیرہ میں جمع کر لیا تھا۔ چنانچہ شکار پور کے مہاجن خصوصی شہرت کے مالک تھے۔ ڈیرہ کی مسجد جو خان والی مسجد کے نام سے مشہور تھی۔ نواب غازی خان اوّل نے پچاس ہزار روپے کی لاگت سے تیار کرائی تھی۔ یہ مسجد نواب موصوف کی بہترین یادگار تھی۔ محمود خان گُجر نے آخری نواب غازی خان پر نا اہلی کے الزامات لگا کر ریاست چھین لی اور آخری نواب کو قید کر کے حیدر آباد (سندھ) بھیج دیا گیا ؎

۱، ۲، ۳، ۴ بلوچ قوم اور اس کی تاریخ ص۳۵۲، ص۳۶۵، ص۳۷، ص۳۷۲، ص۳۷۲

جسکانی بلوچوں کا عہدِ حکومت

۱۰۵۹ھ/۱۶۴۸ء تا ۱۲۰۳ھ/۱۷۸۹ء

جسکانی بلوچوں کا شجرہ نسب

میر چاکر اعظم

میر .... داد خان

میر رند خان — میر محمد داؤد خان

میر بلوچ خان اوّل

(بانی جسکانی حکومت منکیرہ)

ملائم بیلی — جیک خان — نشار خان — لشکر خان — نورو خان — کندن خان — کوپچ خان — محمد خان — شہانہ خان

جسکانی بلوچ — نشاری خان — لشکرانی بلوچ — نورانی بلوچ — کندانی خان — کپچانی بلوچ — ممدانی بلوچ — شہانی بلوچ

میر سلطان خان

میر لدھو خان

میر محمود خان

میر احمد خان

میر شہباز خان — میر جام خان — میر عالم خان

میر بہادر خان

میر غلام محمد خان

محمد مراد خان — غازی خان — عالم خان

میر لدھو خان

میر قدیر خان — میر بلوچ ثانی

نواب فتح محمد خان

نواب نصرت خان — میر محمد حیات خان — میر محمد خان

آخری نواب بھکر — آخری نواب منکیرہ

۱۱۸۴ھ/۱۷۷۰ء — ماہ رجب ۱۰ تاریخ — ۱۲۰۳ھ/۱۷۸۹ء

نوٹ:۔ یہ شجرہ "بلوچ قوم اور اس کی تاریخ" سے لیا گیا ہے۔

میر بلوچ خان اوّل نواب منکیرہ

بانی جسکانی حکومت

۱۰۵۹ھ / ۱۶۴۸ء تا ۱۰۹۲ھ / ۱۶۸۰ء

شاہجہانی دور میں میر داؤد خان کے نامور بھتیجے میر بلوچ خان اوّل نے غیر معمولی شہرت حاصل کی اور ہر طرف اس کی بہادری کے چرچے ہونے لگے۔ اتفاق سے ۱۰۵۸ھ / ۱۶۴۸ء میں ایرانی لشکر ملتان فتح کرنے کے ارادہ سے دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر آکر خیمہ زن ہوا۔ ادھر سے مغل شہزادے اورنگ زیب نے اپنے لشکر کو مشرقی کنارے پر جما دیا۔ ابھی مقابلے کی نوبت نہ آئی تھی کہ ایرانی سپہ سالار نے کہلا بھیجا کہ ایک ایرانی اور ایک ہندی سردار دریا کے وسط میں آکر جنگ لڑیں۔ اگر مغل سردار غالب آئے تو ایرانی لشکر واپس چلا جائے اور اگر ایرانی سردار کامیاب ہو تو سندھ کے مشرقی ملک پر ہمارا قبضہ تسلیم کر لیا جائے۔ یہ صورت چونکہ خاصی مشکل تھی۔ اس لئے مغل شہزادہ اورنگ زیب سوچ میں پڑ گیا۔ اسی اثنا میں دفعتاً ایک نوجوان نے کھڑے ہو کر کہا۔ "میں ایرانی سردار سے دریا میں جنگ لڑوں گا۔" یہ نوجوان میر بلوچ خان اوّل تھا[1]

مغل شہزادے کا چہرہ خوشی سے جگمگا اٹھا۔ اُس نے بلوچ خان کی اس جرأت و جسارت پر تحسین و آفرین کی اور اسے ایرانی سردار سے جنگ لڑنے کی اجازت دے دی۔ بلوچ خان نے اپنا گھوڑا منگوایا اور اس پر سوار ہو کر دریا کی طرف لے گیا۔ گھوڑا تیر کی طرح دریا کو چیرتا ہوا ایرانی سردار کے قریب پہنچ گیا اور لڑائی شروع ہوگئی۔ ایرانی سردار نے خاص وزنی وار کئے۔ مگر وہ بلوچ خان کا بال بیکا بھی نہ کر سکا۔ جب بلوچ خان نے پوری قوت سے حملہ کیا تو ایرانی سردار بوکھلا گیا اور پسپا ہو کر بھاگ نکلا۔ ایرانی سردار کے بھاگتے ہی مغل لشکر میں فتح و نصرت کے شادیانے بجنے لگے۔ بلوچ خان فاتحانہ انداز میں گھوڑے کو دوڑاتا شہزادے کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سارے لشکر نے بڑھ کر تحسین و آفرین کے ڈونگرے برسائے۔ شہزادے نے لپک کر بلوچ خان کو گلے سے لگا لیا[2]

"بلوچ خاں کارے کردہ زمرداں چنیں کنند بگو چہ مے خواہی"۔

بلوچ خان نے دست بستہ عرض کی کہ کچھ اراضی عطا فرمائی جائے جس میں بال بچّوں کے لئے جھونپڑے بنا سکوں۔ مغل شہزادے نے کہا۔ ایسا کرو کہ اپنی اونٹنی پر سوار ہو جاؤ اور دن بھر میں جس قدر اراضی اپنے قبضہ میں لے سکتے ہو، لے لو۔

یہ سنتے ہی بلوچ خان اپنی اونٹنی پر سوار ہوا اور اس نے شمالاً جنوباً جال والا تا لیہ اور شرقاً غرباً

[1] بلوچ قوم اور اس کی تاریخ ص ۲۵۰
[2] بلوچ قوم اور اس کی تاریخ ص ۲۵۱، تاریخ ملتان حصہ دوم ص ۱۳۰

کھولی تا دریائے سندھ تک ایک وسیع رقبہ کو اپنے قبضے میں لے لیا جو کہ اب ضلع بھکر اور ضلع لیہ پر مشتمل ہے۔

کہتے ہیں جب بلوچ خان موضع کھولی پہنچا تو اس کی اونٹنی گر کر مر گئی۔ چنانچہ یہ مقام لاشں بختی کے نام سے موسوم ہے۔ میر بلوچ خان نے بقیہ ایام اس رقبے میں بڑے سکون و اطمینان سے گزارے اور اس علاقہ میں مضبوط بلوچ سٹیٹ قائم کر کے جسکانی حکومت کی بنیاد رکھی اور منکیرہ کو مستقل طور پر ریاست کا صدر مقام بنایا۔ سال میں کچھ عرصہ منکیرہ اور کچھ عرصہ بھکر اجلاس کرتا تھا۔ یہ دونوں مضبوط قلعے تھے۔ اور دونوں کو مرکزی حیثیت حاصل تھی [1]

میر بلوچ خان اوّل کی اولاد

میر بلوچ خان کے آٹھ صاحبزادے تھے۔ خدا نے اُن کی اولاد میں بڑی برکت بخشی۔ یہاں تک کہ ہر شخص اپنے اپنے قبیلے کا مورث بن گیا۔ میر صاحب کے صاحبزادوں اور اُن سے منسوب قبائل کی تفصیل درج ذیل ہے۔

صاحبزادے اور قبائل

میر جسک خان۔ جسکانی بلوچ۔ میر لشار خان۔ لشاری بلوچ۔ میر لشکر خان۔ لشکرانی بلوچ۔
میر نورا خان۔ نورانی بلوچ۔ میر کندن خان۔ کندانی بلوچ۔ میر کوپچ خان۔ کپچانی بلوچ۔
میر محمد خان۔ ممدانی بلوچ۔ میر شہانہ خان۔ شہانی بلوچ۔ [2]

میر بلوچ خان اور شہزادہ شجاع کی گرفتاری

اورنگ زیب ۷ محرم الحرام ۱۰۶۸ھ/۱۶۵۷ء کو ملتان کے قریب پہنچا اور تیس کوس کے فاصلے پر جہاں راوی اور چناب کا سنگم تھا۔ خیمہ زن ہوا۔ اورنگ زیب بمشکل ملتان میں پانچ روز قیام کر سکا کہ پرچہ نویسوں نے اطلاع دی کہ سلطان شجاع داراشکوہ کی ترغیب و تحریص سے لشکر جرار کے ساتھ دارالخلافہ کی طرف بڑھا چلا آرہا ہے۔

چنانچہ محرم الحرام کو بادشاہ عازم دہلی ہوا۔ اس کے بعد دارا نے ایک فوج جسونت سنگھ اور قاسم خان کی سرکردگی میں شاہ شجاع کی امداد کے لئے اورنگ زیب کے خلاف بھیجی۔ دونوں میں سخت مقابلہ ہوا۔ بہادر گڑھ کے قریب شاہ شجاع نے شکست کھائی اور پنجاب کی طرف بھاگ گیا۔ بھکّر اور لیّہ تک پہنچا۔ اس کے بعد کوئی تاریخی شہادت نہیں ملتی [3]

بعض مقامی روایات کے مطابق شہزادہ شجاع معہ تیس گھوڑ سواروں کے لیّہ میں پہنچا۔ بھوک سے نڈھال تھا۔ ایک سُنار دکاندار کو کھانا میسر کرنے کو کہا۔ سُنار کے کھانا میسر کرنے کے عوض کچھ شاہی مہر کی اشرفیاں انعام میں دیں۔ سُنار کو

[1] بلوچ قوم اور اس کی تاریخ صہ ۲۵۱ [2] بلوچ قوم اور اسکی تاریخ صہ ۳۵۲ [3] تاریخ ملتان حصہ دوم ۱۳۷

شک گزرا تو اس نے اورنگ زیب عالمگیر کو ایک تیز رفتار سوار کے ذریعے مطلع کر دیا۔ جو اس وقت شہزادہ شجاع کے
تعاقب میں پھرتا پھراتا گڑھ مہاراجہ میں خیمہ زن تھا۔ چنانچہ اس نے منکیرہ کے نواب میر بلوچ خان اوّل کو شہزادہ شجاع
کی گرفتاری پر مامور کیا۔ میر بلوچ خان نے شہزادہ کو بحالت خوابیدگی گرفتار کیا اور قلعہ موج گڑھ میں قید کر دیا اور پھر
اورنگ زیب کے کہنے پر اس کی آنکھوں میں سلائی پھیر دی اور عمر قید کی سزا سنائی۔ پھر اسے قلعہ منکیرہ میں لایا گیا
شہزادہ شجاع نے قلعہ منکیرہ میں بصورت نظر بندی گوشہ نشینی اختیار کی اور درویشانہ زندگی گزارنے کے بعد حق حقیقی
سے جا ملا۔ چونکہ درویشانہ زندگی میں نورِ قلب روشن ہوا اس لئے عوام میں پیر نُور قلندر کے نام سے شہرت پائی۔ آپ
کا مقبرہ قلعہ قدیم منکیرہ میں واقع ہے۔

ملائم بی بی حاکم منکیرہ ۱۰۹۲ھ ۱۶۸۰ء تا ۱۱۱۲ھ ۱۷۰۰ء

میر بلوچ خان اوّل کی اکلوتی بیٹی ملائم بی بی تھی جو سب بھائیوں سے بڑی تھی۔ باپ کی موجودگی میں وہ
گھر کی مالک و مختیار تھیں۔ میر صاحب اس کے مشوروں کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔ بھائیوں کی اس بی بی نے مثل
اولاد پرورش کی تھی۔ جب میر بلوچ خان کا انتقال ہُوا تو سب بھائیوں نے یہی فیصلہ کیا کہ چونکہ ملائم بی بی ہم
سب بھائیوں کی مخدُومہ ہے اس لئے ریاست کا انتظام اس کے سپُرد کیا جائے۔ چنانچہ ملائم بی بی کا شوہر عبداللہ خان
کی جو کوٹ عبداللہ خان (موجودہ دُلّے والا) کا قلعہ دار تھا، کی دستار بندی کی گئی۔ جب تک ملائم بی بی زندہ رہی۔
میر عبداللہ خان حکومت کرتا رہا۔ ملائم بی بی اندرون قلعہ منکیرہ دفن ہے [1]

نواب جسک خان منکیرہ

۱۱۱۲ھ ۱۷۰۰ء تا ۱۱۲۵ھ ۱۷۱۳ء

نواب جسک خان اورنگ زیب عالمگیر کے آخری دنوں تک ریاست منکیرہ کا حکمران رہا۔ اس نے تیرہ
سال تک حکمرانی کی۔ ملائم بی بی کے انتقال پر بھائیوں نے میر جسک خان کو منکیرہ کی مرکزی حکومت پر مسند نشین
کیا۔ یہ بہادر اور اولوالعزم انسان تھا۔ اس نے اپنی ریاست کو وسعت دینے میں بڑی کوشش کی۔
کہتے ہیں کہ اس نے مسند نشین ہوتے ہی اپنی مختصر سی فوج سے کروڑ لعل عیسن صاحب کا رُخ کیا اور جاتے
ہی اس عظیم شہر کا محاصرہ کر لیا اور ابھی مقابلے کی نوبت بھی نہیں آئی تھی کہ نواب جسک خان کو پیغام اجل آ پہنچا اور
لشکر بے نیل و مرام واپس لوٹ آیا۔

[1] بلوچ قوم اور اسکی تاریخ ص ۳۵۲ نور احمد خان آفریدی

نواب جسک خان کی وفات کا واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ نواب ایک دن علی الصبح اپنے بالوں کو کنگھی کر رہا تھا۔ سر کے تمام بال آنکھوں پر پڑے ہوئے تھے کہ دفعتہً ایک بینڈھا جو لڑائی دیکھنے کے لئے پرورش کیا ہوا تھا۔ رسی تڑوا کر نواب پر حملہ آور ہوا اور ایک دو ٹکریں ایسی لگائیں کہ مغز باہر نکل آیا اور نواب اسی وقت ٹھنڈا ہو گیا۔[۱]

یہی نواب جسک خان تھا جس کی اولاد جسکانی خاندان سے موسوم ہوئی اور کافی عرصہ تک منکیرہ سٹیٹ پر حکمران رہی۔ ۱۲۰۳ھ / ۱۷۸۹ء میں اس خاندان کے آخری تاجدار محمد خان جسکانی کے زوال کے بعد جسکانی حکومت کا خاتمہ ہوا۔

نواب سلطان خان جسکانی

۱۱۲۵ھ / ۱۷۱۳ء تا ۱۱۳۶ھ / ۱۷۲۴ء

میر جسک خان کے بعد اس کے فرزند ارجمند نواب سلطان خان جسکانی کی دستار بندی ہوئی۔ نواب سلطان خان انتہائی عقل مند، مدبر اور صلح جو انسان تھا۔ ریاست کی فلاح و بہبود کے لئے اپنی تمام زندگی وقف کر دی۔ ریاست کا انتظام احسن طریق پر سرانجام دیا۔ رعایا خوش حال تھی۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے نواب لدھو خان۔ نواب محمود خان۔ نواب احمد خان اور نواب شہباز خان اس ریاست پر حکمران رہے۔ ان کے دور کا کوئی خاص واقعہ قابلِ ذکر نہیں ہے۔[۲]

نواب لدھو خان جسکانی

۱۱۳۶ھ / ۱۷۲۴ء تا ۱۱۴۲ھ / ۱۷۳۰ء

آپ میر سلطان خان کے بڑے صاحبزادے تھے۔ باپ کی وفات کے بعد والیٔ ریاست بنے۔ ان دنوں ریاست جھنگ پر سلطان محمود خان سیال کی حکومت تھی جن کی کمالیہ کے نواب سعادت خان کھرل سے دشمنی تھی۔ لیکن منکیرہ کا نواب سلطان خان اور اس کا بیٹا نواب لدھو خان اس کا دوست تھا۔ نواب صاحب نے عرصہ چھ سال تک حکومت کی۔ آپ نے اپنی ریاست کا الحاق ریاست ڈیرہ اسماعیل خان سے کیا۔ اس کے عہد میں ریاست منکیرہ میں امن و امان رہا۔ ۱۱۴۲ھ / ۱۷۳۰ء میں بیمار رہ کر عالمِ فانی سے عالمِ بقا کو چل دیا۔[۳]

۱۔ بلوچ قوم اور اس کی تاریخ صفحہ ۳۵۲   ۱، ۲۔ بلوچ قوم اور اس کی تاریخ صفحہ ۳۵۲

نواب محمود خان جسکانی

۱۱۴۲ھ / ۱۷۳۰ء تا ۱۱۵۲ھ / ۱۷۳۹ء

نواب لدھو خان جسکانی نواب منکیرہ کی وفات کے بعد اس کا لڑکا نواب محمود خان مسند نشین ہوا۔ اس کا دورِ حکومت امن و امان کا دور تھا۔ کوئی سیاسی تبدیلی رُونما نہ ہوئی۔ جھنگ کے نواب لعل خان سیال سے اس کے تعلقات دوستانہ تھے۔ ریاست کی فلاح و بہبود کی طرف توجہ دی۔ نئے قلعے تعمیر کرائے۔ ڈیرہ اسماعیل خان کے ہوت بلوچوں سے بھی دوستی تھی۔

نواب احمد خان جسکانی

۱۱۵۲ھ / ۱۷۳۹ء تا ۱۱۶۰ھ / ۱۷۴۷ء

باپ کی وفات کے بعد نواب احمد خان جسکانی ریاست منکیرہ کا حکمران بنا۔ آپ کے عہدِ حکومت میں نادر شاہ افشان نے ایران سے آکر ۱۲ جمادی الاول ۱۱۵۲ھ / ۱۷ اگست ۱۷۳۹ء میں تباہی مچائی۔ منکیرہ اور جھنگ کی ریاستیں بھی تباہی و بربادی سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ سندھ اور ملتان کو تباہ و برباد کرتا ہوا دہلی پہنچا۔ بعض سپاہیوں کی بے اعتدالی سے شہر دہلی میں غدر برپا ہو گیا جس پر سات روز تک شہر میں قتلِ عام ہوتا رہا۔ انجام کار نادر شاہ پندرہ کروڑ روپیہ نقد۔ کوہِ نور ہیرا۔ اور شاہجہان کا بنایا ہوا تختِ طاؤس لے کر ایران کو واپس ہوا۔

اُس دور میں ایران اور ہندوستان کی سرحد دریائے سندھ قرار پائی۔ گویا دریائے سندھ کا غربی حصہ مملکت ہند سے منقطع ہو گیا[1]

ولی داد خان سیال کا اموانی منکیرہ پر حملہ

مغلیہ سلطنت کے انتشار اور کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر ولی داد خان سیال نے اپنی فوجی قوت بڑھائی اور توسیعِ ریاست کے خواب دیکھنے لگا۔ اس نے ریاست کی حدود کمالیہ۔ ساہی وال۔ جڑانوالہ۔ شاہ پور۔ لیہ۔ پنڈی بھٹیاں۔ حیدر آباد۔ منکیرہ۔ دنگ پور اور قتال پور تک وسیع کرلی تھی۔ ولی داد خان سیال جھنگ کا پہلا حکمران تھا جس نے اپنی مُسلح افواج دس ہزار نفوس پر مشتمل تیار کی[2]

نواب شہباز خان جسکانی

۱۱۶۰ھ / ۱۷۴۷ء تا ۱۱۷۰ھ / ۱۷۵۸ء

نواب احمد خان جسکانی کا لائق بیٹا تھا۔ آپ کے دورِ حکومت کو مصائب و آلام کے دور سے یاد کیا جاتا ہے

[1] تاریخ ملتان حصہ دوم صفحہ ۲۲۲ [2] تاریخ [illegible]

پہلے تو اسے جھنگ کے حکمران ولی داد خان سیال کی توسیع پسندی کا سامنا کرنا پڑا۔ پھر ہوت خان بلوچ حاکم ڈیرہ اسماعیل خان نے اسے تباہی و بربادی سے دوچار کیا۔ بعد ازاں نواب غازی خان آخر نے کاری ضرب لگائی نیز اسی نواب کے عہد حکومت میں احمد شاہ ابدالی نے ۱۱۶۲ھ/۱۷۵۱ء میں ہندوستان پر کامیاب حملہ کیا اور ریاست منکیرہ کو اپنے زیر تسلط لایا ۔ؔ۱

ولی داد خان سیال کا حملہ ماڑی

اُن دنوں ماڑی کی ریاست حکومت منکیرہ کے زیر اثر تھی۔ ہوت خان بلوچ جو ریاست ڈیرہ اسماعیل خان کا حاکم تھا۔ علاقہ تھل منکیرہ کی کمزور جسکانی حکومت پر حملہ کر کے تھل کا وسیع علاقہ ماڑی شاہ صفیرہ تک اپنے قبضہ میں لے لیا۔ اُن دنوں ساہیوال ضلع سرگودھا میں بلوچوں کی سرداری تھی اور ریاست ماڑی شاہ صفیرہ پر کھوکھروں کا قبضہ تھا۔ ہوت خان بلوچ کھوکھروں کی آئے دن کی بغاوتوں سے پریشان رہتا تھا۔ جنگ کی نیت سے دریائے جہلم پار کر کے ماڑی آیا اور یہاں کھوکھروں کو شکست دے کر تمام علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ ولی داد خان سیال نے کھوکھروں اور بلوچوں کی سرکوبی کے لئے اپنی فوج روانہ کی۔ چنانچہ سیالوں کی فوج موضع بھون اور نڈھا گھر کے قریب دست و گریباں ہوئی۔ اس جنگ میں بلوچ حاکم ہوت خان اور کھوکھر سردار بابلک خان گرفتار ہوئے۔ یہ تمام علاقہ ریاست جھنگ میں شامل کر لیا گیا۔ مذکورہ دونوں سردار قید خانہ میں ہی فوت ہوئے۔ ان کو کسی بھی شرط پر رہا نہ کیا گیا ۔ؔ۲

ولی داد سیال کا دوسرا حملہ ماڑی

نواب ولی داد خان سیال کے عہد میں صرف ماڑی کا علاقہ ایسا تھا۔ جہاں ہوت خان بلوچ حاکم ڈیرہ اسمٰعیل خان کے لڑکے نصرت خان کی حکومت تھی اور کھوکھر اس کے ہم نوا تھے۔ ولی داد خان کو یہ بات شدت سے کھٹکتی تھی کہ ملتان سے شاہ پور تک اور کالیہ سے کچھی تک اس کی وسیع ریاست میں یہ چھوٹا سا قصبہ غیروں کی قبضہ میں رہے اور یہاں اس کے مخالفین جمع ہو کر شرارتیں کرتے رہیں۔

چنانچہ ولی داد خان سیال نے ۱۱۷۵ھ/۱۷۶۱ء میں شاہ جیونہ کی اولاد میں سے ایک شخص سید عبدالرحمٰن کو اس مقصد کے لئے ڈیرہ اسمٰعیل خان بھیجا۔ بلوچ حاکم ہیبت خان نے ان سے کہا کہ ولی داد خان سیال نے ہمارے ساتھ زیادتی کی ہے اور بھائی ہوت خان کو قید میں ڈال کر مار دیا ہے اور ہماری ریاست چھین لی ہے۔ اب وہ ماڑی کا علاقہ لینا چاہتا ہے۔ ہم یہ علاقہ کسی قیمت پر نہ دیں گے بلکہ بلوچ انتقام کے طور پر ریاست جھنگ پر قبضہ کرنے کی تیاریاں

ؔ۱ بلوچ قوم اور اس کی تاریخ صفحہ ۲۵۳ ؔ۲ تاریخ جھنگ۔ بلال زبیری صفحہ ۱۹۰

کر رہے ہیں۔ سید عبدالرحمٰن نے واپس آکر والی داد خان کو حالات سے آگاہ کیا چنانچہ اس نے ماڑی پر قبضہ کرنے کا خواہ تیاری کا حکم دیا۔ والی داد خان نے ماڑی پر حملہ کر کے اُسے فتح کر لیا اور نصرت خان بلوچ کو قید کر کے جھنگ بھجوا دیا۔
اس طرح جھنگ کی وجہ سے ریاست میں ماڑی کا علاقہ شامل ہو گیا [۱]

میر بلوچ خان ثانی نواب منکیرہ

۱۱۷۱ھ / ۱۷۵۷ء تا ۱۱۸۲ھ / ۱۷۶۸ء

میر بلوچ خان ثانی نواب شہباز خان کا بھتیجا اور نواب لدھو خان کا بلند اقبال صاحبزادہ تھا۔ ۱۱۷۱ھ / ۱۷۵۷ء میں مسند نشین ہوا۔ تخت پر بیٹھتے ہی اس نے ایک دفعہ سردار محمد داؤد خان کی یاد تازہ کر دی۔ باغیوں کی سرکوبی کر کے ہتھیائے ہوئے علاقے واپس اپنی ریاست میں شامل کر لئے۔ آپ کے عہدِ حکومت میں احمد شاہ ابدالی نے دوسرا حملہ ۱۱۶۸ھ / ۱۷۵۷ء میں کر کے عظیم ریاست منکیرہ کا الحاق مملکت افغانستان سے کیا اور ان ریاستوں کے والی حکومت افغانستان مقرر کرنے لگی [۲]

برخوردار خان گوجر کا ریاست منکیرہ پر حملہ

حُسنِ اتفاق اس زمانے میں برخوردار خان گوجر اپنے چچا عبداللہ خان گوجر کی وفات کے بعد ریاست ڈیرہ غازی خان کا صوبیدار بنا۔ برخوردار خان بھی بڑا نیک اور رعایا پرور بادشاہ تھا لیکن اس کو آرام سے حکومت کرنا نصیب نہ ہوئی۔ چنانچہ اس کے عہدِ حکومت میں قوم بلوچ جو محمود خان گوجر کے وقت سے دشمنی چلی آتی تھی۔ علاقہ روالسے نکل کر اس کے ملک میں لوٹ مار مچادی۔ برخوردار خان گوجر اس کی تنبیہ کے لئے اپنا لشکر لے کر آگے بڑھا تو اس قوم کے ساتھ سخت لڑائی ہوئی۔ آخر کافی خوں ریز لڑائی کے بعد گوجر بادشاہ کو شکست ہو گئی اور اس لڑائی میں لڑتا ہوا ۱۱۸۱ھ / ۱۷۶۹ء میں مارا گیا۔ برخوردار خان گوجر کے مارے جانے کے بعد یہ ملک لاوارث ہو کر رہ گیا۔ میر بلوچ خان ثانی نے موقعہ غنیمت جان کر لیہ سے محمود کوٹ تک کا علاقہ اپنی حکومت میں شامل کر لیا [۳]

سردار جھنڈا سنگھ اور گنڈا سنگھ کا ریاست بھکر پر حملہ

گوجر قوم کے حملہ کو ایک سال بھی نہ ہونے پایا تھا کہ کلور کوٹ کی طرف سے گڑھ مہاراجہ کے سکھ سردار جھنڈا سنگھ اور گنڈا سنگھ اس ریاست پر ۱۱۸۲ھ / ۱۷۶۸ء میں حملہ آور ہوئے۔ بلوچ خان نابینا ہونے کے باوجود مقابلے پر نکلا

---

[۱]، [۲] تاریخ جھنگ صفحہ ۱۹۳ [۳] تاریخ گجراں از حافظ عبدالحئی صفحہ ۳۴۶، تاریخ ڈیرہ اسماعیل خان از رائے بہادر منشی جوکجیت سنگھ صفحہ ۱۸۲

خوب داد مردانگی حاصل کی مگر چونکہ سکھوں کی طاقت کئی گنا زیادہ تھی اس لئے شکست کھائی۔ یہ لڑائی بمقام بھکر ہوئی تھی۔ کچھ عرصہ میر بلوچ خان نے ناکامی و حسرت میں گزارا۔ آخر کار ۱۱۸۳ھ/۱۷۶۸ء میں دارِ فناسے عالمِ بقا کو رخصت ہوگیا۔

بلوچ خان ثانی کا کردار اور انتظامِ سلطنت

یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ میر صاحب پیدائشی نابینا تھے یا مسند نشین ہونے کے بعد نورِ بصارت سے محروم ہوئے تھے۔ مگر ان کے نابینا ہونے میں کلام نہیں۔ اس کے باوجود سب تسلیم کرتے ہیں کہ اس نے ریاست کا انتظام بڑا اچھا کیا تھا۔ مورخین کا کہنا ہے۔ اگر میر بلوچ خان ثانی نابینا نہ ہوتا تو سکھوں کو اس ملک پر حملہ کرنے کی جرأت ہی نہ ہوتی۔ گویا بصارت سے محرومی میر بلوچ خان کی بڑی کمزوری تھی جس نے شکست کھانے کے بعد پھر اُسے ابھرنے کا موقع نہ دیا۔[۲]

بھکر میں کھجوروں کے دو درخت ہیں جو جھنڈا سنگھ اور گنڈا سنگھ کے نام سے موسوم ہیں۔ اس لئے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ان دونوں سرداروں نے بھکر کرنے کے بعد کافی عرصہ اس شہر میں گزارا ہوگا۔

نواب فتح محمد خان جسکانی منکیرہ

۱۱۸۲ھ/۱۷۶۸ء تا ۱۱۸۴ھ/۱۷۷۰ء

نواب فتح محمد خان جسکانی کو ڈسٹرکٹ گزیٹئر ڈیرہ اسماعیل خان میں نواب بلوچ خان کا بیٹا ظاہر کیا گیا۔ لیکن شجرات سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب بلوچ خان ثانی لاولد تھے اور نواب فتح محمد خان اس کے بڑے بھائی قدیر خان کا لڑکا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ نواب بلوچ خان نے بے اولاد ہونے کے سبب فتح خان کو متبنّٰی بنالیا ہو۔ بہر حال فتح محمد خان ہر لحاظ سے نواب مرحوم کا وارث اور ریاست کا صحیح حق دار تھا۔ مگر سردار غلام محمد خان کا بیٹا سردار محمد مراد خان مدعیِ ریاست بن کر مقابلے میں نکل آیا۔ لیکن فتح محمد خان امیر تیمور شاہ درانی والیِ افغانستان کی مدد سے کامیاب ہوگیا اور اطمینان سے اُمورِ سلطنت انجام دینے لگا۔[۳]

جام نصرت خان ہوت کا بھکر پر حملہ

اُن دنوں ڈیرہ اسماعیل خان کے ہوت فرماں روا جام نصرت خان ہوت کو گنڈہ پوروں نے تنگ کر رکھا

۱۔ بلوچ قوم اور اس کی تاریخ ص۳۵۲، نواب مظفر خان شہید ص۵۲ از عمر کمال خان ایڈووکیٹ ۲۔ بلوچ قوم اور اسکی تاریخ ص۳۵۲، تاریخ گوجراں از عبدالحق سیالکوٹی ص۳۴۸۔
۳۔ بلوچ قوم اور اسکی تاریخ ص۳۵۳

تھا اور اس کی حکومت صرف ڈیرہ اسماعیل خان تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ اس نے نواب فتح محمد خان کو مجبور کر
اچانک قلعہ بھکر پر قبضہ کر لیا۔ یہ شہر جسکانی ریاست کی حدود میں تھا اور سردار فتح محمد خان طریان سرملک مکھیو
کا ولی عہد نصرت خان جسکانی اس کا حاکم تھا۔ اگرچہ اس کی فوج ہوت فوج سے بہت تھوڑی سی تھی۔ مگر شیر کی طرح گرج کر
کچھار سے نکلا اور بڑی بہادری سے لڑتا ہوا گرفتار ہو گیا۔ میر نصرت خان ہوت بھکر کو فتح کرنے کے بعد
میر نصرت خان جسکانی کو گرفتار کر کے فتح و نصرت کے شادیانے بجاتا واپس لوٹ گیا۔ [1]
جب یہ وحشت ناک خبر نواب فتح محمد خان منکیرہ کو ملی تو اس نے بیٹے کی رہائی کے لئے ڈیرہ پر حملہ کرنے کا
ارادہ کیا۔ چونکہ اس کی فوج تھوڑی سی تھی اس لئے اس نے اپنے وزیر حسن خان لشکرانی کے مشورے سے فیصلہ کیا کہ پہلے فوج اکٹھا
کر مقابلے کی طرح تیاری کرے مگر ماں کی ممتا اس التوا کو کب برداشت کر سکتی تھی۔ وہ شدت غم سے بے تاب ہو کر خود
ڈیرہ اسماعیل خان کو روانہ ہو گئی۔

چونکہ بلوچوں کا شروع ہی سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ وہ بلوچ خواتین کی معروضات کو نظر انداز نہیں کرتے تھے
بالعموم ملزموں کی رہائی کے سلسلے میں بلوچ بیبیوں کی درخواست بڑی موثر ثابت ہوتی تھی۔ نواب فتح محمد خان کی بیگم کو بڑی
امید تھی کہ نواب نصرت خان ہوت اس کی درخواست کو رد نہیں کرے گا بلکہ دیکھتے ہی اس کا لعل لوٹا دے گا۔
چنانچہ اسی قسم کی کئی امیدیں نواب نصرت خان ہوت سے وابستہ کئے دارالحکومت جا پہنچی لیکن نتیجہ اس برعکس نکلا۔ وہ
اس بی بی کو بھی قید کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ سردار فتح محمد خان کی اہلیہ نے جب دربار کا یہ رنگ دیکھا تو وہ کسی بہانے ہام
کمک آئی اور رات کو زہر کھا کر مر گئی۔ [2]

صبح کو نواب نصرت خان ہوت نے جب یہ واقعہ سنا تو وہ دم بخود رہ گیا اور اس نے اسی وقت نصرت خان
جسکانی حاکم بھکر کو رہا کر دیا۔ جب اُسے والدہ کی خودکشی کی خبر ہوئی تو اس نے شرم کے مارے زہر کھا لی۔ اس حادثے
سے سارے شہر میں نواب کے خلاف غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ بیوی اور بیٹے کی لاشیں جب منکیرہ پہنچیں تو وہاں الگ کہرام
برپا ہو گیا۔ نواب فتح محمد خان نے بڑے صبر و سکون سے ان دونوں لاشوں کو ٹھکانے لگایا۔ اعزہ و اقارب سے کہا سنا معاف
کرا کر رات کو پلنگ پر ایسا سویا کہ پھر نہ اٹھا۔ یہ واقعہ ایسا نہ تھا کہ لوگ سنتے اور چپ رہ جاتے۔ منکیرہ کے چھوٹے
بڑے سب پر جوش سے دیوانگی سی طاری ہو گئی اور شہر کے در و دیوار سے انتقام کی صدا سنائی دینے لگی۔ میر حسن خان
لشکرانی جو نواب کا وزیر تھا۔ اس نے انتقام کی قسم کھالی اور اپنے ایک قریبی رشتہ دار سردار جہان خان کو تحفے تحائف
اور نذرانے دے کر ایک عرضداشت کے ہمراہ کابل روانہ کیا۔ وہاں سے نواب قمر الدین کے نام پروانہ آیا کہ نواب

---

۱ و ۲ بلوچ قوم اور اس کی تاریخ ص۳۵۳، ص۳۵۴۔

نصرت خان ہوت کو گرفتار کر کے کابل بھیج دو۔ چنانچہ ریاست ڈیرہ اسماعیل خان کا آخری فرماں روا انتہائی ذلت کے ساتھ گرفتار کر کے کابل بھیج دیا گیا۔ ۱؎

نواب میر حسن خان لشکرانی منکیرہ

۱۱۸۶ھ / ۱۷۷۰ء تا ۱۱۹۳ھ / ۱۷۷۹ء

نواب فتح محمد خان جسکانی کے صاحبزادے محمد حیات خان جسکانی اور محمد خان جسکانی صغیر سن تھے۔ اس لئے میر حسن خان لشکرانی نے سردار محمد حیات خان کی دستار بندی کر کے اس کی طرف سے قائم مقام ہو کر حکومت کرنے لگا۔ کچھ عرصہ تو اس نے اچھا کام کیا لیکن آخر میں ریاست کی ہوس اس کے دل میں سما گئی اور خود نوابی کے خواب دیکھنے لگا۔ محمد حیات خان اب جوان ہو چکا تھا۔ مگر اس کو میر حسن خان نے نظر بندوں کی طرح حراست میں لے لیا۔ اور حکم دیا کہ اس کی اجازت کے بغیر اُسے کہیں آنے جانے نہ دیا گیا۔ ۲؎

محمد حیات نے جب دیکھا کہ میر حسن خان لشکرانی مستقل طور پر اس کی راہ میں حائل ہو چکا ہے تو اس نے اپنے آپ کو دیوانہ بنا لیا تاکہ میر حسن خان کو اس سے تسلی ہو جائے اور در پردہ اہل برادری کو اس سے توڑ کر ساتھ ملانا شروع کیا اور یہ بات کچھ مشکل بھی نہ تھی کیونکہ یہ فتح محمد خان کا لڑکا اور ریاست کا حقدار تھا اور میر حسن خان کو ریاست پر قبضہ کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا تھا۔ جب محمد حیات خان نے اپنے حامیوں کی حمایت تیار کر لی تو ایک روز اس نے میر حسن خان سے کروڑ جانے کی اجازت لی اور ظاہر کیا کہ وہ حضرت مخدوم لعل عیسن صاحب علیہ الرحمۃ کی زیارت کرنے جاتا ہے لیکن بھکر سے بجائے کروڑ جانے کے منکیرہ جا پہنچا اور مع ساتھیوں کے قلعہ منکیرہ کے متصل جنگل میں دبک کر بیٹھ گیا۔ علی الصبح جونہی قلعہ کا دروازہ کھلا حملہ کر کے قلعہ پر قابض ہو گیا۔ اس خبر کے مشہور ہوتے ہی اس کے باپ کے بہت سے نمک حلال ملازم اُس سے آملے۔ ادھر میر حسن خان کو معلوم ہوا تو وہ فوج لے کر مقابلے کو نکلا۔ قصبہ نوتک کے جنوب میں دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے۔ زبردست جنگ ہوئی انجام کار میر حسن خان کو شکست ہوئی اور وہ زندہ گرفتار کر لیا گیا۔ ۳؎

محمد حیات خان کے خیر خواہوں نے عرض کی کہ حضور اس کو قتل کر کے بے غلش حکومت کریں مگر محمد حیات خان نے از راہِ دُور اندیشی قتل میں بدنامی دیکھ کر اسے قلعہ بھکر میں قید کر دیا۔ جب کچھ عرصہ گزر گیا تو ایک دن محمد حیات خان حضرت محمد راجن شاہ کی زیارت کے قصد سے روانہ ہوا اور پیچھے چند ملازمین کو سمجھا گیا کہ اسے زہر دے کر ختم کر دیا

۱؎، ۲؎ بلوچ قوم اور اس کی تاریخ ص ۳۵۵ ۔ ۳؎ بلوچ قوم اور اس کی تاریخ ص ۳۵۶

جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ محمد حیات خان محمد راجن شاہ میں بیٹھا پل پل کی خبریں منگوا رہا تھا مگر جونہی اس واقعہ
کی اطلاع ملی۔ تو ظاہراً ایسی غمناک صورت بنا کر بھکر کو روانہ ہوا۔ گویا یہ حادثہ اس کے حکم سے نہیں ہوا۔ بھکر پہنچتے
ہی محمد حیات خان نے حسن خان کے قاتلوں کو قید کر دیا اور چند دنوں کے بعد جونہی بلوچوں کا دلی جوش ٹھنڈا ہوا تو
ان لوگوں کو رہا کر دیا گیا [1]

نواب محمد حیات خان جسکانی منکیرہ

۱۱۹۳ھ / ۱۷۷۹ء تا ۱۲۰۱ھ / ۱۷۸۷ء

نواب محمد حیات خان اگرچہ نوجوان آدمی تھا مگر بہت سمجھدار ثابت ہوا اور بخت کی یاوری سے
علی خان گشکوری وزیر بھی ایسا ملا جو دل و جان سے اس کا خیر خواہ تھا۔ اس کی دانائی اور عقلمندی کے کئی قصے
زبان زدِ خواص و عوام تھے۔ محمد حیات خان کو حکومت کرتے ابھی چند سال ہوئے تھے کہ ایک ایسا واقعہ ظہور
میں آیا جس نے محمد حیات خان کی شمع حیات ہی گُل کر دی۔

اہم واقعہ :- بات یہ ہوئی کہ سیّد زلف علی شاہ المعروف سید پیر گل محمد شاہ نامی ایک بزرگ
نے جو سادات نبیرہ بخاری سید علیٰ عبد الوہاب علیہ الرحمۃ بلوٹی سے تھے۔ ریاست اموانی (حیدر آباد تھل) سے
ترکِ سکونت کر کے قصبہ روڈو سلطان کے جنگل میں آ کر رہائش پذیر ہوئے۔ آپ چونکہ بلوچوں کے قبیلے جسکانی اور
رند وغیرہ کے مرشد تھے۔ اس لئے ان کا حلقۂ اثر وسیع تھا۔ آپ اپنے عہد کے ولی اللہ تھے۔ ان کی شہرت کا چرچا ہوا۔
عنایت اللہ خان سیال بھی شوقِ ملاقات کے لئے ان سے ملا اور بیعت ہو گیا۔ عنایت اللہ خان سیال کی عقیدت
مندی کا یہ عالم ہوا کہ اس نے ستی بھٹہ سے ملحقہ وسیع علاقہ ان کو جاگیر میں دے دیا۔ رہائش کے لئے سرکاری خرچ
پر ایک وسیع اور خوبصورت قلعہ نما محل تعمیر کر کے دیا جس کا نام 'نور محل' رکھا [2]
سید گل محمد شاہ نے اس علاقہ میں اپنی حکومت کا اعلان کر دیا اور عنایت اللہ خان سیال نے اس علاقہ میں
ذیلی ریاست کا درجہ دے دیا۔ جب یہ خبر شاہِ کابل تیمور شاہ درّانی کو ملی تو اُس نے نواب محمد حیات خان کے
نام حکم بھیجا کہ سیّد گل محمد شاہ بخاری کو قید کر کے کابل بھیج دو [3]

قلعہ اُچ گل امام پر محمد حیات خان کا حملہ

نواب محمد حیات خان نے شہنشاہی حکم کے مطابق سید گل محمد شاہ حاکمِ قلعہ اُچ گل امام پر چڑھائی کر دی

۱ے بلوچ قوم اور اس کی تاریخ ص ۳۵۶ ۔ ۲، ۳ے بحوالہ تاریخ جھنگ بلال زبیری ص ۲۱۵

وہ بھی اپنے مُریدوں کو جمع کر کے مقابلے پر نکل آئے۔ نواب محمد حیات خان کی فوج میں بہت سے سپاہی ایسے تھے جو حضرت گل محمد شاہ کے مرید تھے۔ لڑائی شروع نہیں ہوئی تھی کہ یہ لوگ فقیر گل محمد شاہ کے لشکر سے مل گئے۔ یہ حال دیکھ کر نواب محمد حیات خان بلا مقابلہ بھکر کو واپس چلا آیا اور دوبارہ لڑائی کا سامان تیار کرنے لگا۔

گولہ خان سرگانی نے جو نواب محمد حیات خان کی فوج میں نامی گرامی سردار تھا۔ وہ فقیر صاحب کا مخلص مُرید تھا۔ اُس نے جب دوبارہ نواب محمد حیات خان کو شاہ صاحب سے جنگ کرنے کی تیاریوں میں مصروف پایا۔ اس نے ارادہ کیا کہ محمد حیات خان کو قتل کر دے۔ اس لئے ایک دن اس نے محمد حیات خان پر جبکہ وہ اپنے دارالحکومت منکیرہ کو جا رہا تھا۔ حملہ کرنے کی کوشش کی مگر یہ وار کارگر ثابت نہ ہوا اور محمد حیات خان صحیح سلامت منکیرہ پہنچ گیا۔ نواب کے ایک خدمت گار بکھی نے جس پر سرگانیوں کی بدنیتی کا راز فاش ہو چکا تھا اپنے آقا کو ان کے ارادۂ فاسد سے آگاہ کیا مگر چونکہ اس کی اجل آ پہنچی تھی۔ اس لئے کچھ تدارک نہ کر سکا۔ ایک روز ۱۲۰۳ھ/۱۷۸۷ء میں نواب اپنے محل میں پڑا بے خبر سو رہا تھا کہ گولہ خان سرگانی نے اپنے چند ہمراہیوں کے ساتھ داخل ہو کر اسے قتل کر دیا اور قلعہ منکیرہ پر قابض ہو گیا [1]

قلعہ حیدر آباد پر عنایت اللہ سیال کا حملہ

۱۲۰۳ھ/۱۷۸۷ء میں عنایت اللہ خان سیال نے ذیلی ریاست حیدر آباد تھل پر حملہ کیا۔ ان دنوں اس ریاست پر نورنگ خان بلوچ قابض تھا۔ یہ ریاست محمد حیات خان حاکم بھکر منکیرہ کے زیرِ اثر تھی۔ اس کی حدود عنایت اللہ خان سیال کی ریاست علاقہ کچھی سے ملحق تھی۔ نورنگ خان بلوچ فقیر گل محمد شاہ کا مُرید تھا۔ جب وہ فوت ہوا تو اس کی میت قصبہ روڈو سلطان میں دفن کر دی گئی۔ کیونکہ یہ تمام علاقہ ریاست حیدر آباد میں شامل تھا اور بلوچ اس میں بکثرت آباد تھے۔ نورنگ خان کے تین لڑکے نور خان، سارنگ خان اور خوشحال خان زندہ تھے۔ نور خان اور سارنگ خان نے ریاست کا انتظام سنبھال لیا اور تیسرے بھائی خوشحال خان کو محروم کر کے ریاست بدر کر دیا گیا۔ خوشحال خان اپنے پیر و مرشد نوبہار شاہ بخاری اُچ بہاول پور کی خدمت میں حاضر ہوا اور گھریلو حالات بیان کر کے امداد چاہی [2]

چنانچہ پیر صاحب نے عنایت اللہ خان سیال کو لکھا کہ خوشحال کی فوجی مدد کی جائے۔

عنایت اللہ خان سیال نے مرشد کا خط پڑھا اور خوشحال خان سے کہا کہ ایک ہفتے کے اندر امرانی (حیدر آباد)

---

[1] بلوچ قوم اور اسکی تاریخ ص۳۵۷ [2] تاریخ جھنگ بلال زبیری ص۲۱۲

کی ریاست تمہارے قبضہ میں ہوگی۔ عنایت اللہ خان نے تیاری کا حکم دے دیا اور کثیر فوج لے کر امرانی کے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ بلوچوں نے حملے کی خبر ملتے ہی آس پاس کے تمام کنوئیں ریت سے بھر دیئے تاکہ سیالوں کی فوج کو پانی نہ مل سکے۔ گرمی کا موسم تھا۔ پانی کی قلت کے پیش نظر گھوڑوں۔ اونٹوں اور گدھوں کو علاقہ کچھی سے پانی بھر لانے پر مامور کیا جو فوج کی کسی حد تک ضرورت پوری کرتے۔ ساتھ ہی سیالوں نے قلعہ کے چاروں طرف نئے کنوئیں کھود لئے اور ایک ماہ کے اندر پانی وافر ملنے لگا۔ نورنگ خان اور سارنگ خان نے جب پانی کی فراہمی کا یہ بندوبست دیکھا اور فوجی قوت دیکھی تو بددل ہوگئے اور اپنے بال بچے اندھیری رات میں نکال کر قلعے سے جنگل کی طرف بھاگ گئے۔ عنایت اللہ خان نے قلعہ امرانی حیدرآباد تھل پر قبضہ کر لیا اور خوشحال خان کو حاکم مقرر کر کے واپس جھنگ چلا گیا۔[1]

نواب محمد خان جسکانی

۱۲۰۳ھ / ۱۷۸۷ء تا ۱۲۰۴ھ / ۱۷۸۹ء

بھکر میں نواب محمد حیات خان کے قتل کی اطلاع پہنچی تو جسکانی بزرگوں نے جمع ہو کر مقتول کے چھوٹے بھائی سردار محمد خان کو مسندِ ریاست پر متمکن کیا۔ نواب محمد خان نے اختیارات سنبھالتے ہی دیوان لدّھا رام کو سرگانی قوم کی سرکوبی پر مامور کیا۔ اس نے بلا توقف اس جانب یلغار کی اور قلعہ منکیرہ کا محاصرہ کر لیا۔ سرگانی اس قلعہ سے نکل کر قلعہ نوال کوٹ جا چھپے اور جب دیوان لدّھا رام کی فوج نے یہاں بھی نہ چھوڑا تو قلعے سے نکل کر اس پر ٹوٹ پڑے اور خوب جان توڑ کر لڑے مگر شکست کھائی۔ گولہ خان سرگانی اپنے رفیقوں سمیت اسی جگہ مارا گیا اور باقی سرگانیوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔[2]

سرگانیوں کی کلہوڑوں سے مراسلت

سرگانی امرا نے نصرت خان سرگانی کو اپنے قبائل کا سردار مقرر کیا۔ چونکہ نواب جسکانی گولہ خان سرگانی کے قاتل تھے اور پھر انھوں نے سرگانیوں سے شیر گڑھ اور چوک منڈا کے قلعے جو پہلے انھیں جاگیر کے طور پر دے رکھے تھے۔ واپس لے لئے۔ اس لئے نصرت خان سرگانی نے میاں نور محمد کلہوڑہ حاکم سندھ کے پاس اپنا وکیل بھیج کر اُسے اس بات کی ترغیب دی کہ اگر وہ جسکانی ریاست منکیرہ پر چڑھائی کر دے تو بآسانی فتح پائے گا۔ میاں نور محمد اُن دنوں ڈیرہ غازی خان آیا ہوا تھا۔ وہ بلا توقف فوج لے کر جسکانیوں

[1] تاریخ جھنگ، بلال زبیری ص ۲۱۳ [2] بلوچ قوم اور اس کی تاریخ ص ۳۵۷

پر چڑھ آیا چونکہ اس وقت جسکانی آپس میں دست و گریباں تھے۔ اس لئے نواب محمد خان نے اس کی اطاعت قبول کر لی اور چہارم بطور تاوان دینا منظور کیا۔ میاں نور محمد کلہوڑہ بعد وصولی نذرانہ محمد خان جسکانی کو حکومت منکیرہ پر بحال رکھ کر اپنے ملک کو واپس چلا گیا۔ [1]

لیہ کی حکمرانی کے عبدالنبی سرائی کی سند

چند سال بعد جب تالپوروں نے کلہوڑوں سے سندھ کا ملک چھین لیا۔ تو معزول حکمران عبدالنبی سرائی کو اس ملک کا خیال کا آیا۔ چنانچہ کابل جاکر بعد ادائی نذرانہ لیہ کی سند اپنے نام حاصل کر لی اور فوج لے کر لیہ پر چڑھ آیا اور معمولی جھڑپ کے بعد جسکانیوں کے قلعہ نوشہرہ کو فتح کر لیا۔ دربار شاہی سے نواب مظفر خان سدوزئی حاکم ملتان کے نام عبدالنبی کو امداد دینے کے لئے حکمنامہ جاری ہوا لیکن نواب مظفر خان نے محمد حیات خان جسکانی کے ساتھ اپنے دیرینہ تعلقات کی بنا پر میاں عبدالنبی کلہوڑہ کی کوئی مدد نہ کی۔ انہی دنوں نواب محمد حیات خان جسکانی فوت ہو گیا اور اس کا بھائی محمد خان جسکانی جانشین ہوا۔ تو عبدالنبی سرائی نے بڑی جرأت سے اپنی فوج کے ساتھ دریائے سندھ عبور کر کے لیہ پر حملہ کیا اور اُسے فتح کر لیا۔ [2]

قلعہ منکیرہ پر عبدالنبی کلہوڑہ کا حملہ

لیہ اور نوشہرہ کی فتح کے بعد میاں عبدالنبی کلہوڑہ قلعہ منکیرہ پر حملہ آور ہوا۔ منکیرہ جسکانی بلوچوں کا صدر مقام تھا اور اکبر اعظم کے عہد سے یہ ریاست ان سے متعلق چلی آتی تھی۔ نہ تو یہ ملک آباد تھا اور نہ ہی قلعہ مضبوط تھا۔ ان کی عسکری قوت بھی برائے نام تھی لیکن بسیار کوشش کے باوجود جسکانیوں کے مرکز قلعہ منکیرہ کو فتح نہ کر سکا۔ اور اس کا محاصرہ طویل ہو گیا۔ میاں عبدالنبی نے حاکم ملتان نواب مظفر خان کے عدم تعاون کی شکایت دربار شاہی میں لکھ بھیجی اور ساتھ ہی منکیرہ کی تسخیر کے لئے امداد کی درخواست کی۔ بادشاہ نے نواب مظفر خان کے عدم تعاون پر سخت برہمی کا اظہار کیا اور عبدالنبی کی امداد کے لئے نواب پر سخت دباؤ ڈالا۔ [3]

ناچار نواب مظفر خان سدوزئی خود لشکر لے کر میاں عبدالنبی کلہوڑہ کی امداد کے لئے منکیرہ پہنچے اور اپنے ساتھ قلعہ شکن توپیں بھی لائے۔ اُدھر سے کابل کا شاہی لشکر اور پھر اس کے نواح کے نواب اور نوابزادے جن میں سردار حکومت خان لکوزئی کا بڑا فرزند۔ نواب محمد صادق خان پسر نواب محمد بہاول خان، قمرالدین نواب ڈیرہ جات،

---

[1] بلوچ قوم اور اس کی تاریخ صـ ۳۵۸ [2] نواب مظفر خان شہید از عمر کمال ایڈووکیٹ صـ ۱۰۰ [3] نواب مظفر خان شہید صـ ۱۰۱

سرفراز خان پسر شاہ محمد خان بادوزئی بھی اپنے اپنے لشکروں کے ساتھ شامل تھے۔ ۹ ماہ تک یہ تمام سرداران ملک پوری طاقت سے ان مٹھی بھر مجاہدین سے برسر پیکار رہے مگر انھوں نے طاقت کے آگے سرِ تسلیم خم نہ کیا۔ آخر جب مسلسل لڑائیوں میں ان کے رزم آزما جوان ختم ہوگئے اور قلعہ میں کھانے کو کچھ نہ رہا تو بقیتہ السلف بلوچوں نے قلعہ کا دروازہ کھول کر آخری مردانہ وار حملہ کیا۔ کئی قتل ہوئے اور کئی گرفتار ہوئے اور قلعہ فتح ہوگیا۔ اس معرکہ کے آخری دنوں میں تیمور شاہ بذاتِ خود منکیرہ پہنچا اور بلوچ مجاہدین کو جام شہادت سے شاد کام کرکے واپس کابل لوٹ گیا اور ۱۲۰۷ھ/۱۷۹۲ء میں تیمور شاہ کا کابل میں انتقال ہوگیا ؎۱

قلعہ شکن توپوں کی گولہ باری سے قلعہ منکیرہ کی دیوار ٹوٹ گئی اور ۱۰ مارچ ۱۷۸۹ء بمطابق رجب ۱۲۰۳ھ میں قلعہ منکیرہ فتح ہوا۔ یہ قلعہ نواب نے بڑی جانبازی اور دانش مندی سے فتح کیا۔ چنانچہ اسی سال کے ابتدائی دنوں میں میاں عبدالنبی کلہوڑہ کو لیہ، بھکر اور منکیرہ کے علاقوں پر مکمل طور کنٹرول حاصل ہوگیا۔ بادشاہ نے منکیرہ کی فتح پر خوشی کا اظہار کیا اور نواب مظفر خان سدوزئی کو خلعتِ فاخرہ سے نوازا۔ تعریفی سندات بھی عطا کیں ساتھ ملتان کے زیرِ اجارہ میں پچاس ہزار روپے سالانہ کی کمی کر دی ؎۲

منکیرہ میں جسکانی حکومت کا بانی میر بلوچ خان اول تھا اور آخری نواب محمد خان جسکانی تھا جس سے یہ جنگ لڑی گئی۔ (مصنف کتاب ہذا)

محمد خان جسکانی کا نوابؒ بہاولپور سے امداد طلب کرنا

اس کے بعد نواب محمد خان جسکانی ٹوانوں کے ہاں منتقل ہوگیا اور چند دنوں بعد اس نے شاہ کابل سے لیہ، بھکر اور منکیرہ کی دوبارہ سند حاصل کر لی مگر چونکہ دخل لینے کے لئے اس کے پاس کافی فوج نہ تھی۔ اس لئے نواب بہاولپور سے طالب امداد ہوا۔ نواب بہاولپور اُسے ریاست بھکر اور منکیرہ کا صحیح حقدار جانتے تھے اس لئے امداد دینے پر رضامند ہو گئے لیکن ابھی ایفائے وعدہ نہ ہوا تھا کہ دونوں کا آپس میں بگاڑ ہوگیا ؎۳

کتاب 'بازنامہ' جو تنازعہ کا سبب بنی

کہتے ہیں کہ نواب محمد خان جسکانی کے پاس ایک کتاب 'بازنامہ' تھی۔ وہ اس سے نواب صادق محمد خان نے طلب کی۔ محمد خان نے اگرچہ کتاب دینے سے انکار نہ کیا لیکن اپنے مکان پر آکر دورانِ گفتگو کہہ بیٹھا کہ بازنامہ داؤد

؎۱ تاریخ ملتان حصہ دوم ص۱۸۷، نواب مظفر خان شہید ص۱۰۲ ؎۲ نواب مظفر خان شہید ص۱۰۱ ؎۳ بلوچ قوم اور اس کی تاریخ ص۳۵۸

پوترہ کے کس کام آئے گا۔ یہ بات کسی نے نواب بہاولپور تک پہنچا" اس سے نواب کا مزاج برہم ہوگیا اور اس نے امداد دینے سے انکار کر دیا۔ محمد خان جسکانی مایوس ہو کر منگروٹھہ ضلع ڈیرہ غازیخان میں سردار اسد خان نتکانی کے پاس چلا گیا اور بقیہ زندگی وہیں بسر کی۔ [1]

گزیٹر ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۸۷۸ء میں اس خاندان کا آخری سربراہ سردار امام بخش خان تھا جو منگروٹھہ میں رہتا تھا اور اسے پنجاب گورنمنٹ سے ۳۶۰ روپے سالانہ امداد ملتی تھی۔ اگرچہ جسکانی خاندان سے حکومت کو گئے دو سو برس کا عرصہ گزر چکا ہے پھر بھی ضلع بھکر اور لیہ میں ان کا شمار چوٹی کے امراء میں ہوتا ہے۔

کلہوڑوں کا عہدِ حکومت

۱۲۰۴ھ / ۱۷۸۹ء تا ۱۲۱۹ھ / ۱۸۰۴ء

میاں عبدالنبی کلہوڑہ نواب منکیرہ

۱۲۰۴ھ / ۱۷۸۹ء تا ۱۲۱۹ھ / ۱۸۰۴ء

سندھ میں میاں عبدالنبی کلہوڑہ اپنے خاندان کا آخری حکمران ثابت ہوا۔ سردار مدّو خان نے اُسے دوبارہ حکمران بنا دیا تھا اور "تالپوروں سے اُس کی صلح کرا دی تھی لیکن وہ اپنی فتنہ انگیزیوں سے باز نہ آیا۔ چنانچہ ۱۱۹۶ھ / ۱۷۸۲ء میں میاں عبدالنبی کلہوڑہ نے عبداللہ خان تالپور کے اعزہ و اقارب کو دھوکے سے گرفتار کر کے انھیں قتل کرا دیا تھا اس پر تالپوروں نے بغاوت کر دی اور میاں عبدالنبی کو ہالانی کے مقام پر شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ جہاں سے فرار ہو کر قلات چلا گیا۔ تیمور شاہ کے وزیرِ خزانہ امین الملک نور محمد خان بابری کے ساتھ اس کے گہرے مراسم تھے۔ اس نے امین الملک کی وساطت سے تیمور شاہ درانی کو اپنی امداد پر آمادہ کر لیا جس پر انھوں نے احمد خان نورزئی کو ایک لشکر دے کر کلہوڑہ کی امداد کے لئے سندھ روانہ کیا۔ ۱۲۰۲ھ / ۱۷۸۸ء میں میاں عبدالنبی کلہوڑہ اور احمد خان نورزئی کی متحدہ قوت نے تالپوروں کو مغلوب نہ کیا اور انھیں ناکام واپس لوٹنا پڑا۔ اس پر امین الملک بادشاہ نے تیمور شاہ سے میاں عبدالنبی کلہوڑہ کے نام لیہ اور بھکر کے علاقوں کی حکومت کا فرمان حاصل کر لیا۔ [2] اور اسے چالیس ہزار روپے نقد دے کر اس علاقے پر قابض ہونے کے لئے روانہ کر دیا۔ یہ علاقے محمد حیات خان جسکانی کے زیرِ تسلط تھے۔ اس نے میاں عبدالنبی کو قبضہ دینے سے انکار کر دیا نیز دربار شاہی سے نواب مظفر خان سدوزئی حاکم ملتان کے نام

---

[1] بلوچ قوم اور اس کی تاریخ ص ۳۵۵ [2] بلوچ قوم اور اس کی تاریخ ص ۳۵۸، نواب مظفر خان شہید ص ۱۰۰

عبدالنبی کو امداد دینے کے لئے حکم نامہ جاری ہوا۔

چنانچہ ۱۰ مارچ ۱۷۸۹ء مطابق رجب ۱۲۰۳ھ کے ابتدائی دنوں میں میاں عبدالنبی کلہوڑہ لیہ، بھکر اور منکیرہ کے علاقوں پر مکمل طور پر قابض ہو کر حکومت کرنے لگا۔[1]

میاں عبدالنبی کی بدعنوانیاں

میاں عبدالنبی کلہوڑہ نے ابھی صرف چند سال بھکر، لیہ اور منکیرہ کے علاقوں پر حکمرانی کی تھی کہ اس کی بدعنوانیوں اور انتظامی خرابیوں کی وجہ سے نظامِ حکومت میں افراتفری اور خلفشار کی انتہا ہو گئی۔ وہ رعایا پر ظلم ڈھانے کی وجہ سے بے حد غیر مقبول اور بدنام ہو گیا تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ اس نے زرِ اجارہ کی ادائیگی بھی روکی ہوئی تھی۔ اس کے ذمہ ایک لاکھ بیس ہزار روپے بقایاجات ہو گئے تھے۔ وہ اس رقم کی ادائیگی کے بارے میں احکامات شاہی کو خاطر میں نہ لاتا تھا۔[2]

عبدالنبی کلہوڑہ کی سرکوبی اور کچھی شمالی کی مہم

۱۲۰۷ھ/۱۷۹۲ء میں تیمور شاہ درانی کی وفات کے بعد زمان شاہ والیِ افغانستان نے نواب مظفرخان حاکم ملتان کو اس کی کابل سے روانگی کے وقت عبدالنبی کلہوڑہ کی سرکوبی کا حکم صادر فرمایا تھا اور ساتھ ہی شاہی افواج میں سے ایک لشکر عبدالرحیم خان ہوتکی کے زیرِ کمان ہمراہ بھیجا تھا۔ نواب مظفرخان نے ملتان پہنچنے کے بعد ایک مضبوط لشکر محمد خان سدوزئی بہادر خیل جو نواب مظفرخان کا نائب تھا، کی کمان میں عبدالرحیم خان ہوتکی کے ہمراہ علاقہ بھکر اور لیہ کی طرف روانہ کیا۔ اس متحدہ جمعیت نے محمود کوٹ اور کوٹ اڈو کے قلعے چند دنوں میں تسخیر کر لئے لیکن عبدالنبی کو مکمل شکست نہ ہوئی اور وہ اپنی آزمودہ کار فوج کے ایک بڑے حصے کے ساتھ اپنے باقی ماندہ قلعوں پر قابض ہو کر ڈٹا رہا۔ مہم طول پکڑ گئی۔ جس پر شاہ زمان دُرانی نے نواب مظفرخان کو تاکیداً فرمان جاری کیا کہ وہ اس مہم کی کمان خود سنبھالے اور سردی کا موسم آنے سے پہلے تمام علاقہ اور قلعہ جات پر قبضہ کر لے۔ نواب مظفرخان نے ان احکامات کی پرواہ نہ کی۔ اس بے پرواہی کی اطلاع بادشاہ کو ملی تو بادشاہی عتاب کا نازل ہونا قدرتی امر تھا۔ انھوں نے حکومت خان سرگانی کو بطورِ محتسب ملتان روانہ کیا اور یہ حکم صادر کیا کہ ملتان پہنچنے پر نواب مظفرخان سے اس وقت تک روزانہ پانچ صد روپے بطور جرمانہ وصول کرتا رہے جب تک نواب مہم کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لے۔[3]

چنانچہ نواب مظفرخان سدوزئی نے دریائے چناب عبور کر کے افواج کی کمان خود سنبھالی اور محمد خان بہادر خیل

۱۔ نواب مظفرخان شہید ص ۱۰۴ ۲۔ نواب مظفرخان شہید ص ۱۱۲ ۳۔ نواب مظفرخان شہید ص ۱۱۳، تذکرۃ الملوک از علی محمد خدکہ ص ۲۳۱

ستہ زئی کو واپس بھیج کر دوبارہ اپنا نائب مقرر کر دیا۔

قلعہ نوشہرہ اور لیہ کی فتح

نواب مظفر خان کے پہنچتے ہی قلعہ نوشہرہ ایک ہی حملہ میں مسخر ہو گیا۔ عبدالنبی کلہوڑہ پر جب سخت عسکری دباؤ پڑا تو اس نے میدان میں جم کر لڑنے کی ٹھان لی۔ لیہ کے قریب فریقین کے درمیان بڑی خونریز لڑائی ہوئی۔ میاں عبدالنبی کا جوان سال بیٹا محمد عارف مارا گیا اور نواب مظفر خان کے لشکر کے دو نامور سردار عبدالرحیم خان بابر اور سرفراز خان بادوزئی داد شجاعت دیتے ہوئے کام آئے۔ ان کے علاوہ بھی طرفین کے بعض بڑے آزمودہ کار جوان مارے گئے [۱]

نواب مظفر خان کا قلعہ منکیرہ پر حملہ

عبدالنبی کلہوڑہ پسپا ہو کر قلعہ منکیرہ میں پناہ گزین ہو گیا۔ نواب مظفر خان نے اس کا تعاقب کیا اور جب موسم سرما عروج پر تھا۔ بڑی ہمت سے تھل کے مرکز میں واقع اس قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور محصورین کے رسد پہنچنے کے تمام راستے منقطع کر دیئے۔ نیز چاروں طرف سے قلعہ کے گرد مورچہ بندی کر کے توپوں کو قلعہ کی دیواروں کے قریب پہنچا اور گولہ باری سے محصورین کی زندگی اجیرن کر دی۔ اس محاصرہ میں نواب مظفر خان نے اپنی جان کی بازی لگا دی اور بعض محیر العقول کارنامے سرانجام دیئے [۲]

ایک دن عبدالرحیم خان ہوتکی اور نواب مظفر خان مورچوں کا معائنہ کرتے ہوئے قلعہ کے نزدیک پہنچ گئے قلعہ کے محافظوں نے نواب کو پہچان لیا۔ اور نواب پر بندوقوں کے فائر کھول دیئے۔ عبدالرحیم خان ہوتکی بھاگ کر مورچے میں کود گیا۔ اور نواب کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر انہیں بھی مورچے کی طرف کھینچا اور منت کی کہ وہ بھی خندق کی حفاظت میں آجائیں لیکن نواب مظفر خان نے کہا کہ میری محافظ خندق نہیں ہے اور اسی طرح قلعہ کی دیوار کے قریب مورچوں کے معائنہ میں مشغول رہے [۳]

حالانکہ اس وقت قلعہ سے گولیوں کی بارش ہو رہی تھی اور گولیاں نواب کے اردگرد اور سر پر سے گزر رہی تھیں۔ اسی قسم کے تہور کی بنا پر نواب کی سپاہ کے حوصلے بہت بڑھ گئے اور انہوں نے بھی جان کی بازی لگا کر قلعہ کی دیواریں اڑا دیں۔ جب عبدالنبی نے دیکھا کہ مزید مقابلہ بے سود ہے تو وہ حوصلہ ہار بیٹھا اور اس نے قلعہ کی چابیاں نواب مظفر خان کے حوالے کر دیں۔ اس طرح قلعہ منکیرہ فتح ہو گیا۔

---

[۱] نواب مظفر خان شہید ص ۱۱۴ [۲] نواب مظفر خان شہید ص ۱۱۴ [۳] نواب مظفر خان شہید ص ۱۱۴

نواب مظفر خان فتح و کامرانی کے ساتھ ملتان واپس ہوئے جہاں سے انھوں نے زمان شاہ والی افغانستان کی خدمت میں فتح نامہ لکھا بھیجا اور اس علاقہ کی حکومت کے لئے اپنے نائب محمد خان بہادر خیل سدوزئی کی سفارش کی۔ چنانچہ محمد خان المعروف سربلند خان سدوزئی بہادر خیل کو کچھی شمالی کا ناظم مقرر کیا گیا اور میاں عبد النبی کلہوڑہ کو گزارہ کے لئے راجن پور میں جاگیر عطا ہوئی۔ جہاں وہ ۱۲۲۰ھ / ۱۸۰۵ء میں فوت ہوگیا۔[۱]

رنجیت سنگھ کی طرف سے دوبارہ عطائیگی جاگیر

مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ۱۲۰۴ھ / ۱۸۰۵ء میں راجن پور کی جاگیر نواب مظفر خان سے چھین کر دوبارہ میاں عبد النبی کلہوڑہ کو دے دی۔ رنجیت سنگھ کا مقصد یہ تھا کہ جب ضرورت پیش آئے گی تو میاں عبد النبی کلہوڑہ کو سندھ پر قبضہ کرنے کے لئے تالپوروں کے خلاف آلہ کار کے طور پر استعمال کرے گا۔ یہ وہ پالیسی تھی جس پر انگریز افغانستان کے تعلق پر کاربند تھے۔[۲]

ــــــــــ

[۱] نواب مظفر خان شہید ص۱۴۱ [۲] سرگزشت مجاہدین از غلام رسول مہر ص۱۷۵

پانچواں باب

سدو زئی پٹھانوں کا عہدِ حکومت

۱۲۱۹ھ / ۱۸۰۴ء تا ۱۲۳۷ھ / ۱۸۲۱ء

شجرہ نسب سدوزئی افاغنہ ملتان، منکیرہ
حضرت سعد اللہ علیہ الرحمۃ المعروف حضرت سدو امیر افغان
ملک ابدال
ملک رجر
ملک عیسیٰ
ملک زیرک
ملک پوپل
ملک حبیب
ملک بارے
ملک صالح
حضرت سعد اللہ علیہ الرحمۃ المعروف حضرت سدو امیر افغان مورث اعلیٰ سدوزئی افاغنہ
خواجہ خضر خان
سلطان مودود خان
کامران خان
بہادر خان
زعفران خان
شاہ حسین خان
اللہ داد خان
علی خان
اسماعیل خان
ابدال خان
لشکر خان
عابد خان
وفادار خان
عنایت خان
یوسف خان
عزت خان
جلال خان
نواب زاہد خان
عارف خان
وصل خان
لشکر خان
صادق خان
صحبت خان
سید خان
نواب شجاع خان
نواب شاکر خان
نواب حاجی شریف خان
غازی خان
اشرف خان
قاسم خان
حسین خان
حاجی محمد خان
عبدالرحیم خان
عبدالرحمن خان
یار خان
عطار خان
سعد اللہ خان
احمد خان
حافظ احمد خان
محمد خان المعروف نواب سربلند خان
نواب مظفر خان شہید
غضنفر خان
سنجر خان
سکندر خان
نواب شیر محمد خان
معین الدولہ فیروز جنگ منکیرہ
بانی مظفر گڑھ
بانی غضنفر گڑھ
بانی سنجر آباد
بانی سکندر خان
آخری نواب منکیرہ
۱۲۳۰ھ ۱۸۱۶ء
وفات
سقوط منکیرہ ۱۲۳۷ھ ۱۸۲۱ء
سرفراز خان
ذوالفقار خان
شاہنواز خان
ممتاز خان
اعزاز خان
حق نواز خان
شہباز خان
امیر باز خان
شہید
شہید
شہید
شہید
شہید
شہید
فیروز الدین خان
احمد یار خان
قاسم علی خان
صادق علی خان
محمد اکبر خان
عنایت اللہ خان
سلطان ظفر خان
نواب سرفراز خان
نواب حق داد خان
نواب حاجی عبدالرحمن خان
نواب اللہ داد خان
نواب حق نواز خان
نواب احمد نواز خان
سردار عبدالستار خان
سردار عبدالجبار خان
سردار عبدالغفار خان
قیوم نواز خان
اللہ نواز خان
احمد نواز خان
دختر بیگم اختر
(نرینہ اولاد نہیں)
نوابزادہ شیر افضل خان
(ریٹائرڈ کمشنر)
شیر زمان خان
سرفراز خان
عمر داز خان
احمد نواز خان
محمد نواز خان
مولا نواز خان
حق نواز خان
فضل الرحمان خان
عنایت الرحمن خان
اللہ نواز خان
جبار نواز خان
خالد محمود خان
سلطان محمود خان
سرفراز خان
امتیاز احمد خان
اقبال احمد خان
محمد جاوید
محمد نذیر خان
کاشف محمود خان
نوٹ
یہ شجرہ تاریخ ملتان حصہ دوم سے لیا گیا ہے۔

خواجہ خضر خان علیہ الرحمتہ

سلطان خداداد خان
المعروف سلطان خدکہ

سلطان مرست خان
دولت خان
محمد زمان خان

ذوالفقار خان — علی مراد خان — احمد شاہ درانی
لقمان خان — تیمور شاہ

محمد ہمایوں — زمان شاہ — شاہ شجاع الملک — محمود شاہ
سرمست خان — شاہزادہ کامران

سلطان جہان خان — سلطان عنایت خان — سلطان قلندر خان

نواب عبدالعزیز خان شہید — مقرب خان — عبداللہ خان — محمد باقر خان

انور خان
المعروف ابدالی خان

علیم یار خان — محسن یار خان — جعفر خان

محمد خان — اللہ یار خان — محمد خان — اسد اللہ خان — علی یار خان

محمود خان
نواب نظام خان
حامد یار خان — عبداللہ خان
غلام محمد خان — عبدالمجید خان
کپتان محمود خان

سیف اللہ خان
اکبر خان — سلیمان خان

محمد شریف خان — محمد خان — دلیر خان — لطف اللہ خان — محمد سبز خان — محمد نواز خان شہید

نواب دین محمد خان — میر محمد خان
شہزادہ علی محمد خان
(جدِ امجد خوانین خدکہ ملتان)

نوٹ :۔ یہ شجرہ تاریخِ ملتان حصہ دوم سے لیا گیا ہے۔

سدوزئی پٹھانوں کا تعارف

سرزمین منکیرہ کے نامور نواب محمد خان المعروف نواب سربلند خان سدوزئی، پٹھانوں کے مشہور قبیلہ سدوزئی سے تعلق رکھتے تھے۔ سدوزئی قبیلہ درانیوں یعنی ابدالیوں کی سربرآوردہ شاخ ہے۔ اس قبیلہ کے اسد اللہ خان المعروف حضرت سدو میر افغان نواح قندھار میں ۱۸ مئی ۱۵۵۸ء ۹۶۵ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ملک صالح درانیوں کی شاخ حبیب زئی کے سردار تھے۔ حضرت میر سدو غیر معمولی قابلیت اور ذہانت کے مالک تھے۔ اس لیے آپ کے والد ملک صالح نے آپ کو اس وقت کے بزرگ کامل حضرت سید نجیب الدین رحمۃ اللہ علیہ کی شاگردی میں دے دیا جو پیران پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے تھے۔ ولایت اور تصرف میں بلند مقام رکھتے تھے۔ ملک صالح کی وفات کے بعد آپ کو الوس حبیب زئی کی مسند سرداری پر متمکن کیا گیا تو پیر و مرشد نے آپ کو اپنے پاس بلوا کر اپنا لباس خاص۔ دستار اور خرقہ عطا کیا۔ اور ایک تلوار جو پیران پیر کے نام سے منسوب تھی۔ آپ کی کمر سے باندھ کر فرمایا کہ مجھے پیران پیر کی طرف سے یہ سب کچھ تمہارے حوالے کر دینے کا حکم ہوا ہے نیز میں تمہیں بشارت دیتا ہوں کہ آئندہ سال تک تمام ابدالی تمہارے مطیع ہوں گے اور تمہاری اولاد ہمیشہ قوم کی سردار رہے گی[1]

میر افغان حضرت سدو نے ۲۲ ذی الحجہ ۱۰۰۶ھ ۲۸ مئی ۱۵۹۸ء کو مسندِ سرداری پر جلوس کیا۔ تمام اعیان الوس ابدالی نے بیعت کی اور ہمیشہ وفادار رہنے کا عہد کیا۔ حضرت سدو نے یہاں شان و شوکت اور امن و امان کے ساتھ حکومت کی رعایا پروری۔ عدل و انصاف اور باہمی یگانگت کی شاندار روایات قائم کیں۔ وفات سے قبل انھوں نے ابدالیوں کو بلا کر اُن کے سامنے اپنے بڑے لڑکے خضر خان کو اپنا جانشین مقرر کیا اور تبرکات پیر و مرشد خواجہ خضر خان کے سپرد کر کے تمام الوس سے آپ کے حق میں بیعت لی اور آپس میں اتحاد و یگانگت کی تلقین کر کے سب کو الوداع کیا۔ آخر کار یکم رجب ۱۰۳۶ھ ۲۳ اگست ۱۶۲۶ء کو اس عظیم انسان نے ۶۷ سال کی عمر میں اس جہانِ فانی سے کوچ کیا۔ حضرت امیر سدو صاحب کشف و کرامات بھی تھے۔ ظاہر میں امیر باطن میں فقیر عارف باللہ اور زاہد باصفا تھے چنانچہ اُن کا مرجع خاص و عام ہے[2]

حضرت سدو کے پانچ بیٹے تھے۔ سب سے بڑے خواجہ خضر خان تھے جو بڑے ہی عابد اور خدا رسیدہ تھے۔ افغان اُن کو زہد و تقویٰ کی وجہ سے خواجہ کہتے تھے۔ اُن کے دوسرے بیٹوں کے نام علی الترتیب سلطان مودود خان

---

[1] تذکرۃ الملوک از محمد علی خان خدکہ صہ ۲۲۔ نواب مظفر خان شہید صہ ۵ [2] نواب مظفر خان شہید صہ ۹

مقبرہ پیر نور قلندر بادشاہ منکیرہ اندرون قلعہ قدیم موسوم بلوچاں

مقبرہ نواب سربلند خان منکیرہ وفات ۱۸۱۶ء / ۱۲۳۰ھ

کامران خان ۔ بہادر خان اور زعفران خان ہیں۔ آل سدو میں امتداد زمانہ کے ساتھ خاصہ اضافہ ہوا۔ ان پانچ بیٹوں کے نام پر پانچ قبیلے ظہور پذیر ہوئے۔ اس عظیم انسان کی اولاد میں متعدد صاحب ملک، سلاطین اور بادشاہ پیدا ہوئے اور بہت سے نواب، امیر، حاکم اور سردار ہوئے جن میں سلطان خداداد المعروف سلطان خدکہ بانی خاندان خدکہ سدوزئی ۲۔ سلطان حیات خان ۳۔ سلطان شاہ حسین خان ۴۔ شاہ محمد اللہ خان والی ہرات ۵۔ شہزادہ سعد اللہ خان فاتح ہرات ۶۔ شاہ اللہ یار خان ۷۔ احمد شاہ گدداں بابا ئے افغان بانی مملکت افغانستان اوران کے خانوادہ ۸۔ دوسرے شاہانِ افغانستان ۹۔ ملتان کے سدوزئی نواب وحکمران ۱۰۔ منکیرہ اور ڈیرہ اسماعیل خان کے سدوزئی نواب وحکمران قابلِ ذکر ہیں جنھوں نے تاریخ کے اوراق پر انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔[1]

نواب محمد سربلند خان سدوزئی منکیرہ

۱۲۱۹ھ / ۱۸۰۴ء تا ۱۲۳۰ھ / ۱۸۱۴ء

نواب محمد خان المعروف نواب محمد سربلند خان سدوزئی معین الدولہ فیروز جنگ نواب منکیرہ۔ بھکر، لیہ اور ڈیرہ اسماعیل خان نہایت قابل۔ تیز طراز۔ جہاں دیدہ۔ رزم بزم دونوں کے کار آزما مدبر شخص تھے۔ یار محمد خان عرف یارن خان سدوزئی بہادر خیل کی اولاد میں سے تھے۔ ملتانی پٹھان تھے۔ صوبیداری نواب شجاع خان سدوزئی میں ملازم ہوئے اور بعد ازاں مختلف صوبیدارانِ ملتان کے ماتحت خدمات سرانجام دیتے رہے۔ جب نواب مظفر خان ملتان کے گورنر مقرر ہوئے تو آپ ان کے ملازم ہوئے۔ چونکہ کارگزاری اور معاملہ فہمی میں بیمثال تھے اس لئے ترقی کر گئے اور سو (۱۰۰) روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر ہوئی جو اس سستے دور میں گراں قدر مشاہرہ تھا۔ جب نواب مظفر خان سال ۱۲۰۳ھ / ۱۷۸۸ء میں کچھی شمالی کی مہم پر روانہ ہوئے تو انھیں اپنا نائب مقرر کیا۔[2]

لیہ اور کچھی شمالی کی مہم اور سربلند کا خطاب

لیہ اور کچھی شمالی کا علاقہ ۱۲۰۳ھ / ۱۷۸۸ء میں فتح ہوا تو نواب مظفر خان حاکم ملتان کی سفارش اور رحمت اللہ خان سدوزئی وزیرِ اعظم افغانستان کی تائید و کوشش سے کچھی شمالی کا علاقہ نواب سربلند خان کو تفویض ہوا۔ اور انھوں نے حکومت لیہ اور کچھی شمالی بشمول تحصیل کوٹ ادو سنبھال کر طویل دورِ حکومت کا آغاز کیا۔ چند سالوں میں معاملہ فہمی۔ سیاست اور اعلیٰ کارکردگی سے تمام علاقہ تھل سانگھڑ۔ ڈیرہ اسماعیل خان۔ عیسیٰ خیل اور علاقہ گنڈا پور کلاچی
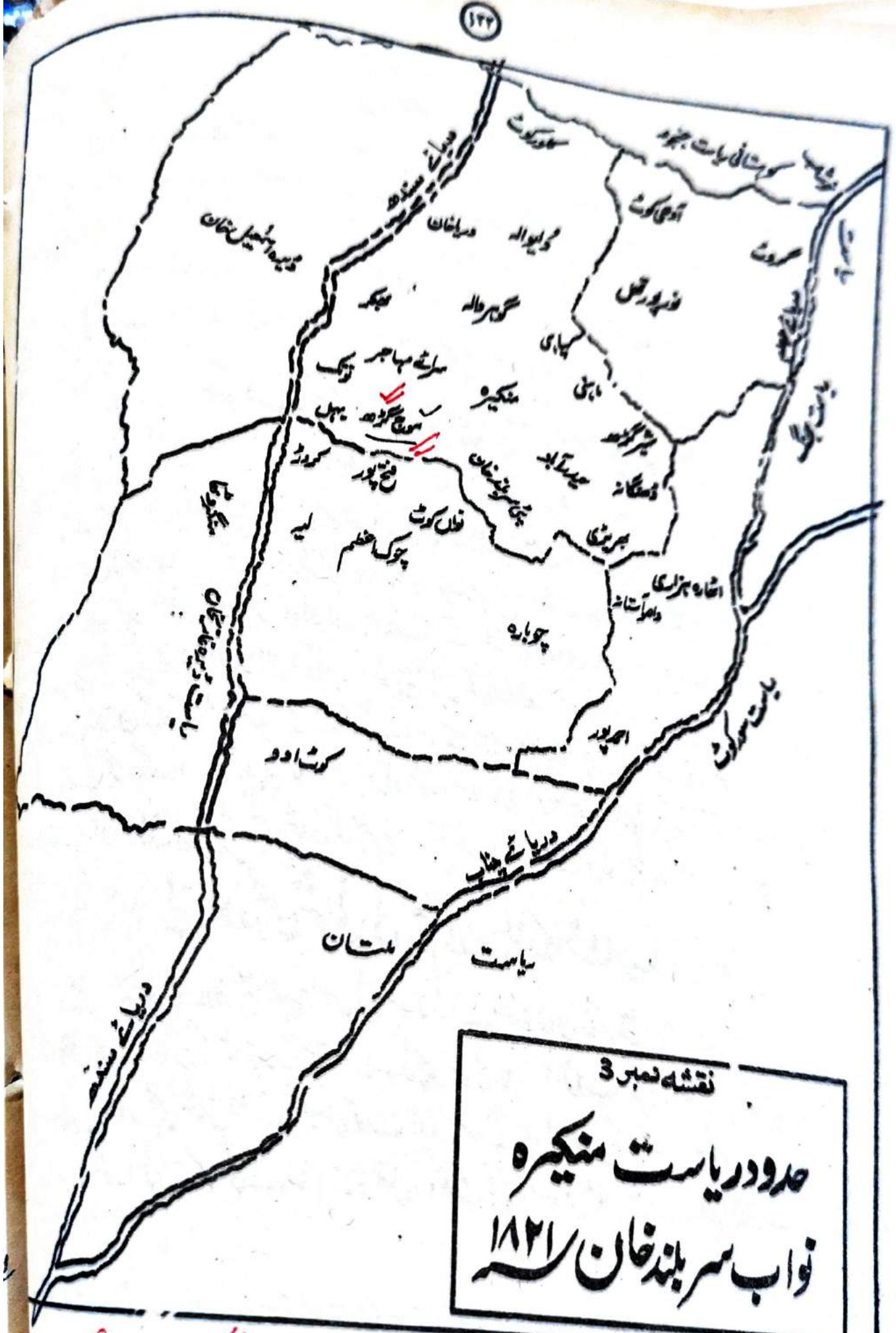
[1] نواب مظفر خان شہید ص ۹ [2] تذکرۃ الملوک مصنفہ محمد علی خان خدکہ ص ۳۷۸، نواب مظفر خان شہید ص ۲۹۱

ڈیرہ پر اپنا تسلط جمایا۔ اور کئی باغیوں اور ڈاکوؤں کو کچل کر اپنے زیر تسلط علاقہ میں امن و امان مستحکم کر دیا تھا۔ کئی نئے قلعے تعمیر کئے جن میں قلعہ عظیم سکیسر اور قلعہ مبارک گڑھ واقع کچھی شمالی کوٹ ادو مشہور ہیں اور کئی قلعوں کی مرمت کرائی۔ چالیس پچاس توپوں کا توپ خانہ مرتب کیا۔ چار ہزار سوار اور پیادہ ملازم رکھے ؎۱

سربلند کا خطاب :- جب شہزادہ ہمایوں سدوزئی نے بغاوت کی تو انھوں نے اسے شکست دی اور گرفتار کر لیا جس پر خوش ہو کر شاہ زمان درانی نے ڈیرہ اسماعیل خان، مظفر گڑھ، لیہ اور کلاچی کا علاقہ عطا کیا اور معین الدولہ سربلند خان بہادر فیروز جنگ کے خطاب مرحمت فرمائے۔ اس عزت افزائی کے بعد محمد خان سدوزئی نے نواب مظفر خان سے خط و کتابت بند کر دی ؎۲

نواب مظفر خان کی نواب سربلند خان سے ملاقات

۱۲۱۳ھ / ۱۷۹۸ء میں نواب مظفر خان پشاور میں زمان شاہ درانی سے ملاقات کے بعد ڈیرہ اسماعیل خان پہنچے۔ جب نواب محمد سربلند خان ملاقات کے لئے آئے تو ان کے چوب دار نے ان کے سامنے بآواز بلند اعلان کیا کہ نواب محمد سربلند خان روشن نگاہ، نظرِ دولت، نواب نامدار سلامت باشد تشریف لاتے ہیں جس پر نواب مظفر خان برافروختہ ہو گئے اور مجلس سے اٹھ کر چلے گئے اور ملاقات نہ کی۔ نواب سربلند خان سدوزئی نے نواب مظفر خان حاکم ملتان کی شایانِ شان اور مرتبہ کے مطابق اس کا استقبال نہیں کیا تھا۔ حالانکہ نواب مظفر خان ہندوستان میں رہنے والے سدوزئیوں میں سب سے زیادہ سربرآوردہ اور بااثر تھے۔

محمد خان سدوزئی جو محمد سربلند خان کا لقب حاصل کرنے سے پہلے نواب مظفر خان کے ماتحت ایک کم رتبہ منصب پر فائز رہے تھے۔ اسی عہدہ سے ترقی کر کے نائب صوبیدار ملتان کے منصب پر پہنچے تھے۔ بعد میں کچھی شمالی کی نظامت بھی انھیں نواب مظفر خان کی سفارش پر عطا ہوئی تھی۔ گویا وہ ایک طریقے سے نواب مظفر خان کے پروردہ تھے لیکن انھوں نے اپنے رویّہ کی وجہ سے نواب مظفر خان کو سخت برافروختہ کر دیا تھا۔ چنانچہ وہ ڈیرہ اسماعیل خان سے فی الفور ملتان کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس ملاقات میں جو بدمزگی پیدا ہو گئی تھی اس کی وجہ سے فریقین کے تعلقات کشیدہ ہو گئے ؎۳

نظامتِ ملتان کیلئے عبدالصمد خان بادوزئی کا پروانہ

عبدالصمد خان بادوزئی نے اپنے نام نظامتِ ملتان کا پروانہ لے کر سیدھا اپنی جاگیر دائرہ دین پناہ پہنچا اور لشکر

؎۱ نواب مظفر خان شہید ص۲۹۱ ؎۲ نواب مظفر خان شہید ص۲۹۳ ؎۳ نواب مظفر خان شہید ص۱۲۰

ہوگیا۔ وزیر فتح خان نے ملتان کے گرد و نواح کے تمام جاگیرداروں کو پروانے روانہ کئے جن میں انہیں ہدایت کی گئی تھی کہ وہ عبدالصمد خان بادوزئی کو ملتان کا قبضہ دلانے میں اس کی مدد کریں لہ

چنانچہ نورعالم خان نورزئی نواب مظفرخان سے اختلاف کی بنا پر عبدالصمد خان کو عملی مدد دینے پر تیار ہوگیا اور ایک ہزار آزمودہ کار سوار ڈیرہ غازی خان سے عبدالصمد خان کی امداد کے لئے روانہ کر دیئے۔ قلعہ داؤد جہانیاں کے قریب گھمسان کا جنگ ہوئی۔ عبدالصمد خان نے اپنی شکست یقینی سمجھتے ہوئے رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاکر قلعہ داؤد جہانیاں کے منہدم شدہ حصے سے نکل کر راہ فرار اختیار کی اور اپنے دوسرے قلعہ دائرہ دین پناہ میں جاکر پناہ لی کہ

نواب سربلند خان کا نُورعالم خان نُورزئی سے مقابلہ

نواب مظفرخان کی عبدالصمد خان بادوزئی اور نورعالم خان نورزئی کے مابین کوئی فیصلہ کن لڑائی نہیں ہوئی تھی کہ ۱۵ رجب ۱۲۱۷ھ میں نواب مظفرخان اور نواب سربلند خان حاکم کچھی شمالی ولیہ کے خطوط نواب بہاول خان کو ملے انہوں نے علاقہ کی سلامتی اور امن کے لئے نورعالم خان کی بیخ کنی ضروری قرار دیتے ہوئے متحدہ جدوجہد کی تلقین کی تھی۔ چنانچہ فریقین کی رضامندی سے نورعالم خان کے خلاف متحدہ کارروائی کرنا طے پاگیا اور نواب مظفرخان نے ملتان کی افواج بلا کر اپنے بڑے فرزند سرفراز خان کی زیر کمان ڈیرہ غازی خان روانہ کر دیں۔ نواب سربلند خان بھی اپنا لشکر لے کر روانہ ہوگیا۔ یہ دونوں لشکر عجب والا کے مقام پر بہاولپور کی افواج سے مل گئے سہ جہاں سے تینوں متحدہ افواج نے بڑے طمطراق کے ساتھ دریائے سندھ کو عبور کیا اور ڈیرہ غازی خان کے علاقہ میں پیش قدمی شروع کر دی۔ نُورعالم خان بڑے کرّ و فر کے ساتھ اپنے قلعہ سے باہر آیا لیکن متحدہ لشکر کی قوت دیکھ کر حوصلہ ہار بیٹھا اور مقابلہ کئے بغیر جام پُور کی طرف پسپا ہوگیا۔ متحدہ لشکر نے ابھی جام پور کی طرف پیش قدمی کی ہی تھی کہ نورعالم خان اضطراری حالت میں ہڑنڈ کی طرف بھاگ گیا۔ جہاں سے وہ دل برداشتہ ہو کر قندھار چلا گیا۔ نورعالم کے فرار کے بعد اتحادیوں کا بغیر کسی مقابلہ کے قلعہ ڈیرہ غازی خان پر قبضہ ہوگیا۔ تینوں نوابوں نے علاقہ ڈیرہ غازی خان کو بڑی خوش اسلوبی سے آپس میں تقسیم کر لیا۔ دریائے سندھ کے دوسری طرف مظفرگڑھ سے ملحقہ کچھی زیریں کا علاقہ نواب مظفرخان کے حصے میں آیا اور کچھی بالائی کا علاقہ نواب محمد سربلند خان کو مل گیا۔ اس طرح میر نورعالم خان کا قصہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا کہ

لہ نواب مظفرخان شہید ص ۱۲۸ کہ نواب مظفرخان شہید ص ۱۳۱ سہ شہامت علی ص ۱۱۵ کہ صادق التواریخ ص ۳۱۷، نواب مظفرخان شہید ص ۱۳۱

شاہ شجاع الملک کا نواب سربلند خان سے امداد طلب کرنا

۱۹ محرم الحرام ۱۲۲۴ھ / ۲۴ فروری ۱۸۰۹ء میں شاہ شجاع الملک والی افغانستان کو معزول کر کے تیمور شاہ افغانستان کا والی بنا شجاع الملک پنجاب کی طرف بھاگ آیا اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کا آلہ کار بن گیا۔ جس طرح وہ کہتا، شجاع الملک اسی طرح کرتا تھا۔ مسلمان نواب صاحبان بادشاہ کی اس کمزوری کو بڑی شدت سے محسوس کر رہے تھے خود دار السلطنت میں بھی بادشاہ کے بہت سے مخالف پیدا ہو گئے۔ جب مدّتِ حکومت سات برس ہو گئی تو فتح خان بارک زئی نے اُسے تخت سے اُتار کر دوبارہ محمود شاہ کو تخت نشین کیا۔ شجاع الملک شکست کھا کر ملتان کی طرف آیا اور نواب محمد خان سدوزئی بہادر خیل حاکم منکیرہ ولیّہ سے امداد طلب کی ایسے حالات میں جب کہ کابل کے تخت پر محمود شاہ بیٹھ چکا تھا
شجاع الملک سے رابطہ پیدا کرنا حکومت کابل سے لڑائی مول لینا تھا۔ شجاع الملک برہم ہو کر راولپنڈی چلا گیا۔ رنجیت سنگھ ان دنوں یہیں مقیم تھا۔ اس سے نواب محمد خان المعروف سربلند خان کی بے اعتنائی کا ذکر کیا۔ وہ تو چاہتا یہی تھا کہ کسی طرح مسلمان حکومتیں آپس میں لڑ کر ختم ہو جائیں۔ اس نے کہا محمد خان میں اتنی جرأت کہاں سے آگئی کہ آپ سے انحراف کرتا ہے۔ آپ [illegible]ب سے بڑا مخالف مظفر خان ہے۔ آپ پہلے اُسے ختم کریں۔ محمد خان نواب منکیرہ خود بخود سیدھا ہو جائے گا۔ اس نے فوج اور تجربہ کار افسر دے کر شجاع الملک کو ملتان روانہ کیا۔ شجاع الملک نے وعدہ کیا کہ میں ملتان مظفر خان سے چھین کر تمہارے حوالے کر دوں گا۔ اس عہد و پیمان کے بعد معزول بادشاہ سکھوں کے بل بوتے پر ملتان پر آدھمکا اور نواب مظفر خاں سے ملتان کی نظامت طلب کی۔ اگرچہ ظاہرا نواب نے کہہ دیا کہ یہ ملک آپ کا ہے جسے چاہیں دے دیں۔ ہم نوکر لوگ ہیں، ہمیں کیا عذر ہو سکتا ہے اس کے بعد نواب مظفر خان نے ایک خط بادشاہ کی خدمت میں روانہ کیا کہ ملتان معہ قلعہ جات نواب کے پاس رہیں اور حضرت بادشاہ برائے خرچ خاصہ پرگنہ تلمبہ۔ سرائے سدھو۔ سردار پور وغیرہ علاقہ مشرقی اور مشرقی ملتان قبول فرمائیں۔ بادشاہ اس وقت حضوری باغ میں خیمہ زن تھا۔ جب یہ وفد باریاب ہوا تو اُسے سخت گراں گزرا لیکن مصلحت وقت کے پیشِ نظر منظور کر لیا اور فرمایا۔

بخاطرِ شُما بخشیدیم

اس کے بعد بادشاہ اپنے محالاتِ جاگیر کو منتقل ہو گیا لیکن چونکہ وہ محالات قابلِ نزولِ معاش بادشاہی نہ تھے۔ اس لئے تھوڑی مُدّت کے بعد بادشاہ لاہور کو روانہ ہو گیا [1]

[1] تاریخِ ملتان حصہ دوم ص ۱۹۶ نور احمد خان آفریدی

مہاراجہ رنجیت سنگھ کا حملہ ملتان

مہاراجہ رنجیت سنگھ ۱۹ محرم الحرام ۱۲۲۵ھ / ۲۵ فروری ۱۸۱۰ء کو ایک زبردست لشکر اور توپ خانہ لے کر قلعۂ ملتان کے پاس پہنچ کر خیمہ زن ہو گیا۔ اس مرتبہ رنجیت سنگھ نے یہ اعلان کیا تھا کہ وہ ملتان کو شجاع الملک کے لئے حاصل کرنے کی غرض سے قلعۂ ملتان پر حملہ آور ہو رہا ہے۔ ساتھ ہی اس نے شجاع الملک کی طرف سے ایک جعلی پیغام نواب مظفر خان کو بھیج دیا تھا کہ ہتھیار ڈال کر قلعہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے حوالے کر دیا جائے۔ نواب مظفر خان نے اس مطالبے کو حقارت سے ٹھکرا دیا۔[۱]

۲۵ فروری کی صبح رنجیت سنگھ نے ملتان پر حملہ کر دیا۔ گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی۔ سکھوں کی کثیر افواج اور زبردست دباؤ کے سامنے ملتانیوں کے قدم جمتے مشکل نظر آ رہے تھے۔ تاہم نواب مظفر خان کی موجودگی نے ان کے حوصلے بڑھائے رکھے۔ صبح سے دوپہر تک گلی گلی اور مکان مکان میں جنگ ہوئی۔ سکھوں کو زبردست جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ ملتان کی فوج نے بڑی بہادری اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا۔ شام تک خونریز جنگ جاری رہی۔ رات کو ملتان کی فوج نے پہلے تمام شہریوں کو معہ ان کے ضروری مال و اسباب کے بحفاظت نکال کر قلعہ میں بھیج دیا۔ پھر رات کی تاریکی میں خود بھی شہر کو خالی کر کے قلعہ میں آ گئی۔[۲]

نواب مظفر خان کا سربلند خان سے امداد طلب کرنا

ملتان شہر پر سکھوں کے قبضے کے باعث نواب مظفر خان سیاسی ابتلا میں گرفتار ہو گئے۔ یہ سن کر کہ ملتان شہر پر سکھ قابض ہو گئے ہیں، ان کے تمام اتحادیوں کے چھکے چھوٹ گئے۔ انھیں ملتان کی تباہی اور سکھوں کے ہاتھوں نواب مظفر خان کی شکست کا قبل از وقت یقین ہو گیا تھا اور نواب مظفر خان کی حمایت سے انکار کر دیا۔

۱۔ نواب بہاول پور جو نواب مظفر خان کا خاندانی حلیف تھا۔ سخت کشمکش و پنج میں پڑ گیا۔ انجام کار اس نے اپنے دیرینہ حلیف کے مقابلے میں روبہ ترقی اور زیادہ طاقتور ہمسایہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی حمایت کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ نواب مظفر خان نے جو وفد امداد حاصل کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ اس نے اسے منہ نہ لگایا بلکہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ایما پر اور اس کی خوشنودی کی غرض سے ملتان کی مہم میں سکھ فوج کی امداد کے لئے پانچ صد سواروں کا دستہ بھیج دیا۔[۳]

۱۔ نواب مظفر خان شہید ص ۱۶۰ ۲۔ نواب مظفر خان شہید ص ۱۶۱ ۳۔ نواب مظفر خان شہید ص ۱۶۱

اسی طرح نواب مظفر خان کے قرابت دار اور دیرینہ حلیف نواب محمد سربلند خان سدوزئی نواب منکیرہ ولیہ اور ڈیرہ اسماعیل خان کے پاس اپنے لڑکے ذوالفقار خان کو بھیجا۔ وہ بھی ان حالات میں حوصلہ ہار کر نواب کی امداد کرنے کی بجائے رنجیت سنگھ کو خوش کرنے کے لئے ایک لاکھ بیس ہزار روپے بطور نذرانہ مہاراجہ کو بھیج دیئے [1] ان نامساعد حالات میں نواب مظفر خان نے ہمت نہ ہاری اور زبردست جانی مالی نقصان کے بعد مہاراجہ رنجیت سنگھ کو پسپا ہونا پڑا۔

نواب سربلند خان کی وفات اور اولاد

نواب سربلند خان نے ۱۲۳۱ھ/۱۸۱۶ء میں مرض اسہال میں مبتلا ہو کر وفات پائی۔ مرتے دم تک مہاراجہ رنجیت سنگھ کی اطاعت قبول نہ کی اور ان کو نیچا دکھانے کے لئے اس کے تمام حربے اور چالیں اپنی سیاست سے ناکام بنا دیں۔ نواب سربلند خان کی اولادِ نرینہ نہ تھی۔ پانچ شادیوں میں سے صرف ایک لڑکی تھی جس کی شادی اپنے بھانجے حافظ احمد خان ولد عبدالرحمٰن خان سے کی جن کے بطن سے نواب شیر محمد خان تھے جو ان کے جانشین ہوئے۔ سدوزئی نوابانِ ڈیرہ اسماعیل خان اسی نواب شیر محمد خان کی اولاد سے ہیں جن میں نواب اللہ نواز خان وائس چانسلر گومل یونیورسٹی اور شیر افضل خان سدوزئی نامور اشخاص ہیں [2]

نواب سربلند خان کی تعمیرات اور قطعۂ تاریخ جامع مسجد

نواب سربلند خان نے دو قلعے تعمیر کئے جن میں عظیم قلعۂ منکیرہ اور مبارک گڑھ واقع تحصیل کوٹ ادو مشہور ہیں۔ اس کے علاوہ جامع مسجد اور مقبرہ نواب سربلند خان قابلِ ذکر ہیں۔ جامع مسجد پر یہ تاریخی قطعہ تا حال موجود ہے۔

ز نواب محمدؐ سربلند است	بنائے ایں چنیں کاشانۂ نو
پئے تاریخ ایں مسجد خرد گفت	زہے زیبا عبادت خانۂ نو

نواب سربلند خان کا دارالسلطنت منکیرہ تھا۔ ڈیرہ اسماعیل خان اور دوسرے علاقوں میں اپنے نائب کے ذریعے حکومت کرتے تھے۔ آپ کا مزار اندرونِ قلعہ منکیرہ واقع ہے [3]

---

[1] تاریخ لطیف صفحہ ۳۸۶ [2] نواب مظفر خان شہید صفحہ ۱۶۱، ۲۹۲ [3] اجلال و حشم از سید موسیٰ کاظم بھکر صفحہ ۱۸، جلیہ و کلیم از موسیٰ کاظم صفحہ ۹

نواب سربلند خان کی سجع مسجع مہریں

اَللہُ الصَّمَد
محمد سربلند خان
معین الدولہ فیروز جنگ
۱۲۱۰ھ

سرکار عالی کا سجع مسجع یہ ہے۔
مہر عدالت
نواب محمد سربلند خان
معین الدولہ فیروز جنگ

بیشک محمد فضل حق
۱۲۲۱ھ

مہر عدالت
وزیر اعظم محمد فضل حق

مہر عدالت
وزیر محصولات دیوان مانک رائے۔

چوں مانک کردہ۔ آبم نگہدار

سجع یہ ہے۔

کئی سندات پر وزیر محصولات مانک رائے کی مہر لگی ہوئی ہے۔ مانک موتی کو کہتے ہیں۔
"اے اللہ! جب تو نے مجھے مانک بنایا تو میری آبرو پر نگاہ رکھیو۔" [1]
دیوان مانک رائے کا ذاتی مکان اب بھی اندرونِ قلعہ منکیرہ واقع ہے۔ جو یونس کمال لودھی کے زیر تصرف

۴۔ حضرت سید شاہ جمال بخاری اور مراعات برائے دُعا طلبی

آپ نواب محمد سربلند خان سدوزئی کے پیر و مرشد تھے اور مشہور صاحب جمال و کمال ولی اللہ تھے اس وقت نواب محمد سربلند خان سدوزئی والی منکیرہ۔ بھکر، لیہ و ڈیرہ اسماعیل خان نے چند مواضعات بھکر، کروڑ، کہاڑی کوٹ اور خان پور کا کچھ سرکاری محصول بطور مراعاتِ سادات و دُعا طلبی کے لکھ دیا تھا۔ نواب صاحب ان کے مخلص معتقد تھے۔ اس زمانہ کا طرزِ تحریر نہایت عالمانہ اور فارسی زبان میں تھا۔
"حسب الارشاد نواب محمد سربلند خان آنکہ حکام و کاردارانِ حکومت بھکر و نوتک وخان گڑھ دالند

[1] اجلال دشتم ص۱۷۔ جلیس دکلیم ص۸

دریں وقت سیادت پناہ سید جمال شاہ بہ سرگزارش نمود۔ آنچہ چنگ فصلے مزبور برحکومت مزبورہ از سرکار مقرر است۔ کارداران بابت آبادیٔ کہنہ وجہ چنگ رامے دہند و بابت نو آبادی نے دہند۔ و توقع ایں معنی باعث اضطرابیٔ معاشں او است۔ غور نمود از آنجا ترفیہ احوال نمرۂ سادات بسرکار منظور است۔ لہٰذا قلمے مے رود کہ از آنچہ چنگ فصلے را موجبہ معمول قدیم سید مزبور از حکومت مستورے دہانیدہ باشد کہ آں را متصرف بودہ بدعائے از دیادِ عمر و دولت سرکار موظف شدہ"۔ [۱]

تحریر ۱۲ ربیع الاول ۱۲۱۰ھ

مہر عدالت۔ نواب محمد سربلند خان

اللہ الصمد
محمد سربلند خان
معین الدولہ فیروز جنگ
۱۲۱۰

نواب حافظ احمد خان سدوزئی منکیرہ

۱۲۳۱ھ / ۱۸۱۶ء تا ۱۲۳۷ھ / ۱۸۲۱ء

آپ نواب محمد خان المعروف نواب سربلند خان سدوزئی کے چچا زاد بھائی اور داماد تھے۔ وہ عبدالرحمن خان سدوزئی کے لڑکے تھے۔ نواب صاحب کی اولادِ نرینہ نہ تھی۔ پانچ شادیوں میں سے صرف ایک لڑکی تھی جس کی شادی اپنے بھانجے حافظ احمد خان سدوزئی سے کی۔ جن کے لڑکے نواب شیر محمد خان سدوزئی تھے جو ان کے جانشین ہوئے۔ [۱]

۱۲۳۱ھ / ۱۸۱۶ء میں نواب محمد خان سدوزئی حاکم منکیرہ و ڈیرہ فوت ہوا تو سکھوں نے اُس کے جانشین حافظ احمد خان سے خراج مانگا۔ اس نے انکار کیا تو سکھوں نے خان گڑھ اور محمود کوٹ کے قلعے چھین لئے۔ تھوڑی دیر کے لئے مان لیجئے کہ خراج کا مطالبہ پورا نہ ہونے کی بنا پر پیش قدمی اور تصرف جائز تھا لیکن معاملہ یہاں پر ختم نہ ہوا بلکہ پھولا سنگھ اکالی کو اجازت دے دی گئی کہ وہ مسلمان آبادی پر نہایت گھناؤنے ظلم کرے اور ان کی حد درجہ مکروہ انداز کی تذلیلات کا ہدف بنائے۔ [۲]

پھولا سنگھ اکالی نہنگ گروہ کا لیڈر تھا۔ اپنے ظلم و ستم کی وجہ سے بے حد رسوا تھا۔ رنجیت سنگھ اُسے اپنی فوج میں سب سے آگے رکھتا تھا تاکہ باقاعدہ فوج کے پہنچنے سے پیشتر آبادی پھولا سنگھ کے بے پناہ ظلم و جور سے مرعوب ہو جائے۔

[۱] نواب مظفر خان شہید صفحہ ۲۹۲، سیرت احمد شہید صفحہ ۳۴۷ از غلام رسول مہر۔ [۲] پنجاب گورنمنٹ ریکارڈز جلد پنجم صفحہ ۱۰۶

رنجیت سنگھ کا سیاسی دباؤ

جب کشمیر فتح ہوا تو اس وقت پشاور کے گورنر دوست محمد خان تھے اور ملتان کے گورنر سرفراز خان
سدوزئی۔ قصور کے گورنر قطب الدین خان اور منکیرہ کے حاکم اعلیٰ حافظ احمد خان سدوزئی تھے [1]
کشمیر کی تیسری مہم میں افغانوں سے شکست کھانے کے بعد رنجیت سنگھ کو اپنے عسکری نظام کی کمزوریوں کا
کا احساس ہو گیا تھا۔ چنانچہ اس کی اصلاح کی طرف خصوصی توجہ دی اور مقصد کے حصول کے لئے اس نے فتوحات کے
جو نقشے اور منصوبے بنائے تھے۔ ملتان ان میں پہلے نمبر پر تھا لیکن آخری اور فیصلہ کن حملے سے پہلے اس نے ملتان
کی دفاعی قوت کو کمزور کرنے کا جو پروگرام بنایا تھا اسکے مطابق حکومت ملتان کے اتحادیوں پر جس میں نواب منکیرہ
نواب بہاولپور، مخدوم اوچ شریف اور سدو سانے جھنگ شامل تھے۔ جن پر شدید فوجی اور سیاسی دباؤ ڈالا جا رہا تھا۔ [3]
چنانچہ اسی سلسلے میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ۱۲۳۱ھ/۱۸۱۶ء میں ایک فوجی مہم مرتب کی۔ اسے دیوان محکم چند کی
سرکردگی میں بہاولپور بھیجا۔ فوجی دباؤ میں آکر نواب بہاولپور نے اسّی ہزار روپے کی رقم بطور نذرانہ دی اور نواب
سرفراز خان حاکم ملتان نے بھی دیوان بھوانی داس کی معرفت اسّی ہزار روپے نذرانہ ادا کر کے رنجیت سنگھ کو
ملتان کی حدود سے چلتا کیا۔ [4]

نواب شیر محمد خان سدّوزئی منکیرہ

۱۲۳۱ھ/۱۸۱۶ء تا ۱۲۳۷ھ/۱۸۲۱ء

۱۲۳۱ھ/۱۸۱۶ء میں نواب محمد سربلند خان سدّوزئی نواب منکیرہ و ڈیرہ اسماعیل خان ولیہ بقضائے الٰہی فوت
ہو چکے تھے۔ ان کی اولادِ نرینہ نہ تھی۔ ان کے نواسے نواب شیر محمد خان اپنے والد حافظ احمد خان سدّوزئی کی سرپرستی
میں منکیرہ کے نواب مقرر ہوئے تھے۔ رنجیت سنگھ اس نئے انتظامِ حکومت سے بھی کچھ نذرانہ وصول کرنا چاہتا تھا
چنانچہ ریاست منکیرہ کی حدود میں پہنچتے ہی اس نے قلعہ محمود کوٹ اور خان کوٹ کو تاراج کر دیا۔ اس پر نوجوان
نواب شیر محمد خان سدوزئی نے پچاس ہزار روپے نذرانہ ادا کر کے ماہ اپریل ۱۲۳۱ھ/۱۸۱۶ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ
سے گلو خلاصی حاصل کر لی۔ [5]
حدودِ منکیرہ سے واپس ہوتے ہوئے رنجیت سنگھ نے نواب مظفر خان سدّوزئی کے ایک اور حلیف
نواب احمد خان سیال والئے جھنگ پر وار کیا اور اُسے مئی ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۸ء میں گرفتار کر کے لاہور بھیج دیا اور اس

[1] مہاراجہ رنجیت سنگھ از پروفیسر کوہلی ص ۱۲۹ [2] علماء ہند کا شاندار ماضی ص ۲۲۵ از میاں شیر محمد صاحب [3] نواب مظفر خان شہید ص ۱۹۳ تا ۱۹۵ [4] نواب مظفر خان شہید ص ۱۹۵
[5] محمد کمال سدوزئی ایڈووکیٹ۔

کے علاقہ کی حکومت سکھدیال کو ٹھیکے پر دے دی۔ ؎۱

اس سال رنجیت سنگھ نے مغربی پنجاب سے ملحق نواب مظفر خان کے تمام حلیفوں پر عسکری دباؤ ڈال کر نذرانے وصول کیۓ اور اپنی بالادستی سب سے منوالی۔ چنانچہ اس مہم کے اختتام پر نواب مظفر خان اور رنجیت سنگھ کے مابین آئندہ فیصلہ کن لڑائی کے سلسلہ میں مظفر خان کے حلیفوں کا فیصلہ ہو چکا تھا مگر اس کے تمام قدیمی حلیف اس سے کنارہ کش ہو کر رنجیت سنگھ کے ساتھ منسلک ہو چکے تھے۔

نواب شیر محمد خان سے رنجیت سنگھ کا معاہدہ دوستی

مہاراجہ رنجیت سنگھ نے سب سے پہلے منکیرہ و ڈیرہ اسمٰعیل خان کے نواب شیر محمد خان کی طرف توجہ دی جو خانوادہ سدوزئی بہادر خیل سے تعلق رکھتا تھا۔ ملتان اور ڈیرہ اسماعیل خان کے عوام کے گہرے ثقافتی اور لسانی تعلقات تھے۔ دونوں علاقوں کے عوام کی ایک دوسرے سے رشتہ داریاں تھیں اور وہ ہمیشہ ایک دوسرے کے رنج و غم میں شریک رہتے تھے۔ مزید برآں یہ عملداری افغانستان کے راستے پر واقع تھی اس لئے یہاں کا حاکم کسی بھی وقت افغانستان میں سیاسی حالات کا رُخ بدل سکتا تھا اور افغانی دباؤ کے نتیجے میں شیر محمد خان رنجیت سنگھ سے کئے گئے سابقہ وعدوں سے منحرف ہو سکتا تھا۔

چنانچہ آئندہ ملتان کے خلاف مہم کو مدِ نظر رکھتے ہوئے نواب شیر محمد خان پر دباؤ کا آغاز کیا گیا۔ رائے زادہ چونی داس کے ذریعہ شیر محمد خان سے یہ معاہدہ طے کیا گیا کہ وہ سالانہ اسی ہزار روپے نذرانہ پیش کرے گا اور ملتان کے ساتھ جنگ کی صورت میں رنجیت سنگھ کو گھوڑوں، اونٹوں اور سپاہ کی امداد دے گا۔ اس معاہدہ کے بعد شیر محمد خان واضح طور پر نواب مظفر خان کے حریف کا اتحادی بن گیا۔ اس معاہدہ کی رُو سے نواب مظفر خان منکیرہ اور ڈیرہ اسمٰعیل خان کے عوام کی اجتماعی امداد سے محروم ہو گیا۔ ؎۲

عنایت اللہ خان سیال کا منکیرہ میں پناہ حاصل کرنا

نواب سربلند خان کی وفات کے بعد ۱۲۳۹ھ / ۱۸۱۸ء میں رنجیت سنگھ ملتان فتح کرنے کی نیت سے جھنگ پہنچا۔ یہاں سے نواب احمد خان سیال کو ساتھ لے کر ملتان روانہ ہوا۔ جب دونوں سرائے سدھو کے قریب پہنچے تو رنجیت سنگھ نے دھوکے سے احمد خان سیال کو گرفتار کر کے قلعہ لاہور میں قید کر دیا اور جھنگ کی حکومت لالہ

؎۱ نواب مظفر خان شہید صفحہ ۱۹۶ ؎۲ نواب مظفر خان شہید صفحہ ۲، عمدۃ التواریخ جلد دوم صفحہ ۲۰۳، ظفرنامہ رنجیت سنگھ صفحہ ۹۴

سوجان رائے کے حوالے کے سپرد کردی۔
نواب احمد خان سیال کا لڑکا عنایت اللہ خان سیال جو اُس وقت جھنگ میں موجود تھا۔ اس نے باپ
کی گرفتاری کی خبر سن کر اپنے افرادِ خانہ کو ساتھ لیا اور نواب احمد خان سدوزئی حاکم منکیرہ کے پاس پناہ گزین
ہوگیا۔ اُدھر لالہ سوجان رائے نے فقیر ناگ سلطان سے قلعہ اُچ گل امام خالی کرا لیا۔ فقیر بھی قلعہ حیدر آباد (اموانی)
میں مقیم ہوگیا۔ حاکم اموانی منکیرہ نے ان سب سے بہت اچھا سلوک کیا۔ چونکہ حاکم منکیرہ سکھوں کا باجگذار تھا،
اس لئے رنجیت سنگھ نے اس کی جواب طلبی کی مگر معاملہ آگے نہ بڑھا [1]

رنجیت سنگھ کا تریموں گھاٹ پر حملہ

مہاراجہ رنجیت سنگھ ۱۲۳۶ھ/۱۸۲۰ء کے اواخر میں کشمیر سے فارغ ہو کر ریاست منکیرہ کی طرف متوجہ ہوا۔ ہری سنگھ
نلوہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا سالار تھا۔ اس نے ۱۲۳۷ھ/۱۸۲۱ء کے اوائل میں قلعہ منکیرہ فتح کرنے کے لئے تریموں گھاٹ
کے اس پار زبردست فوج جمع کی۔ منکیرہ کا اس وقت قلعہ دار حافظ احمد خان سدوزئی تھا جو اپنے بیٹے نواب
شیر محمد خان کو ریاست منکیرہ کی حکومت سپرد کر کے خود سرپرستی کر رہا تھا۔ ہری سنگھ نلوہ کے متوقع حملہ کا مقابلہ
کرنے کے لئے مسلمان بھی مسلح ہو چکے تھے۔ چنانچہ ہری سنگھ نلوہ نے نواح تریموں گھاٹ پر حملہ کر دیا۔ اس کے پاس
توپیں بھی تھیں اور بیس ہزار مسلح سکھ فوج بھی۔
مسلمانوں کو اس جنگ میں شکست ہو گئی۔ ہری سنگھ نلوہ دریائے چناب کو پار کرنے میں کامیاب ہو گیا۔
اس نے تریموں گھاٹ کے ارد گرد کے مسلمانوں پر سخت مظالم ڈھائے۔ قتل عام کیا۔ مکانوں کو آگ لگا دی۔ کھیتوں کو
تباہ و برباد کیا۔ جو مسلمان زندہ بچے۔ اُن پر فی کس ساڑھے پانچ روپے جُرمانہ کیا۔ عدم ادائیگی کی صورت میں جائیدادیں
ضبط کیں [2]
اس کے بعد قلعہ اُچ گل امام فتح کرنے کے لئے درگاہی شاہ میں پڑاؤ ڈالا۔ فقیر ناگ سلطان نے رشید پور
کے ہندوؤں کو درمیان میں ڈال کر رنجیت سنگھ سے معاہدہ دوستی کر لیا جس کے مطابق فقیر ناگ سلطان تین ہزار روپیہ
مہاراجہ رنجیت سنگھ کو ادا کرنے کا پابند ہو گیا [3]

قلعہ حیدر آباد (اموانی) پر سکھوں کا حملہ

اس کے بعد ہری سنگھ نلوہ نے تمام معاہدات کو بالائے طاق رکھ کر حیدر آباد (اموانی) پر حملہ کر دیا۔ ان دنوں

۱ـ تاریخ جھنگ ص ۲۳۶ ۲ـ تاریخ جھنگ ص ۲۳۷، تاریخ جنگ ہند پنجاب لکھاری شاہ محمد ص ۱۵ ۳ـ تاریخ جھنگ ص ۲۳۷

یہ ریاست نورنگ خان بلوچ کے پوتے اور خوشحال خان کے بیٹے حیدر خان کے قبضے میں تھی۔
حیدر خان آخری بلوچ حکمران تھا جس نے اپنے نام پر قلعہ اموانی کی بجائے قلعہ حیدر آباد تھل رکھا۔ حیدر خان نواب حافظ احمد خان سدوزئی حاکم منکیرہ کے زیر اثر تھا۔ یہ ریاست منکیرہ کی ذیلی ریاست تھی۔ ترمیوں گھاٹ کی پسپائی کے بعد یہاں زبردست مقابلہ ہوا۔ اقوام چھینہ نے رنجیت سنگھ کی مدد کی اور قلعہ کے خفیہ راستوں سے انھیں آگاہ کیا۔ ہری سنگھ نلوہ نے قلعہ کے خفیہ راستوں کو کنٹرول کر کے زبردست حملہ کیا۔ حیدر خان بلوچ مزاحمت کرتا ہوا مارا گیا۔ اسی طرح ریاست منکیرہ کے قدیم قلعہ حیدر آباد پر سکھوں کا قبضہ ہو گیا۔ ل

قلعہ منکیرہ پر ہری سنگھ نلوہ کا حملہ

ہری سنگھ نلوہ جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کا سالار تھا۔ ۱۶ اپریل ۱۲۳۷ھ/۱۸۲۱ء میں قلعہ منکیرہ فتح کرنے کے لئے مکمل تیار ہو چکا تھا۔ اس کے پاس توپیں اور بیس ہزار مسلح سکھ فوج تھی۔ ان دنوں ریاست منکیرہ کا حاکم نواب شیر محمد خان جو اپنے والد حافظ احمد خان کی سرپرستی میں حکومت چلا رہا تھا۔ ہری سنگھ نلوہ کے متوقع حملہ کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھا۔ دونوں میں کئی ماہ تک مقابلہ ہوتا رہا لیکن سکھوں کو کامیابی نہ ہو سکی۔ اس کے بعد زمزمہ توپ لائی گئی۔ رنجیت سنگھ اس لڑائی میں بذاتِ خود شریک تھا۔ گگی والہ ٹبہ پر رنجیت سنگھ خیمہ زن ہوا۔ الٰہی بخش ٹپولی نے جو توپ خانہ کا کمانڈر تھا، اسی ٹیلہ سے زمزمہ توپ سے متواتر کئی فائر کئے۔ پہلے گولے سے جامع مسجد نواب سربلند خان کی جنوبی دیواریں گر گئیں۔ پھر قلعہ قدیم اور قلعہ عظیم نواب سربلند خان کی جنوبی دیواریں گر گئیں۔ اس وقت قلعہ میں نواب صاحب کی فوج کی تعداد چار ہزار تھی۔ قلعہ کی دیوار ٹوٹتے ہی نواب صاحب کی فوج ہمت ہار بیٹھی۔ چنانچہ سابقہ معاہدۂ دوستی کی بنا پر ایک نیا معاہدہ عمل میں لایا گیا جس کی رُو سے سندھ پار کا علاقہ ڈیرہ اسماعیل خان نواب شیر محمد خان کو مل گیا۔ ل

معاہدہ تقسیم ریاست منکیرہ

آخر کار مہاراجہ رنجیت سنگھ اور نواب شیر محمد خان سدوزئی کے درمیان ایک معاہدہ طے پا گیا جس کی رُو سے دریائے سندھ کا مشرقی علاقہ بشمول ریاست منکیرہ۔ بھکر۔ لیہ۔ حیدر آباد تھل۔ میانوالی۔ نور پور تھل، چوبارہ۔ کوٹ آدم اور شیر گڑھ کے علاقے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے حوالے کئے گئے۔ اور دریائے سندھ کے مغربی علاقوں پر بشمول عیسیٰ خیل۔ بنوں۔ ڈیرہ اسماعیل خان، منگروٹھہ اور سانگھڑ پر نواب شیر محمد خان سدوزئی کی حکمرانی تسلیم کی گئی۔ ان علاقوں پر نواب حافظ احمد خان کے جانشین نواب شیر محمد خان نے ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء تک حکومت کی۔ پھر یہ علاقہ انگریزوں کے زیر تسلط آ گیا۔ ۲ھ

ل تاریخ جھنگ صفحہ ۱۲۷ ۲ھ تاریخ جنگ ہند پنجاب لکھاری شاہ محمد صفحہ ۱۶

شیرِ تھل بارُو خان بھڈوال

قلعہ دار کارلو والہ، ماہنی ۱۸۲۱ء

بارو خان ولد سپاہی خان بھڈوال علاقہ تھل کا عظیم بہادر۔ جری اور نڈر انسان تھا۔ اعلی اخلاقی قدروں کا حامل، خوبرو جوان اور فنونِ حرب وضرب کا نامور سپاہی تھا۔ جو نیزہ بازی اور گتکہ بازی میں پورے علاقہ تھل میں اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا۔ پہلوان اس کے ساتھ کشتی لڑنے سے کتراتے تھے۔ قلعہ کارلو والہ اور قلعہ ماہنی کا نگران اعلی تھا۔ جسکا عہدِ حکومت میں پیدا ہوا۔ نواب سربلند خان والیِ منکیرہ کی فوج میں بھرتی ہو کر شہرت پائی۔ اعلی حسنِ کارکردگی کی بدولت نواب صاحب کا منظورِ نظر بن گیا۔

۱ بھڈوالوں کا سکھوں سے بگاڑ

۱۸۲۱ء میں علاقہ نور پور تھل اور بھکہ منکیرہ وغیرہ پر مہاراجہ رنجیت سنگھ کا تسلط ہو گیا اور سردار خزان سنگھ نامی سکھ سردار اس علاقہ کا حاکم مقرر ہوا۔ اس نے تمن بھڈوال سے زرِ ترنی حیوانات اور مالیہ زمین طلب کیا۔ اس پر اکابرین تمن بھڈوال نے کہا کہ ہم لوگ عرصہ دراز سے اس علاقہ تھل آباد ہیں۔ زمانہ قدیم سے ہماری قوم کا دستور چلا آتا ہے کہ جو حاکم اس علاقہ تھل کا ہوتا ہے ہم اس کو بوقتِ جنگ مدد دیتے ہیں اور اس کے دشمن کے ساتھ لڑتے ہیں۔ اس لئے زرِ ترنی مویشان اور مالیہ زمین ہمارے تمن بھڈوال پر معاف رہا ہے۔ اس وقت سکھ سواروں میں سے ایک سکھ سوار نے بیہودہ کلمات زبان سے نکالے جس پر تمن بھڈوال کے جوان بپھر گئے اور خونِ جنگجوئی نے جوش مارا اور سکھ سوار جوانانِ قوم بھڈوال کے ہاتھوں قتل ہوئے[۱]۔

۲ سردار خزان سنگھ کی لشکر کشی

یہ خبر سنتے ہی سردار خزان سنگھ نے تمن بھڈوال پر لشکر کشی کا حکم دیا۔ اور سردار جرات سنگھ کی زیرِ قیادت ایک فوج منکیرہ سے روانہ ہوئی۔ جونہی یہ خبر بارُو خان۔ نور محمد خان۔ گل محمد خان۔ دیگھانے خان اور جراٹے خان وغیرہ کو ملی جو تمن بھڈوال کے سرکردہ لیڈر تھے۔ اپنے تمن کے جوانوں کو ہمراہ لے کر مقابلے کے لئے چل پڑے اور بمقام جنگل میرے والہ موضع شاہی ملیں جو منکیرہ سے چودہ کوس کے فاصلے پر ہے جا کر پڑاؤ ڈالا اور ایک آدمی سردار خزان سنگھ

---

[۱] تاریخ بھڈوال صفحہ ۱۲۴ از محمد رمضان بھڈوال لانسر

اور سردار جڑت سنگھ کے پاس بھیجا کر ہمارا ارادہ لڑنے کا نہ تھا بلکہ ان سواروں نے اپنی بے ہودہ گوئی کے باعث اپنے سر کٹوائے ہیں۔ ہم لوگ قدیم الایّام سے معافی زر ترنی مویشان اور مالیہ اراضی کے چلے آئے ہیں بعوض اس کے ہم لوگ اپنے حاکمِ وقت کو جہاں ضرورت پڑے جان و مال کی قربانی پیش کرتے ہیں۔ آپ یہی وجۂ انکار ہمارا مہاراجہ رنجیت سنگھ کو لکھ بھیجیں جو حکم صادر ہوگا، اس پر عمل کیا جائے گا۔ اس پر سکھوں نے جواب دیا کہ اب جنگ کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں۔ چنانچہ تمن بھڈوال کا ایلچی واپس آگیا۔ دونوں طرف سے چڑھائی ہوگئی۔ سکھوں نے واہگرو کا نعرہ بلند کیا اور بھڈوالوں نے نعرۂ تکبیر اور نعرۂ حیدری لگایا۔ دونوں طرف سے اول بندوقیں چلتی رہیں۔ آخر نوبت شمشیر زنی اور نیزہ بازی پر باہم پہنچی۔ تمن بھڈوال کے جوانوں نے زبردست حملہ کرکے سکھ فوج کو شکست سے دوچار کر دیا۔ سکھ فوج نے اپنے بہت سے جوان مروا کر میدانِ جنگ سے فرار میں عافیت سمجھی۔[1]

۳ سردار پردھان سنگھ کی لاف زنی

سردار پردھان سنگھ جو قصبہ نورپور تھل میں مقیم تھا۔ بڑا بہادر اور صاحب طاقت تھا۔ بارو خان بھڈوال کی بہادری کا حال سن کر متحیّر ہُوا اور ظاہری طور پر لاف زنی کرنے لگا کہ مُسلے کی کیا مجال کہ پردھان سنگھ کے ساتھ میدان میں آکر مقابلہ کرے اور میرے ہاتھ سے اپنی جان سلامت لے جائے۔

تھل کے لوگوں کو مطیع کرنے کے لئے سردار پردھان سنگھ نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ نورپور تھل سے اپنی جمعیت کے ساتھ حملہ کرکے لوگوں کے مال مویشی مار لاتا تھا۔ پھر زرِ ترنی مویشان وصول کرکے مالکان کو مال واپس کر دیتا۔ ایک دن سردار پردھان سنگھ موضع کارلو والہ کی جانب حملہ آور ہوا اور جنگل چراگاہ سے تمن بھڈوال کا گلۂ شتران بھگا کر جانب نورپور روانہ ہُوا۔ جب یہ خبر بھڈوالوں کو پہنچی تو سب سے پہلے بارو خان نے سوار ہو کر تعاقب کیا۔ رفتہ رفتہ دیگر اسپ سوار بھی بارو خان سے جا ملے۔[2]

۴ بارو خان کی سردار پردھان سنگھ سے لڑائی

اکیلے بارو خان نے للکار کر کہا کہ سردار پردھان سنگھ! جس کا تجھ کو انتظار تھا وہ آملا ہے۔ میدان سے پشت دکھانا بہادروں کا شیوہ نہیں۔ یہ بات سُن کر سردار پردھان سنگھ نے ہمراہیوں سے کہا۔ تم مال مویشی لے چلو۔ میں اس مُسلے کا کام تمام کرکے ابھی تم سے آملوں گا۔ بات ختم ہوتے ہی دونوں بہادروں کا باہم مقابلہ ہوگیا۔ اوّل دونوں میں نیزوں کے وار چلے۔ بعد میں تلواروں کی لڑائی ہوئی۔ لڑتے لڑتے دونوں زخمی ہو کر گھوڑوں سے نیچے اُترے۔

[1] تاریخ بھڈوال صفحہ ۱۲۷   [2] تاریخ بھڈوال صفحہ ۱۲۸

پردھان سنگھ زخموں سے چور کراہ رہا تھا کہ جمعیت سواران و پیادگان تمن بھڈوال کی آپہنچی۔ یہ دیکھ کر پردھان سنگھ نے باروخان سے کہا۔ اب میں تیری امان میں ہوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تیرے جوان مجھے قتل کر ڈالیں۔ اگر میں زندہ بچ گیا تو مہاراجہ سے تمہارے واسطے جاگیر دلواؤں گا۔ بعدازیں باروخان نے اپنے جوانوں کو کہا۔ ایک شخص میرے پاس رہے جو مجھ کو پانی پلائے اور سردار پردھان سنگھ کو ان کے مشکیزہ سے پانی پلائے۔ باقی سب جوان سکھ سرداروں کا تعاقب کرکے اپنا مال مویشی واپس لائیں۔ چنانچہ جوانان تمن بھڈوال دوڑے اور سکھ سواروں سے دو دو ہاتھ کرکے اپنا مال مویشی واپس لائے۔ سردار پردھان سنگھ زخموں کی تاب نہ لاکر چل بسا [1]

بعدازاں باروخان کو کجاوے میں بٹھا کر کارلو والہ لے آئے۔ جراح نے اس کے علاج میں بہت کوشش کی۔ جو زخم سینے کے تھے انہیں سی دیا۔ اور جو قابلِ مرہم تھے ان کی مرہم پٹی کی۔ بقول ضمیمہ خان بھڈوال اس معالج کو نواب شیر محمد خان سدوزئی نے بھیجا تھا۔ بفضل خدا چند روز میں باروخان صحت مند ہو گیا [2]

۵ دربارِ خالصہ میں باروخان کی طلبی

یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح دربار خالصہ میں پہنچی کہ باروخان بھڈوال نے سردار پردھان سنگھ کو میدان جنگ میں قتل کیا ہے۔ یہ افسوسناک خبر سنتے ہی پردھان سنگھ کی ماں مہاراجہ کی خدمت میں فریادی ہوئی کہ مہاراج جس جوان نے میرے بیٹے پردھان سنگھ کو مقابلہ کر کے میدانِ جنگ میں مارا ہے وہ کسی لائق ماں کا بیٹا ہے۔ آپ اُسے لاہور بُلوالیں۔ تاکہ میں اس کو دیکھ کر معلوم کر سکوں کہ وہ کیا جوان ہے؟ مہاراج نے اس کے ساتھ وعدہ کیا کہ میں ضرور باروخان کو بلا کر تجھے دکھاؤں گا۔ یہ کہہ کر مہاراجہ نے نواب شیر محمد خان والئے منکیرہ کو لکھا آپ بلاخوف وخطر باروخان کو میرے پاس بھیج دو۔ کیونکہ بھڈوالوں کا ان دونوں لڑائیوں میں کچھ قصور نہیں۔ اگر سردار جڑت سنگھ، ھزاں سنگھ اور سردار پردھان سنگھ چڑھائی نہ کرتے تو طرفین کا اس قدر جانی اور مالی نقصان نہ ہوتا۔ نواب شیر محمد خان نے باروخان کو بُلایا اور مہاراجہ کی تحریر پڑھ کر کہا۔

”باروخان! اس بارے میں تمہاری رائے کیا ہے؟“ باروخان نے جواب دیا۔ نواب صاحب! بندہ تابعدار ہے۔ جو حکم دیں گے میں اس پر عمل کر دوں گا [2]

۶ باروخان کے لئے مہاراجہ کا انعام

نواب شیر محمد خان نے باروخان سے کہا آپ بلاخوف وخطر مہاراجہ کی خدمت میں چلے جائیں۔ وہ ہرگز

1. تاریخ بھڈوال ص ۱۲۹ 2. تاریخ بھڈوال ص ۱۳۰

بدعہدی نہ کرے گا۔ اس پر بارو خان نے کہا، میں انشاء اللہ کل لاہور چلا جاؤں گا۔
بعد ازاں بارو خان منکیرہ سے کارلو والہ آیا اور واسطے نذرانہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے چند گھوڑے عمدہ تیار کرکے معہ سواران برادری سمت لاہور روانہ ہوا۔ لاہور میں سب سے پہلے نواب فتح محمد خان ٹوانہ سے ملاقات ہوئی۔ جب یہ بات مشہور ہوئی کہ بارو خان بھڈوال جس نے سردار پردھان سنگھ کو میدانِ جنگ میں مارا ہے، شہر لاہور میں آگیا ہے۔ لوگ جوق در جوق آکر دیکھتے تھے۔ جب مہاراجہ کو بارو خان کے آنے کی خبر ہوئی تو اس نے پردھان سنگھ کی والدہ کو بلا لیا۔ پھر بارو خان کو طلب کیا۔ بارو خان نے معہ اپنے ہمراہیان کے حاضر ہوکر نذرانہ پیش کیا۔ مہاراجہ بہادروں کی بڑی قدر کرتا تھا۔ بارو خان کو دیکھ کر بہت خوش ہوا کیونکہ بارو خان، قدو قامت، زور و طاقت، شجاعت اور حسن و خوبی میں ہمہ صفت موصوف تھا۔ مادر پردھان سنگھ نے بارو خان کی بہادری اور جرأت کی داد دی اور ساتھ ہی طلائی کنگنوں کا جوڑا انعام میں دیا۔ کہنے لگی۔ مہاراج! مجھے فخر ہے کہ میرا بیٹا ایک بہادر جوان کے ہاتھ سے سورگباش ہوا[1]۔

باشندگانِ تھل کے اوقاتِ بسر و گزر

تھل کے لوگوں کے اوقات بسر و گزر دو چیزوں پر موقوف تھے۔

۱۔ اول عام لوگوں کی مال مویشی پر گزران ہوتی تھی۔ کیونکہ ان لوگوں کے پاس اونٹ۔ گائیں۔ بھیڑیں۔ بکریاں اور گھوڑیاں کثرت سے ہوتی تھی جن کی آمدن سے یہ لوگ بہت خوش تھے۔

۲۔ خاص لوگ چھینے۔ بھڈوال۔ ٹوانے۔ بلوچ۔ کھوکھر اور مکین باشندگانِ تھل کا یہ دستور تھا کہ مال مویشی بھی رکھتے تھے اور حکام وقت کیلئے فوجی خدمات بھی دیتے تھے مغلیہ عہدِ حکومت میں ان قوموں کے لوگ بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے۔ بھڈوال چونکہ خاندانِ مغلیہ سے تھے۔ اس لئے مغلیہ عہدِ حکومت میں بڑی عزت سے دیکھے جاتے تھے۔ قوم بھڈوال سے زرترنی مولیشان اور مالیہ زمین عہدِ مغلیہ سے معاف تھا جس وقت سلطنتِ مغلیہ میں زوال آگیا تو یہ علاقہ تھل جس میں بھڈوال قوم آباد تھی، نواب منکیرہ کے زیرِ تسلط آگیا۔ اس سرکار کے عہد میں زرترنی مولیشان اور مالیہ زمین قوم بھڈوال سے معاف رہا مگر بوقت ضرورت جب کبھی نواب منکیرہ کو کسی جانب سے قصدِ جنگ ہوتا تھا تو تمن بھڈوال اعانت کے لئے تیار رہتے تھے[2]۔

---

[1] تاریخ بھڈوال صفحہ ۱۳۶ [2] تاریخ بھڈوال صفحہ ۱۲۷

سُلطان خان بارک زئی المعروف کڑبل پہلوان

سُلطان خان بارک زئی تھا جسے اس کی محیر العقول شہزوری

اُس دور کا سب سے قوی ہیکل۔ شہ زور اور رستم وقت سلطان بارک زئی تھا جسے اس کی محیر العقول شہزوری

اور خوش خوراکی کی وجہ سے کڑبل پہلوان کہتے تھے۔ اس کا ٹھکانہ لوہاری دروازہ ملتان کے باہر تھا

پیل تنی۔ اور خوش خوراکی کی وجہ سے کڑبل پہلوان کہتے تھے۔ اس کا ٹھکانہ لوہاری دروازہ ملتان کے باہر تھا

جہاں وہ ایک بڑی حویلی میں نوابانِ ملتان کی سرپرستی میں زور آزمائی کیا کرتا تھا۔ اس کی حویلی پر آج کل اس

کے نام پر سلطانی محلہ قائم ہے۔ سادہ لوح۔ نیک نیت اور اعلیٰ کردار کا عبادت گزار آدمی تھا۔ ہر وقت گوشہ نشین

نکالے اور چادر اوڑھے رہتا تھا۔ اس کی شہ زوری کے ایسے حیران کن واقعات مشہور ہیں کہ عقل دنگ

رہ جاتی ہے ۱؎

۱۲۱۷ھ / ۱۸۰۲ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ملتان کی حدود میں پہلی مرتبہ قدم رکھا اور بمقام ماہتم نواب مظفر خان

سے اس کی ملاقات ہوئی۔ دونوں طرف سے دوستی اور اخلاص کے وعدے وعید ہوئے اور اس دوستانہ فضا میں

کھیل تماشے۔ گھوڑ دوڑ اور نیزہ بازی کے مقابلے ہوئے۔ ان مقابلوں میں سلطان خان نے رنجیت سنگھ کے تمام

پہلوانوں کو پچھاڑ دیا۔ کشتیاں

سال ۱۲۱۹ھ / ۱۸۰۴ء میں جب شجاع الملک صوبہ سندھ سے واپس ڈیرہ غازی خان آئے تو نواب مظفر خان نے

شاہ کے سلام کے لئے نواب زادہ شاہ نواز خان کی سرکردگی میں جو وفد ملتان سے روانہ کیا۔ اس میں کڑبل پہلوان

بھی شامل تھا۔ بادشاہ نے اس کی شہ زوری کے امتحان کے لئے اس کا کابلی پہلوان اور شہ زوروں سے مقابلہ

کرایا۔ اس موقع پر بھی کڑبل پہلوان نے سب کو مات دے دی ۲؎

۱۲۳۳ھ / ۱۸۱۸ء تک کڑبل پہلوان ملتان میں رہا۔ کبھی کبھار نواب بہاولپور کی خدمت میں بھی حاضر ہوتا تھا اور اپنے

عزیز و اقارب کے پاس کڑہ احمد خان واقع احمد پور شرقیہ کے اکھاڑہ میں زور آزمائی کرتا تھا۔ سقوطِ ملتان کے بعد سکھوں

کی سرپرستی اس نے قبول نہ کی اور نواب شیر محمد خان سدوزئی نواب منکیرہ و ڈیرہ کے پاس چلا گیا۔ جہاں نواب

نے اس کی خاطر خواہ سرپرستی کی۔ نواب شیر محمد خان خود شہ زور تھے اور پہلوانی سے شغف رکھتے تھے۔ کڑبل

پہلوان نے ڈیرہ اور منکیرہ میں بھی فنِ پہلوانی کا نام روشن رکھا اور محیر العقول کارنامے سر انجام دیئے۔ اس کی اولاد

میں شاہ نواز خان نانی وال انگریزی دور میں ستارۂ ہند کا خطاب یافتہ اور نامور پہلوان تھا۔ تقسیم ملک کے بعد

شاہ نواز خان کا پوتا مشتاق خان نانی وال کچھ عرصہ نامور پہلوان رہا ہے ۳؎

۱؎ و ۳؎ نواب مظفر خان شہید ص۳۰۶ ۲؎ نواب مظفر خان شہید ص۳۰۷

شیر محمد خان ملے زئی سالارِ فوج منکیرہ

ایک مشہور فوجی خاندان کا فرد تھا اور خود نامورِ فنِ حرب و جنگ جو اور بہادر شخص تھا۔ نواب مظفر خان کی پیادہ فوج کا سالار تھا۔ اس کے خاندان کا ایک اور جوان مرد سرمست خان ملے زئی اس کا رفیقِ کار تھا۔ آخری معرکۂ ملتان میں دونوں نے زبردست کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ شیر محمد خان زخمی ہوا لیکن سرمست خان بہادری سے لڑتا ہوا شہید ہوگیا۔ شیر محمد خان ملے زئی بعدازاں نواب منکیرہ و ڈیرہ اسماعیل خان کی فوجوں کے سالار ہوگئے۔ ان کی اولاد میں سے سردار عبدالجبار خان قابلِ ذکر ہیں [1]

سدوزئیوں کا زوال اور منکیرہ کا سقوط

مملکتِ افغانستان کے حکمران احمد شاہ ابدالی نے ۱۱۶۲ھ/۱۷۵۱ء میں برِصغیر پاک و ہند پر حملہ کرکے ریاست منکیرہ کو اپنے زیرِ تسلط کرلیا۔ اور اس کا الحاق مملکتِ افغانستان سے کیا جس پر میر بلوچ خان ثانی حکومت افغانستان کی طرف سے ریاست منکیرہ کا والی بنا۔ ۱۲۰۴ھ/۱۷۸۹ء تک تمام جسکانی حکمران مملکتِ افغانستان کی طرف سے مقرر ہوتے رہے۔ بعدازاں میاں عبدالنبی کلہوڑہ نے لیہ، بھکر اور منکیرہ کی حکمرانی کی سند تیمور شاہ کے وزیرِ خزانہ امین الملک نور محمد خان بابری کی وساطت سے حکومتِ افغانستان سے حاصل کرلی۔ ابھی چند سال حکومت نہ کرنے پایا تھا کہ اپنی بدعنوانیوں اور رعایا پر بے پناہ ظلم ڈھانے کی وجہ سے بے حد غیر مقبول اور بدنام ہوگیا۔ چنانچہ تیمور شاہ دُرّانی کی وفات کے بعد زمان شاہ والیِ افغانستان نے نواب مظفر خان حاکمِ ملتان کو اس کی سرکوبی کا حکم دیا۔ چنانچہ نواب مظفر خان نے بذاتِ خود قلعہ منکیرہ پر حملہ آور ہوکر میاں عبدالنبی کو شکست دی اور زمان شاہ والی افغانستان کی خدمت میں فتح نامہ لکھ بھیجا اور اس علاقہ کی حکومت کے لئے اپنے نائب محمد خان بہادر خیل سدوزئی کی سفارش کی۔ چنانچہ زمان شاہ والیِ افغانستان نے محمد خان سدوزئی کو ۱۲۰۳ھ/۱۷۸۸ء میں سربلند کا خطاب دے کر لیہ اور کچھی شمالی کا حکمران تسلیم کیا۔ بعدازاں ۱۲۱۹ھ/۱۸۰۴ء میں منکیرہ کی ریاست بھی کلہوڑوں کے ہاتھوں سے نکل کر نواب سربلند کے تسلط میں آگئی نیز عیسیٰ خیل۔ کلاچی۔ گنڈاپور اور ڈیرہ اسماعیل خان کے علاقے بھی آپ کے کنٹرول میں آگئے۔ نواب سربلند کی وفات کے بعد حکومت ملتان اور منکیرہ میں بگاڑ پیدا ہوا۔ چنانچہ رنجیت سنگھ نے ان کے باہمی انتشار سے فائدہ اٹھا کر حکومت ملتان کے اتحادیوں پر شدید سیاسی اور فوجی دباؤ ڈالا۔ چنانچہ یہ ریاستیں جن میں بہاول پور۔ اُچ۔ جھنگ اور منکیرہ شامل تھیں۔ اتحاد سے نکل کر ہمیشہ کے لئے مٹ گئیں۔ بدیں وجہ ۱۲۳۷ھ/۱۸۲۱ء میں منکیرہ کا سقوط ہوا اور سدوزئی زوال پذیر ہوگئے۔

چھٹا باب

سکھوں کا دَورِ حکومت

۱۲۳۷ھ / ۱۸۲۱ء تا ۱۲۶۵ھ / ۱۸۴۹ء

دیوان لکھی مل حاکم منکیرہ

۱۲۳۷ھ / ۱۸۲۱ء تا ۱۲۵۴ھ / ۱۸۳۷ء

نواب شیر محمد خان سدوزئی کی شکست کے بعد منکیرہ اور اس کی ملحقہ ذیلی ریاستوں پر سکھ افسران متعین ہو گئے تھے لیکن مہاراجہ رنجیت سنگھ نے انتظامی سہولت کے پیش نظر ریاست منکیرہ کے علاقوں کو دیوان لکھی مل کے ماتحت کر دیا۔ چنانچہ دیوان لکھی مل نے رعب و دبدبہ سے پورے سولہ سال حکومت کی یعنی ۱۲۵۴ھ / ۱۸۳۷ء تک عظیم ریاست منکیرہ کا حکمران رہا۔[۱]

جن دنوں منکیرہ پر دیوان لکھی مل کی حکومت تھی۔ ملتان کا حاکم دیوان ساون مل تھا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ریاست منکیرہ کو حاکم ملتان دیوان ساون مل کے ماتحت کر دیا۔ اس طرح میانوالی اور عیسیٰ خیل کا علاقہ بھی دیوان ساون مل کے زیر نگین آگیا۔ اس کے بعد جھنگ اور ڈیرہ غازی خان کے تعلقہ جات بھی دیوان ساون مل کو پٹہ پر دے دیئے۔ اس طرح دیوان ساون مل کی عملداری روجھان تک پھیل گئی۔[۲]

مقامی روایت کے مطابق دیوان لکھی مل نے قلعہ عظیم نواب سربلند خان کے مغرب میں ایک کنواں کھدوایا یہ تاریخی کنواں آج بھی منکیرہ کے خاص و عام میں چاہ دیوان والا کے نام سے مشہور ہے۔

دیوان لکھی مل نے اندرون قلعہ منکیرہ سے مسلمانوں کو نکال کر ان کی جگہ ہندوؤں کو آباد کیا اور ان کو مکانات کی تعمیر کے لئے روپیہ فراہم کیا اور مسلمانوں کی اراضیات ہندوؤں کو الاٹ کر دیں۔[۳]

دیوان کرم نرائن حاکم منکیرہ

۱۲۵۴ھ / ۱۸۳۷ء تا ۱۲۶۲ھ / ۱۸۴۶ء

دیوان لکھی مل کی وفات کے بعد ۱۲۵۴ھ / ۱۸۳۷ء فروری میں ریاست منکیرہ کا حاکم مقرر ہوا۔ باپ کی موجودگی ریاست کا نظم و نسق چلاتا رہا۔ دیوان ساون مل کے قتل کے بعد اس کا بڑا لڑکا دیوان مولراج شرائط سابقہ ملتان کی صوبیداری پر فائز ہوا۔ البتہ مزید شرط یہ تھی کہ مبلغ تیس ۳۰ لاکھ روپے نذرانہ بھی ادا کرے گا۔ انہی ایام میں مولراج کا اپنے بھائی کرم نرائن سے بگاڑ ہو گیا۔ اس نے اپنے باپ کی جائیداد مالیتی تیس ۳۰

[۱] جلال دہشم از سید موسیٰ کاظم بھکر ص ۱۹ — [۲،۳] تاریخ ملتان حصہ دوم نور احمد خان آفریدی ص ۲۴۱، ۲۴۸

آخر گورنر جنرل کی مداخلت پر قرار پایا کہ مولراج تین ۳ لاکھ کی بجائے بیس لاکھ روپے ادا کرے۔ اس لاکھ روپے تقسیم کر لی جس سے نذرانہ ادا کرنے میں کچھ تاخیر ہوئی۔
کے بعد دیوان کرم نرائن وفات پا گیا ۱ے

دیوان وزیر چند حاکم منکیرہ

۱۲۶۲ھ/۱۸۴۶ء تا ۱۲۶۴ھ/۱۸۴۸ء

دیوان کرم نرائن کی وفات کے بعد دیوان ساون مل کا پوتا وزیر چند منکیرہ کا حاکم بنا۔ تقریباً دو سال حکومت کرنے کے بعد وفات پا گیا۔ اس کے عہد کا کوئی اہم واقعہ نہیں ہے۔ لہٰذا یہ ماننا پڑتا ہے کہ دیوان وزیر چند کا دورِ حکومت پُرامن دَور تھا ۲ے

انگریزوں کا منکیرہ پر تسلّط

عہد نامہ لاہور مارچ ۱۲۶۲ھ/۱۸۴۶ء کی رُو سے دلیپ سنگھ اگرچہ پنجاب کا حکمران چلا آتا تھا مگر اصل میں اس ملک کے سیاہ و سفید کا مالک سرہنری لارنس تھا جو ریذیڈنٹ کے طور پر پنجاب کے ضبط اور نظم و نسق پر پوری طرح نظر رکھتا تھا۔ جونہی اُسے انگریز افسروں کے قتل کی اطلاع ملی تو اس نے فوراً لیفٹیننٹ ایڈورڈز کو جو اس وقت ڈیرہ اسمٰعیل خان میں متعین تھا۔ ملتان پہنچنے کو لکھا۔ چنانچہ ۱۸ جنوری ۱۲۶۴ھ/۱۸۴۸ء میں لیفٹیننٹ ایڈورڈز نے بھکر، منکیرہ اور حیدر آباد پر اپنا قبضہ مستحکم کر کے دریائے چناب عبور کیا اور بکھڑین کے مقام پر خیمہ زن ہو گیا۔ دیوان مُولراج کو خبر ملی تو اس نے اپنی تمام فوجیں اُدھر جھونک دیں۔ خُوب گھمسان کا رن پڑا اور دیوان کی فوج نے بھی حقِ شجاعت ادا کیا۔ قریب تھا کہ انگریزی فوج کو شکست ہوتی کہ دفعتاً کرنل کورٹ لینڈ کی کمکی فوج چھ توپوں سمیت پہنچ گئی۔ اس کے آتے ہی لڑائی کا نقشہ بدل گیا۔ دیوان کے افسران نے ہزار سنبھالا لیا مگر ملتانی لشکر میں بھگدڑ مچ گئی۔

دیوان پسپا ہو کر ملتان پہنچا تو ملتان کے رؤسا انگریزوں سے مل چکے تھے۔ چنانچہ اپنی کامیابی سے مایوس ہو کر جاں بخشی کی شرط پر صلح کا پیغام بھیجا مگر ایڈورڈز نے ٹھکرا دیا۔ آخر کار دیوان لڑنے مرنے پر تیار ہو گیا اور دس بارہ ہزار کا لشکر ترتیب دے کر ملتان سے باہر نکل آیا۔ خوب لڑائی ہوئی۔ انگریزی فوج شکست سے دوچار

۱ے تاریخ ملتان حصہ دوم ص۲۴۸، تذکرۃ الملتان ص۹۴ محمد علی خان خدکہ ۲ے تاریخ ملتان ص۲۴۸ حصہ دوم

ہونے کو تھی کہ بمبئی سے جنرل وِش کی ماتحتی میں ۳۲ ہزار فوج آ پہنچی۔ گھمسان کا رن پڑا۔ ۲۲ جنوری ۱۲۶۵ھ/۱۸۴۹ء کو دیوان مولراج نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس طرح ملتان کا سقوط ہوا اور اس کی ملحقہ ریاستوں پر انگریزوں کا مکمل قبضہ ہو گیا [۱]

مہاراجہ رنجیت سنگھ کی فوج کے مسلمان کمانڈر

۱) **مظہر علی خان**:- مہاراجہ رنجیت سنگھ کے توپ خانہ اسپی میں کمانڈر تھا۔ ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۸ء میں مہاراجہ کی فوج میں بھرتی ہو گیا۔ اس وقت مظہر علی خان کے اسپی توپ خانہ میں ۷ توپیں تھیں (بحوالہ خالصہ دربار ریکارڈ جلد اوّل)

۲) **ماکھے خان**:- زنبور خانہ میں کمانڈر تھا۔ یعنی گھوڑ سوار فوج اس کے ماتحت تھی۔

۳) **غوث خان**:- غوث خان رنجیت سنگھ کے والد مہان سنگھ کی فوج میں ملازم تھا۔ پھر رنجیت سنگھ کی فوج میں توپ خانے کا بڑا افسر بنا۔

۴) **سلطان محمود**:- غوث خان کی وفات کے بعد اس کا بیٹا سلطان محمود مہاراجہ کی فوج میں بھرتی ہو گیا اور جرنیل کے عہدے تک پہنچ گیا۔ اس کا بیٹا سلطان احمد توپ خانہ میں کرنل بنا۔ سلطان محمود کے توپ خانے میں ۲۵ توپیں تھیں۔ دونوں باپ اور بیٹے نے جنگ بالاکوٹ میں حصہ نہیں لیا کیونکہ یہ دونوں ہزارہ سے تعلق رکھتے تھے۔ صرف ان کے توپ خانہ نے حصہ لیا [۲]

۵) **امام شاہ**:- توپ خانہ اسپی کا کمانڈر تھا۔ اس کی فوج میں کل گیارہ توپیں تھیں۔ ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء میں مہاراجہ کی فوج میں بھرتی ہوا۔

۶) **الٰہی بخش پٹولی**:- ۱۲۱۹ھ/۱۸۰۴ء میں مہاراجہ کی فوج میں بھرتی ہوا۔ ترقی کر کے جرنیل بنا۔ اس کے ماتحت فوج کے پاس ۳۰ توپیں تھیں گجرات کی جنگ میں انگریزوں سے مل گیا [۳]

مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ہُنر مند مُسلمان مُلازمین

۱) **شیخ عبداللہ اور روشن خان**:- یہ دونوں دو ہزار پیدل پلٹنوں کے افسرِ اعلیٰ تھے۔ جب ۱۲۱۸ھ/۱۸۰۳ء میں مہاراجہ نے خطابات تقسیم کئے تو ان کو کُمیدان کے خطاب دیئے گئے (بحوالہ مہاراجہ رنجیت سنگھ از پروفیسر کوہلی)

۲) **فتح لاہور**:- کے بعد شہری نظام قائم کیا گیا تو نظام الدین صاحب قاضی اور جج مقرر ہوئے اور

---

[۱] تاریخ ملتان حصہ دوم صفحہ ۲۵۱ - [۲] تاریخ ہند صفحہ ۱۴۱، خالصہ دربار ریکارڈ جلد اوّل [۳] مہاراجہ رنجیت سنگھ صفحہ ۲۱۷ خالصہ دربار ریکارڈ جلد اوّل صفحہ ، تاریخ ملتان

شفا خانوں کے افسر اعلیٰ حکیم نور الدین قرار دیئے گئے۔ چشتی مسلمانوں کے مفتی مقرر ہوئے۔ محمد شاہ اور سعد اللہ صاحب (بحوالہ مہاراجہ رنجیت سنگھ از پروفیسر گوبال شت ۴۹،۷۰)

۳) ٹکسال :- جب ٹکسال قائم ہوئی تو شاید کسی مسلمان کی ہی طباعی تھی کہ سکہ کے لئے یہ شعر موزوں کیا۔ یافت از نانک گورو گوبند سنگھ [1]
دیگ و تیغ و فتح و نصرت بے درنگ

۴) توپیں :- عام طور پر مسلمان بناتے تھے۔ منشی عبدالکریم صاحب مصنف تاریخ پنجاب نے ایسی ۴۸ توپوں کا ذکر کیا ہے جو مسلمانوں کی بنائی ہوئی تھیں۔ (بحوالہ تاریخ پنجاب ص ۴۵،۴۱)

۵) ۱۲۶۲ھ / ۱۸۴۶ء میں جب سکھ حکومت کا انگریزوں سے معاہدہ ہوا تو شرائط صلح طے کرنے اور سکھ حکومت کی طرف سے عہد ناموں پر دستخط کرنے والوں میں فقیر نور الدین کے دستخط ایک دستاویز پر موجود ہیں اور بعض موقعوں پر فقیر نور الدین کے ساتھ فقیر چراغ الدین اور سلطان محمد خان بھی سکھ حکومت کے نمائندوں میں شامل نظر آتے ہیں [1]

۶) فتح کشمیر کے سلسلے میں مہاراجہ کے لئے جس نے بہت خدمات انجام دیں وہ سلطان خان والی بمبر تھے۔ مہاراجہ کی طرف سے یار محمد خان جن کے بھائی دوست محمد خان تھے۔ پشاور کے گورنر تھے۔ اس کے علاوہ ملتان کے گورنر سرفراز خان سدّو زئی۔ قصور کے گورنر قطب الدین خان اور منکیرہ کے حاکم اعلیٰ حافظ احمد خان سدّو زئی تھے۔ جب گجرات فتح ہوا تو اس کی نظامت فقیر نور الدین کے سپرد ہوئی [2]

سکھوں کے عہد پر ایک نظر

سکھ غاصبانہ حیثیت سے پنجاب کے طول و عرض پر قابض ہو گئے تھے۔ کم و بیش تمام پنجاب اس وقت چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے آہستہ آہستہ تمام نوابوں کو شکست دے کر اپنی سلطنت کو وسیع کر لیا تھا۔ اس کا دور انتہائی جبر و تشدد، وحشت و بربریت کا دور تھا۔ ہر طرف بربادی کا دور دورہ تھا۔ اکثر مساجد، میگزین اور اصطبل کے طور پر استعمال ہوتی تھیں۔ جنوری ۱۸۴۸ء / ۱۲۶۵ھ میں انگریزوں نے قلعہ منکیرہ پر حملہ کیا تو منکیرہ کی تاریخی مسجد سربلند خان اصطبل بنی ہوئی تھی۔ مسلمانوں کو اذان دینے کی اجازت تک نہ تھی۔ قلعہ منکیرہ سے مسلمان آبادی کو زبردستی نکال کر اس کی جگہ ہندوؤں اور سکھوں کو آباد کیا گیا۔ اور کلیدی اسامیوں پر ہندوؤں اور سکھوں کا تقرر کیا گیا۔ مسلمانوں کے مذہبی تہواروں کو بھی انھوں نے منع کر دیا تھا

۱؎ تاریخ پنجاب ص ۴۱، ۴۵ ۲؎ علمائے ہند کا شاندار ماضی از میاں شیر محمد ص ۲۴۶

مشائخ کرام کے اعراس جو اسلامی دور میں انتہائی مشروع صورت میں انجام پانے تھے۔ سکھوں نے انہیں
میلوں ٹھیلوں کی صورت میں بدل دیا۔ تبلیغی جماعتیں جو سندھ سے ملتان اور شمالی پنجاب سے سخی سرور پہنچتی
تھیں۔ انہیں سنگ کا نام دیا۔

سکھوں نے بیشتر مسلمان اُمرأ کو جاگیروں کا لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا۔ ریاست عظیم تھل منکیرہ
کے چینے اور سرگودھا کے ٹوانے سکھوں کے خوشامدی اور آلہ کار بن گئے۔ نواب شیر محمد خان سدوزئی کے
خلاف سکھوں کا ساتھ دیا اور جاگیریں حاصل کیں۔ ان حالات میں منکیرہ کے آخری مسلمان تاجدار نواب شیر محمد خان
سدوزئی نے شکست کھائی اور منکیرہ کا سقوط ہوا۔

ساتواں باب

انگریز اقوام کا دَورِ حکومت

جنوری ۱۲۶۵ سنہ ھ ۱۸۴۹ء تا ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۶۶ سنہ ھ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء

انگریزی دورِ حکومت اور انتظامی تبدیلیاں

انگریزوں نے ریاست منکیرہ اور اس کی ملحقہ ذیلی ریاستوں کو مکمل طور پر دسمبر ۱۲۶۵ھ/۱۸۴۸ء تک اپنے قبضے میں لے لیا تھا اور سکھ حکومت کے تمام کارندوں کو فارغ کرکے جملہ اختیارات خود سنبھال لئے تھے۔ اور ریاستوں کی حدبندی ختم کرکے از سرِ نو مالگذاری شرح مقرر کی اور بندوبست اراضی کا اہتمام کیا۔ ریاست منکیرہ اور اس سے ملحقہ علاقے بشمول حیدرآباد۔ لیہ۔ بھکر۔ کلورکوٹ اور منکیرہ کو تحصیل کا درجہ دے کر ضلع جھنگ میں شامل کر دیا گیا۔ ۱؎

بعد ازاں لیہ اور منکیرہ کی تحصیلوں کو سن ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء میں ضلع جھنگ سے علیحدہ کرکے ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان میں شامل کر دیا گیا۔ سن ۱۲۷۶ھ/۱۸۶۰ء میں منکیرہ کی تحصیل کا درجہ گھٹا کر بھکر تحصیل بنا دی گئی۔ اسی دوران تحصیل دریا خان کو توڑ کر بھکر تحصیل میں ضم کر دیا گیا۔ نیز میانوالی اور عیسیٰ خیل کو بھی تحصیل کا درجہ دے کر ضلع بنوں میں شامل کیا گیا۔ جب ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء میں شمال مغربی سرحدی صوبہ تشکیل دیا گیا تو ضلع بنوں کی دو تحصیلیں میانوالی اور عیسیٰ خیل اور ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان کی دو تحصیلیں بھکر اور لیہ صوبہ سرحد سے خارج کر دی گئیں۔ بعد اکتوبر ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء میں ان چار تحصیلوں پر مشتمل ایک نیا ضلع میانوالی قائم کرکے صوبہ پنجاب میں شامل کر دیا گیا۔ ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء میں تحصیل لیہ ضلع میانوالی سے علیحدہ کرکے ضلع مظفرگڑھ شامل کر دی گئی۔ اس طرح ضلع میانوالی تین تحصیلوں پر مشتمل رہ گیا۔ ۱؎

۱۔ تحصیل میانوالی ۲۔ تحصیل عیسیٰ خیل ۳۔ تحصیل بھکر

۱۵ نومبر ۱۳۹۹ھ/۱۹۸۱ء میں تحصیل بھکر کو ضلع کا درجہ دیا گیا۔ یکم جولائی ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۲ء سے اس ضلع نے اپنا کام شروع کیا اور اس نئے ضلع کی تین تحصیلیں وجود میں آئیں۔

۱) تحصیل منکیرہ ۲) تحصیل کلورکوٹ ۳) تحصیل بھکر

رؤسائے پنجاب کی غدّاری

پنجاب پر قبضہ کرنے کے بعد انگریزوں نے مختلف اضلاع کے زمینداروں۔ رؤسا اور دیگر صاحبان اثر کی فہرستیں مرتّب کیں۔ ریاست منکیرہ میں بسنے والی اقوام میں سے چھینے۔ بھڈوال۔ جھمّٹ۔ شہانی ڈھانڈلے

۱؎ تذکرہ اولیائے جھنگ ۲؎ ہفت روزہ بادبان میانوالی سپلیمنٹ مورخہ ۱۵/۹/۸۱

کھاوڑ۔ پٹھان اور بعض ہندو رؤسا کے نام کمشنر ملتان کو بھیجے گئے جنھوں نے برطانوی حکومت سے وفاداری کا اعلان کیا۔ پھر جنوری ۱۲۷۳ھ/۱۸۵۷ء میں ریاست منکیرہ کے اُن امراء کو لاہور میں چیف کمشنر کے سامنے پیش کیا گیا جہاں اس نے ان خوشامدیوں اور ملک دشمنوں کو جاگیریں عطا کیں اور رائے بہادر۔ خان بہادر اور خان صاحب وغیرہ کے خطابات دیئے گئے۔ کچھ صوبائی درباری بنائے گئے۔ کچھ ڈسٹرکٹ درباری مقرر ہوئے اور کچھ کرسی نشین نامزد کیے گئے۔

چنانچہ ان غداروں کے ذریعے انگریزوں نے اس علاقہ کا نظم ونسق چلایا۔ بعض کو ذیلداریاں اور نمبرداریاں عطا کی گئیں۔ ہمارے ضلع بھکر کے ملک لدھو خان کہاوڑ کو خان بہادر کا خطاب دیا گیا اور ملک اللہ ڈیوایا چھینہ علاقہ منکیرہ کے ذیلدار مقرر ہوئے۔ [1]

۱۲۷۳ھ/۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اور میرٹھ کی بغاوت

جس وقت مولراج کے مقابلے میں انگریزوں نے قلعہ ملتان پر فتح پائی تھی۔ اُس وقت سے ملتان جھنگ۔ منکیرہ اور مظفر گڑھ کے رؤسا کی ہمدردیاں انگریزوں کے ساتھ تھیں لیکن اِن اضلاع کے عوام میں سخت نفرت کے جذبات پیدا ہو چکے تھے۔ ملتان میں ہی سینکڑوں مسلمان عورتوں نے بے عزتی کے خوف سے کنوؤں میں چھلانگیں لگا دیں۔ علماء اور فقراء نے سیاسی معاملات میں گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ عوام میں انگریزوں کے خلاف عدم تعاون کی تحریک پیدا ہو گئی۔ مگر اس منظم تحریک کو قیادت میسر نہ آ سکی جس کے باعث عوامی قوتیں پوری طرح نہ اُبھر سکیں [2]

میرٹھ کی بغاوت:۔ چونکہ ہندوستان بھر میں انگریزوں کے خلاف حقارت و نفرت کی تحریک موجود تھی کہ اچانک ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ کی رجمنٹ کے ۸۷ سپاہیوں نے چربی والے کارتوس استعمال کرنے سے انکار کر دیا جس پر انگریزوں نے ان تمام کو گرفتار کر لیا۔ اُن کی گرفتاری سے تمام چھاؤنیوں میں جذبات بھڑک اُٹھے اور ہندوستانی سپاہی بغاوت کا پرچم لہراتے ہوئے دہلی کی طرف روانہ ہو گئے۔ بغاوت کی خبریں ملک کے گوشہ گوشہ میں پہنچ گئیں۔ چنانچہ ان ہی اثرات کے تحت ملتان میں انگریزی فوج کی پلٹن نمبر ۶۲ اور نمبر ۶۹ نے بغاوت کر دی۔ دوسری طرف جھنگ کی فوجی چھاؤنی گوگیرہ کے انچارج مسٹر برکلے کے سخت رویّہ کے خلاف نواب احمد خان کھرل مصروفِ پیکار تھا [3]

[1] تاریخ اسلام ص ۳۳۴ [2] تاریخ ملتان حصہ دوم [3] کال بلیندی

چنیوٹ میں مولانا نور احمد نقشبندی کے پیروکار سرکاری ڈاک چوکیوں کو لوٹ رہے تھے۔ ملتان کی پلٹن نمبر ۶۹ کا صوبیدار ناہر خان باغی ہو کر دریائے چناب کے کنارے کنارے اپنے ساتھی لئے لوگوں کو بغاوت کے لئے تیار کر رہا تھا اور قصبہ حویلی بہادر شاہ کے پیر احمد شاہ گیلانی نے سادات، سیالوں اور کچھ قریشیوں کو ہمراہ لئے ڈاک چوکیاں لوٹنے اور انگریزوں کو پریشان کرنے میں مصروف رہا۔ ۱

انگریزی دور کی اصلاحات

۱۲۷۹ھ/۱۸۶۰ء میں پورے گیارہ سال تک انگریزی حکومت پورے پنجاب بلکہ ہندوستان پر مکمل قدم جمانے میں لگی رہی اور مقامی حالات سے واقفیت حاصل کرنے اور مختلف قبائلی سرداروں اور زمینداروں کو اپنا وفادار بنانے میں مصروف رہی۔ گو ان گیارہ برسوں میں بعض قوانین نافذ کئے گئے مگر ان کی نوعیت عبوری اور عارضی قسم کی تھی۔ وہ نفسیاتی طور پر ایک قانون نافذ کرنے کے لئے لوگوں کا ردِ عمل دیکھتے تھے اور پھر اسے مستقل طور پر لاگو کر دیتے تھے۔ چنانچہ ۱۸۶۰ء میں پہلا بندوبست ہوا وہ نامکمل اور عارضی تھا۔ اس کے بعد انگریزوں نے مسلمانوں کی مذہبی آزادی کو مساجد کی حد تک بحال کیا۔ سکھوں کے عہدِ حکومت میں جو مسجدیں، مندروں اور اصطبلوں میں تبدیل ہوئی تھیں، انھیں واگزار کیا۔ سکھوں کے عہد میں نافذ شدہ مالیہ میں بیس فیصد رعایت دیدی۔ جن سکھوں نے مسلمانوں کی اراضی ہتھیا رکھی تھی۔ وہ واپس کرائی گئی۔ اس طرح انگریزوں نے مسلمانوں میں اعتماد کی فضا پیدا کی۔ ۲

بندوبست اراضی

۱۸۸۰ء میں دوسرا مستقل بندوبستِ اراضی کیا گیا۔ اس وقت انگریزوں نے محکمہ مال کے قوانین نافذ کئے۔ ذیلداریاں اور نمبرداریاں بنائی گئیں۔ پھر اُن کے معاون چوکیدار بنائے گئے۔ پنجاب میں مختلف نئے اضلاع تشکیل دیئے گئے۔ پھر ان کی تحصیلیں بنائی گئیں۔ تحصیلوں کو ذیلداریوں اور نمبرداریوں میں تقسیم کیا گیا۔ پھر ان کے معاون چوکیدار مقرر کئے گئے۔

دراصل یہ انگریزوں کی وفادار فوج تھی۔ جن کا کام مُخبریاں کرنا تھا اور مجوزہ مالیہ کی رقم وصول کرنے کے عوض ذیلدار کل رقم کا دو فیصد۔ نمبردار پانچ فیصد۔ اور چوکیدار نصف روپیہ فی صد اپنے پاس رکھتے تھے۔ اس فوج کے علاوہ ڈسٹرکٹ درباری۔ کرسی نشین اور پراونشل درباری کی بھی کرسیاں نکالی گئی تھیں۔ ضلع میں ایک ڈپٹی کمشنر، ایک پولیس کپتان اور ہر تحصیل میں ایک تحصیلدار مقرر ہُوا۔ پٹواری کی پوسٹ بنائی گئی۔ اس وقت پٹواری کی تنخواہ صرف بارہ روپے ماہانہ مقرر کی گئی۔

ایسٹ انڈیا کا خاتمہ

جنوری ۱۸۴۹ء ۱۲۶۵ھ میں پنجاب پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا قبضہ ہوگیا تھا اور یہ تجارتی ادارہ ایک حکمران کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ اس تجارتی ادارے کو کمپنی بہادر کا نام بطور حکمران دیا گیا تھا۔

'اب اسی تاجر کے سر پر تاج تھا'

ظاہر ہے کہ ایک تجارتی ادارے کو اس قسم کا نام دینے سے ہندوستان اور پنجاب کے عوام کی زبردست توہین تھی اور یہاں کے عوام اسے اپنی بے عزتی کے مترادف گردانتے تھے۔ اور دلی طور پر کمپنی کے مخالف ہو چکے تھے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی سے کمپنی کے مخالفین میں زبردست اضافہ ہوگیا تھا۔ چنانچہ اس حقیقت کو انگریزوں نے بھی سمجھ لیا۔ اور ان حالات کے پیشِ نظر ۱۸۵۸ء میں ایک بل پیش کیا جسے انڈین کونسل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس ایکٹ کی رُو سے مندرجہ ذیل اہم باتیں طے پائیں۔

۱) ہندوستان اور پنجاب کی حکومت براہِ راست تاجِ برطانیہ کے سپرد کر دی گئی۔
۲) گورنر جنرل کے عہدے کو وائسرے کا نام دیا گیا اور وائسرے کو تاجِ برطانیہ کی مرضی سے صوبائی گورنر مقرر کرنے کا اختیار دیا گیا۔
۳) برطانوی کیبنٹ میں ایک نئے وزیر یعنی وزیرِ ہند کا اضافہ کیا گیا۔
۴) تمام افواج کو براہِ راست تاجِ برطانیہ کے ماتحت کر دیا گیا اور نئے سرے سے انڈین سول سروس کا آغاز کیا گیا۔
۵) ایسٹ انڈیا کمپنی کا خاتمہ ہوگیا۔

انڈین نیشنل کانگرس

انگریزوں نے ہندوؤں کی مدد سے مسلمانوں پر فتح پائی تھی۔ اس لئے انھوں نے ہندوؤں پر ہر قسم کی نوازشات کے دروازے کھول دیئے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس غیر مساوی سلوک سے مسلمان روز بروز پستے چلے گئے۔ اور ہندو اُبھرتے چلے گئے۔ یہ لوگ مسلمان کے مقابلہ میں زیادہ متمول اور تعلیم یافتہ تھے۔

ایک ڈاکٹر ہیوم نے ۱۸۸۵ء میں انڈین نیشنل کانگرس کی بنیاد رکھی۔ شروع شروع میں اس کے مطالبات یہ تھے کہ مجلسِ قانون ساز کی توسیع کی جائے۔ اس میں ہندوستانی زیادہ تعداد میں لئے جائیں اور ہندوستانیوں کو اعلیٰ ملازمتوں میں زیادہ سے زیادہ تعداد میں لئے جائے۔ فوجی اخراجات کم کئے جائیں۔ اس وقت گورنمنٹ

کا رویہ بھی کانگرس کی طرف ہمدردانہ تھا لیکن رفتہ رفتہ گورنمنٹ کا رویہ بدل گیا اور کانگرس کا نقطہ نظر بھی بدل گیا۔ انجام کار کانگرس کا نصب العین مکمل آزادی ہوگیا۔ اس زمانے میں مسلمانوں کے لیڈر سرسید احمد خان تھے۔ ان کی سیاسی بصیرت نے بھانپ لیا کہ مسلمانوں کی پسماندگی دُور کرنے کے لئے تعلیم ضروری ہے اس لئے ملک کے طول و عرض میں جگہ جگہ اسلامیہ مدارس کا اجرا کیا گیا اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کو کامیاب کیا۔ اور مسلمانوں کو کانگرس سے دُور رکھنے کی کوشش کی۔ جب کانگرس ایک زبردست سیاسی جماعت بن گئی تو مسلمان بو فطرتاً آزادی پسند تھے اُس میں جوق جوق شامل ہونے لگے۔ علماء دیوبند تو اس میں اس طرح مدغم ہوئے کہ اس دلدل سے پھر نہ نکل سکے۔ مسلمانوں نے کانگرس میں شامل ہو کر قابلِ قدر کام کیا۔ عظیم قربانیاں دیں۔ صعوبتیں برداشت کیں اور جب انگریزوں نے جذبۂ آزادی کو کچلنے کے لئے بندوقیں تانیں تو مسلمانوں نے اپنے سینے سامنے کر دیئے اس دَور میں مولانا محمد علی جوہر۔ مولانا شوکت علی۔ مسٹر محمد علی جناح، مسیح الملک حکیم اجمل خان اور مولانا ظفر علی خان پیش پیش تھے۔ ؎

مُسلم لیگ کا قیام اور معاہدہ لکھنو

انڈین نیشنل کانگرس کے قیام کا بظاہر مقصد یہ تھا کہ ایک ایسی جماعت کو وجود میں لایا جا سکے جو پورے ملک کے تمام مکاتب فکر و مذاہب کے افراد کی شمولیت پر مبنی ہو اور جس کا ایک مشترکہ نصب العین اور لائحہ عمل ہو۔ ابتداء میں مسلمانوں، ہندوؤں اور سکھوں نے مشترکہ طور پر اس میں شمولیت کو اپنے لئے بہتر سمجھا لیکن مسلمانوں نے اس جماعت کی اندرونِ خانہ کارروائیوں کا جب مطالعہ کیا تو اُنھیں پتہ چلا کہ اس جماعت کی تشکیل کا اصل مقصد ہندوؤں اور سکھوں کو مراعات دلانا ہے نہ کہ مسلمانوں کو بحالیٔ وقار میں شامل کرنا ہے۔ مسلمان اس حقیقت کو جان کر ایک علیٰحدہ پلیٹ فارم بنانے پر تیار ہو گئے اپنے لئے ایک علیحدہ سیاسی جماعت کی تشکیل کو ضروری سمجھا۔ چنانچہ ۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء میں ڈھاکہ کے مقام پر آل انڈیا مسلم لیگ کا وجود عمل میں لایا گیا۔ مسلمانوں کی یہ انتہائی خوش قسمتی تھی کہ انھیں ۱۹۱۳ء میں قائدِ اعظم محمد علی جناح جیسی عظیم شخصیت رہنمائی کے لئے میسر آ گئی جس نے تھوڑے ہی عرصہ میں سر توڑ کوشش کرکے اس نوزائیدہ جماعت کو کانگرس کے مدِ مقابل بنا دیا۔ ؎

مُعاہدۂ لکھنؤ :- ان حالات کی روشنی میں انگریز ۱۹۰۹ء کے آئینِ ہند میں مسلمانوں کے قومی حق کو تسلیم کر چکے تھے۔ اب لکھنو میں ہندو نیتاؤں نے بھی اس پر مُہرِ تصدیق ثبت کر دی۔ اس طرح مسلمانوں کی جداگانہ حیثیت مُسلم ہو گئی۔

۱؎ تاریخ ملتان حصہ دوم ص۲۷۵   ۲؎ تاریخ ملتان حصہ دوم ص۲۸۱، تاریخ پنجاب، اصغر علی جعفری ص۳۴۲

جنگِ عظیم اوّل

پہلی جنگِ عظیم یورپ میں ۲۱ جولائی ۱۹۱۴ء سے ۱۱ نومبر ۱۹۱۸ء تک لڑی گئی۔ اس میں ہندوستانیوں نے برطانیہ کی بہت مدد کی۔ جنگ کی اصل وجہ یہ تھی کہ آسٹریا کا ولی عہد مملکتِ سرویا میں سیر کرتے ہوئے قتل ہوگیا۔ اس واقعہ کی بنا پر آسٹریا نے سرویا کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ سرویا کی حمایت روس نے کی۔ اور آسٹریا کا حامی جرمنی ہوگیا۔ اس طرح فرانس۔ روس۔ بلجیم۔ برطانیہ۔ اٹلی اور یونان ایک طرف ہو گئے آسٹریا جرمنی۔ ترکی اور بلغاریہ دوسری طرف ہو گئے۔ جرمنی کی خطرناک توپوں، ہوائی جہازوں۔ آبدوزوں اور دوسرے سامانِ جنگ اور فوجی قابلیت کی وجہ سے وسطی یورپ کی طاقتوں کا پلہ بھاری رہا لیکن جب امریکہ اتحادیوں کے ساتھ مل گیا تو جرمنی شکست کھا گیا۔ یہ جنگ ۱۱ نومبر ۱۹۱۸ء کو ختم ہوئی۔

۱) اِس جنگ میں تقریباً ۱۲ لاکھ ہندوستانیوں نے حصہ لیا اور ہر محاذ پر بڑے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ دس ہندوستانی سپاہیوں نے وکٹوریہ کراس حاصل کیا۔

۲) اس جنگ میں ہندوستانی رہنماؤں مثلاً مہاتما گاندھی۔ پنڈت موہن لعل مالویہ اور قائدِ اعظم محمد علی جناح نے ہندوستانیوں کو برطانیہ کی مدد کرنے کی ترغیب دی۔

۳) دورانِ جنگ ہندوستانیوں کا پندرہ کروڑ چالیس لاکھ روپیہ صرف ہوا اور دس کروڑ پونڈ روپیہ نقد برطانیہ کو بطور امداد دیئے گئے۔

۴) دورانِ جنگ میں تقریباً ۳۶۶۹۶ ہندوستانی زخمی ہوئے اور ۶۹۸۹۸ افراد مارے گئے۔ غنیم نے بھی ہندوستانی سپاہیوں کی بہادری، جاں نثاری اور وفاداری کا اعتراف کیا۔

۵) اس جنگ میں پنجاب بھر کے لوگوں نے خصوصاً فوج میں بھرتی ہو کر برطانیہ کی مدد کی۔

تحریکِ خلافت

جنگ میں اتحادیوں کو شاندار فتح ہوئی مگر اس نشے میں انگریز وہ تمام وعدے بھول گیا جو اس نے سلطان ترکی اور مقاماتِ مقدسہ کے سلسلے میں مسلمانوں سے کئے تھے۔ اس کی شہ پر یونانیوں نے ترکوں پر ایسے مظالم ڈھائے کہ ان کے اظہار سے قلم کا جگر پھٹتا ہے۔ خلافت کی قبا چاک چاک کر دی گئی اور ترکوں کے سامنے ایسی اہانت آمیز شرائط پیش کیں کہ اسلامی دنیا رنج و غم سے چیخ اٹھی۔ پاک و ہند کے مسلمانوں نے مولانا شوکت علی مولانا محمد علی جوہر اور مولانا آزاد کی قیادت میں خلافت کی تحریک شروع کر دی۔ ان کا مطالبہ تھا کہ خلافت

سلطنت ترکیہ کا تحفظ کیا جائے۔ گاندھی جی مسلمانوں کے دانا دشمن تھے۔ انھوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا
اور مسلمانوں کو خوب ابھارا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اکثر مسلمانوں نے ملازمتیں اور مزدوروں نے مزدوری چھوڑ دی
طلباء نے سکول اور کالج جانا چھوڑ دیا۔ ہنستے کھیلتے لاکھوں مسلمانوں نے سینوں پر گولیاں کھائیں۔ جیلوں میں
گئے اور بعض مسلمان ہجرت کر کے افغانستان چلے گئے لیکن وہاں سخت سردی برداشت نہ کر سکے اور مر کھپ
کر واپس آگئے۔ اس تحریک نے مسلم لیگ کو کمزور کر دیا۔ [1]

افغانستان کی تیسری لڑائی

۲۱ جمادی الاوّل ۱۳۳۷ھ بمطابق ۲۰ فروری ۱۹۱۹ء میں افغانستان کے حکمران امیر حبیب اللہ خان
کو کسی نے قتل کر دیا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا امیر امان اللہ خان تخت نشین ہوا۔ وہ انگریزی اثر سے
آزاد رہنا چاہتا تھا۔ ان دنوں پاک و ہند میں رولٹ ایکٹ کے سبب انتشار سا پھیلا ہوا تھا۔ تحریک
خلافت کے دوران جو لوگ ہجرت کر کے کابل پہنچے تھے۔ انھوں نے امان اللہ خان کو یقین دلایا تھا کہ ہندستانی
عوام برطانوی حکومت سے سخت نالاں ہیں۔ اگر کوئی مسلمان اس ملک پر حملہ کر دے تو ہندوستانی یقیناً اس
کا ساتھ دیں گے۔ ترکِ موالات کی تحریک سے ان افواہوں کی مزید تصدیق ہوئی۔ جس پر امیر امان اللہ خان
نے ہندوستان پر حملہ کر دیا۔ تمام سرحد پر لڑائی چھڑ گئی۔ درۂ خیبر میں تو انگریزوں کا پلّہ بھاری رہا اور انھوں
نے ہوائی جہازوں سے جلال آباد اور کابل پر بم گرائے۔ لیکن جنوبی محاذ پر جنرل نادر خان نے انگریزوں کو سخت
پریشان کیا اور فورٹ سنڈیمن کا محاصرہ کر لیا۔ انجام کار دونوں حکومتوں نے بہتری اسی میں سمجھی کہ صلح کر لی
جائے۔ چنانچہ یکم شعبان ۱۳۳۷ھ بمطابق ۱۸ اگست ۱۹۲۱ء کو راولپنڈی کے مقام پر صلح نامہ ہوا۔ جس کی رو سے
دونوں حکومتوں نے اپنی اپنی فوجیں واپس بلا لیں اور امیر افغانستان کو خود مختار تسلیم کر لیا گیا۔ فریقین نے
ایک دوسرے کو اپنے اپنے علاقوں میں کچھ خاص مراعات بھی دیں اور اس طرح ایک نیم دوستانہ ماحول پیدا ہو گیا۔

مُلتان کا ہندو مُسلم فساد اور پاکستان کا تخیّل

۱۳۴۸ھ / ۱۹۲۲ء میں ملتان کے متعصّب انگریز ڈپٹی کمشنر ایمرسن کی کوششوں سے ہندو مسلم فساد ہوا۔ ۱۰ محرم الحرام
جب مسلمانوں کے ماتمی جلوس شہر کے گلی کوچوں سے گزر رہے تھے، سینہ کوبی ہو رہی تھی اور آہ حسین، واہ حسین

[1] تاریخ ملتان ص ۲۸۲ حصہ دوم۔ [2] تاریخ ملتان حصہ دوم ص ۲۸۳

کے نعروں سے ملتان کی فضائے بسیط گونج رہی تھی اور ترکمانوں کا تعزیہ چوک محمد علی خان سے گزر کر پاک دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ دفعتاً ایک پولیس کے سپاہی نے سوچی سمجھی اسکیم کے تحت اس پر ایک اینٹ پھینک دی۔ پھر کیا تھا، بپھرے ہوئے مسلمان نوجوان ہندوؤں پر ٹوٹ پڑے اور انھیں گاجر مولی کی طرح کاٹنا شروع کیا۔ آہستہ آہستہ فساد پھیلتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ پورا شہر اس کی لپیٹ میں آگیا۔ پولیس اور فوج کھڑی تماشا دیکھتی رہی۔ ہزاروں ہندو اور مسلمان قتل ہو گئے۔ کروڑوں روپے کا نقصان ہوا اور اب یہ امر روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا تھا کہ ہندو اور مسلمان دونوں مل کر اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ محسوس کیا جانے لگا کہ اس کش مکش کا واحد حل یہی ہے کہ دونوں قوموں کو الگ الگ رہنے کا موقع ملنا چاہئے اور مسلمانوں کو آزاد حکومت قائم کرنے کا حق دیا جائے ؎[1]

پاکستان کا تخیّل

جب یہ معاملہ علامہ سر محمد اقبال کے سامنے رکھا گیا تو انھوں نے ۱۹۳۰ء میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس الٰہ آباد میں ایک اسلامی ریاست یعنی نظریۂ پاکستان کا تصور پیش کیا کہ پنجاب، سرحد، سندھ، بلوچستان اور کشمیر پر مشتمل ایک الگ سلطنت بنا دی جائے۔ انھوں نے اپنے خطبۂ صدارت میں براہینِ قاطعہ کے ساتھ اس امر کو ثابت کیا کہ مسلمان ہندوؤں سے مذہب اور تمدن میں بالکل مختلف ہیں اس لئے انھیں ایک فیڈریشن میں جکڑنا قطعاً مشکل ہے۔ ہندوؤں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور مسلمانوں کی کشتی ڈبونے کی پوری کوشش کی مگر قائدِ اعظم نے اُن کی ایک نہ چلنے دی۔

غازی علم دین شہید

لاہور کا ایک ہندو کتب فروش ناشر راجپال نامی بالعموم آریہ سماج کی مذہبی کتابیں فروخت کرتا تھا اور اپنے مذہب کی تعصب کے ساتھ تبلیغ بھی کرتا تھا۔ اُس نے ایک کتاب رنگیلا رسول مصنف کا نام دیئے بغیر چھاپی، اس نے صرف اپنا یعنی ناشر کا نام دیا۔ اس کتاب میں جناب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت گستاخی کی گئی اور متعدد بے بنیاد، من گھڑت اور بازاری قسم کے الزامات عائد کئے گئے۔ یہ کتاب جب منظرِ عام پر آئی تو مسلمانوں میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ مسلمانوں نے راجپال کی اس مذموم حرکت کے خلاف احتجاج کئے تو مقامی مجسٹریٹ نے معمولی سزا دے کر بات ختم کر دی۔ مسلمانوں نے اس کی نگرانی کی تو انھیں ہائی کورٹ تک جانا پڑا۔ ہائی کورٹ کے

[1] تاریخ ملتان حصہ دوم صـ ۲۸۲

جا وڈا جب سنگھ کے پاس یہ مقدمہ لگا تو اس نے نہایت اعتماد فیصلہ سنانے کے بعد
اس قسم کی کتاب کسی بھی تعزیری حلقہ میں نہیں آتی اس لئے راجپال کے خلاف تعزیری کا سوالی نہیں پیدا
ہے اس فیصلے نے پورے صوبہ میں ہیجان پیدا کر دیا۔ اس طرح سکھ جج نے ہندو نوازی کا ثبوت دے کر اعلان کر
دے دیا۔ لاہور کا ایک طالب علم غازی علم دین اس توہین کو برداشت نہ کر سکا اور اس نے
کو ایک تیز دھار خنجر کے ساتھ راجپال کا صفایا کر دیا اور اس طرح اس گستاخ کو جس نے سکھ ججوں کی حمایت سے
سکھ اور انگریز کی پوری پوری حفاظت میں محفوظ کر لیا تھا۔ واصل جہنم کر دیا گیا۔ ہندوؤں کے زور اور انگریزوں کی
حمایت سے غازی علم دین کے خلاف قتل عمد کا مقدمہ دائر کر کے اُسے پھانسی کی سزا دی گئی۔ غازی علم دین شہید
کو ڈسٹرکٹ جیل میانوالی میں تختۂ دار پر لٹکایا گیا۔ جس روز غازی علم دین نے راجپال کو قتل کیا۔ اس روز سے
اس جوان کو غازی علم دین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور جس روز سے اس کو راست کرداری کی بنا پر پھانسی دی
گئی۔ اس روز سے اس کو علم دین شہید کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔

غازی علم دین شہید کا سوگ پورے ملک میں منایا گیا۔ ہڑتالیں ہوئیں، جلوس نکالے گئے۔ ضلع میانوالی
کے لوگوں نے جلوس نکال کر ڈسٹرکٹ جیل کا محاصرہ کر لیا اور گولیاں چلائیں۔ بھکر اور منٹگمری کے لوگوں نے
کے نئے جلوس نکالے۔ پنجابی کے مشہور شاعر اُستاد عشق لہر لاہوری نے غازی علم دین سے میانوالی جیل میں آخری
ملاقات کی۔ غازی صاحب نے چند اشعار سنانے کی خواہش ظاہر کی۔ جس کے جواب میں عشق لہر نے غازی علم دین کو
یوں ہدیۂ عقیدت پیش کیا۔

ھدیۂ عقیدت

علم دین محمدؐ دے نام اُتوں میاں جان جوانی نوں وار یائی
آفرین غازی تیرے حوصلے دا، راجپال کم بخت نوں ماریائی
جیہڑا چکیا بوجھ محبتاں دا، چڑھ کے دار تے سر دوں اُتاریائی
بیڑا ڈوب کے نبیؐ دے دشمناں دا، علم دین کُل نوں تاریائی

مسجد شہید گنج کا حادثہ

سنہ ۱۹۳۴ء میں مسٹر ایمرسن جب پنجاب کا گورنر تھا، لاہور میں پھر فساد کرایا۔ دہلی دروازہ سے مسجد شہید گنج تک
افواج کی وحشیانہ فائرنگ سے ہزاروں مسلمان مارے گئے۔ ہر طرف لاشیں ہی لاشیں نظر آتی تھیں۔ برصغیر کے
مسلمانوں میں کہرام برپا تھا لیکن ہندوؤں کے گھروں میں گھی کے چراغ جلائے جا رہے تھے۔ جس سے پنجاب بھر کے

مسلمانوں کے مذہبی جذبات کا مشتعل ہونا قدرتی بات تھی۔ اصل میں سکندر حیات خان اور ان کی یونینسٹ پارٹی کو
اس سے مقصد صرف یہ تھا کہ مجلس احرار الاسلام ہی ایک ایسی جماعت تھی جس کا پنجاب کے عوام پر سیاسی اثر
تھا اور مستقبل میں برطانوی حکومت کے لئے اس جاگیردار صوبہ میں مشکلات پیدا کر سکتی تھی۔
چنانچہ حکومت نے مجلس احرار پر مسجد کا ملبہ گرانے اور ان کو بدنام کرنے کی سازش کی مگر جماعت کے
رہنماؤں نے حوصلہ مندی سے حالات کا مقابلہ کیا۔ ضلع میانوالی اور ضلع بھکر کے مجلسِ احرار کی زیرِ قیادت
قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔

قادیانیت کے خلاف محاذ

سنہ ۱۹۳۵ء میں علامہ انور شاہ کشمیری کی زیرِ قیادت مرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٰ مسیح موعود پر علماء
نے زبردست محاکمہ شروع کیا۔ بہاولپور ہائی کورٹ میں اسی سلسلہ میں مقدمہ چلا جس میں قادیانی گروہ کو عدالت
نے غیر مسلم قرار دیا۔ مجلسِ احرار نے قادیان کے مسلمانوں پر مرزا غلام احمد کے پیروکاروں کے ظلم و تشدد کے
خلاف احتجاج کے طور پر کانفرنس بلائی۔
یہ پہلا موقع تھا کہ قادیان کے بارے میں عوامی سطح پر یہ تحریک اُبھری۔ جھنگ۔ بھکر۔ میانوالی اور
لیہ کے رضاکار قادیان پہنچے اور گرفتاریاں پیش کیں۔ اور مختلف میعاد کی سزائیں کاٹیں۔

قرارِ دادِ لاہور ۲۳ مارچ سنہ ۱۹۴۰ء

۲۳ مارچ سنہ ۱۹۴۰ء کو تخیلِ پاکستان کے خالق علامہ سر محمد اقبال کے پہلو منٹو پارک میں مسلم لیگ کا
تاریخی اجلاس ہوا۔ اُس میں واشگاف الفاظ کے ساتھ مطالبہ کیا گیا کہ ہندوستان کو مسلم انڈیا اور ہندو انڈیا
میں تقسیم کر دیا جائے۔ شمال مشرق اور شمال مغرب کے کی مسلم اکثریت کے صوبوں کو مسلمانوں کا وطن قرار دیا جائے
یہ تجویز قرارِ دادِ لاہور کے نام سے موسوم ہوئی۔ سنہ ۱۹۴۲ء تک قرار دادِ لاہور کو پاکستان کا نام نہیں دیا گیا تھا مگر
ہندوؤں نے پاکستان، پاکستان پکار کر آسمان سر پر اٹھا لیا تھا۔ یکم مارچ سنہ ۱۹۴۲ء کو قائدِ اعظم نے اسلامیہ کالج
لاہور کے میدان میں تقریر کرتے ہوئے اعلان کیا کہ ہم نے اس تجویز کو پاکستان کا نام نہیں دیا تھا لیکن چونکہ
ہمارے دشمن چڑانے کے لئے اس نام کو پکار رہے ہیں۔ اس لئے آج سے ہم اس قرار دادِ لاہور کو قرار دادِ پاکستان
ہی کے نام سے پکاریں گے ۔ [1]

---

[1] تاریخ ملتان حصہ دوم ص ۲۹۱

دوسری جنگِ عظیم

ستمبر ۱۹۳۹ء میں دوسری عالمگیر جنگ نے ساری دُنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس جنگ سے بڑا خطرہ انگریزوں کو تھا۔ جرمنی اور جاپان کے سبب لڑائی ہندوستان کے بہت قریب دکھائی دینے لگی۔ ان حالات میں انگریزوں کو ہندوستانیوں کی امداد اور تعاون کی اشد ضرورت تھی۔ اس لئے حکومتِ برطانیہ نے مسٹر کرپس کو ہندوستان بھیجا جس نے یہ پیغامِ مسرّت لا کر سنایا کہ جنگ کے خاتمہ پر ہندوستان کو نوآبادیات کا درجہ دے دیا جائے گا مگر کانگریس اور مسلم لیگ دونوں نے اس پیش کش کو ٹھکرا دیا۔

یورپ میں ہٹلر فاتحانہ یلغار کر رہا تھا۔ جاپان کی شہ پر آزاد ہند فوج نے ہندوستان پر قبضے کا اعلان کر دیا اور ہندوستان میں ہندوؤں نے ہندوستان چھوڑ دو کی تحریک شروع کر دی۔ حکومت نے تمام کانگریس لیڈروں کو گرفتار کر لیا جس سے ملک میں فسادات شروع ہو گئے۔ کانگریسی ایک طرف تو حکومت کو نکل جانے کی دھمکی دے رہے تھے، دوسری جانب مسلمانوں پر اپنا رعب ڈال رہے تھے۔ بہرحال اگست ۱۹۴۵ء میں انگریزوں کی جیت ہوئی اور کانگریس کی تحریک کچھ عرصہ کے لئے دب گئی۔ [۱]

شملہ کانفرنس

جنگِ عظیم کے خاتمہ پر انگلستان میں چرچل کی بجائے مسٹر ایٹلے نے مزدور وزارت بنائی اور کانگریس کے تمام لیڈروں کو رہا کر دیا۔ گاندھی جناح مذاکرات کا سلسلہ شروع ہوا جس میں گاندھی جی نے چار و ناچار پاکستان کے بنیادی اصول کو تسلیم کر لیا۔

۱۹۴۵ء میں لارڈ ویول وائسرائے ہند نے نئی کابینہ کی تشکیل کے لئے ہندو اور مسلمان لیڈروں کو بُلایا۔ مگر یہ کانفرنس کانگریس کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے کامیاب نہ ہو سکی۔ ویول سکیم کی ناکامی پر ملک میں عام انتخابات کا اعلان ہوا۔ کانگریس نے انتخابات کے ذریعے مسلم لیگ کو شکست دینے کی کوشش کی۔ مگر ہر جگہ سوائے ندامت کے اُسے کچھ نہ ملا اور مسلم لیگ سو فیصدی کامیاب ہوئی۔

۱۱ جنوری ۱۹۴۶ء کو ملک بھر میں یومِ فتح منایا گیا اور دنیا پر یہ ثابت ہوا کہ مسلم لیگ ہی ہندوستان کے مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ دہلی میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ بعض دستکاروں نے

[۱] تاریخ ملتان حصہ دوم صفحہ ۲۹۱

قائدِ اعظم کی خدمت میں ہدیے پیش کیے۔ ان میں ایک چھوٹی سی توپ اور اس کے کارتوس بھی تھے۔ قائدِ اعظم نے اس موقع پر پہلی مرتبہ اردو میں تقریر کی۔

تقسیمِ ہند کا اعلان

لارڈ ویول ہندوستان کی سیاست کو اپنی خواہشات کے مطابق ڈھالنے میں ناکام رہا۔ مارچ ۱۹۴۷ء میں اُن کو انگلستان واپس بلا لیا گیا۔ ان کی جگہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو ہندوستان کا وائسرائے مقرر کر کے بھیجا گیا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے مختلف فرقوں کے لیڈروں سے گفت و شنید شروع کی۔ اس نے کانگریس اور سکھوں کی ہر ممکن سرپرستی کی جب کانگریس کو یقین ہو گیا کہ قائدِ اعظم محمد علی جناح ایک غیر متزلزل ارادے کا انسان ہے اور مطالبۂ پاکستان کا حامی ہے تو کانگریس نے پنجاب اور بنگال کی تقسیم کا مطالبہ کر دیا۔

۱۹ مئی ۱۹۴۷ء کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے وزیرِ اعظم برطانیہ سے مل کر حسبِ ذیل فیصلہ کیا کہ "ہندوستان کو نوآبادیات کا درجہ دے کر اسے دو حصوں میں بانٹ دیا جائے نیز بنگال اور پنجاب کو بھی مسلم اور ہندو اکثریت کے علاقوں میں تقسیم کر کے حد بندی کمشن عمل میں لایا جائے۔ شمال مغربی سرحدی صوبہ اور آسام کے ضلع سلہٹ میں رائے شماری کرائی جائے کہ وہ ہند اور پاکستان میں کس سے الحاق کرنا پسند کرتے ہیں۔ ریاستیں شامل ہونے کے معاملہ خود مختیار ہیں"۔

کانگریس اور مسلم لیگ دونوں نے اس تجویز کو منظور کر لیا۔

مسلم لیگ کی کارکردگی کا جائزہ

ہندوستان میں ایک الگ مسلم ریاست کے قیام کیلئے مسلم لیگ کی بنیاد ۱۹۰۶ء میں بمقام ڈھاکہ رکھی گئی جو اپنے بہترین نظم و نسق کے طفیل عروج و اقبال کی بلندیوں پر پہنچ گئی۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ کامیابی قائدِ اعظم کے حُسنِ تدبر اور ان کے شرکائے کار کے بے پناہ اخلاص کی رہینِ منت تھی۔ بدیں وجہ تمام مسلمان بلا امتیاز رنگ و ملت ایک ہی مرکز پر جمع ہو گئے۔ مسلم لیگ نے خضر حیات ٹوانہ کی وزارت کے خلاف سول نافرمانی شروع کی تو خضر وزارت نے مسلم لیگ کو کچلنے کی انتہائی کوشش کی۔ جیلیں لیگی کارکنوں سے بھر گئیں۔ ابھی یہ سلسلہ جاری تھا کہ ۲ مارچ ۱۹۴۷ء کو خضر وزارت نے دم توڑ دیا، اور پنجاب میں گورنر راج قائم ہو گیا۔ تقسیمِ ملک کا اعلان سُنتے ہی ہندوؤں نے پاکستان چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ مسلم لیگ انتقالِ آبادی کی مخالف تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اگر ہندو اس ملک سے چلے گئے تو بھارت کے مسلمانوں کی شامت آجائے گی۔ اس لئے مسلم لیگی کارکنوں نے ہندوؤں کو یقین دلایا کہ انھیں پاکستان میں کوئی خطرہ نہیں، حکومت ان کی محافظ ہو گی۔ ہمارے علاقہ تھل میں مولانا عبدالستار خان نیازی، امیر عبداللہ خان روکھڑی، فتح شیر جھمٹ، اور محمد افضل خان ڈھانڈلہ مخلص مسلم لیگی کارکن تھے۔ جنھوں نے تحریر و تقریر کے ذریعے لوگوں کو مسلم لیگ سے روشناس کرایا۔

آٹھواں باب

قیامِ پاکستان

۲۷ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ تا ۱۴۰۷ھ

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء تا ۱۹۸۷ء

پاکستان کا قیام

۲۷ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ
۱۴ر اگست ۱۹۴۷ء

۱۴ر اگست ۱۹۴۷ء کو صوبہ سرحد اور سلہٹ کے باشندوں نے پاکستان میں شامل ہونے کا فیصلہ دے دیا اور بلوچستان نے بھی پاکستان سے الحاق کر لیا۔ ۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان اور بھارت کو اختیارات سونپ دیئے گئے اور تمام انگریز خواہ سول میں تھے یا فوج میں، جہازوں پر سوار ہو کر واپس برطانیہ چلے گئے۔ پاکستان عالم وجود میں آگیا۔ افسوس ہے کہ انگریز جاتے وقت مسلمانوں سے پیچ کھیل گیا۔ اس نے پاکستان تو مسلمانوں کو دے دیا مگر لنگڑا لولا بنا کر دیا۔

حد بندی مطلقاً غیر منصفانہ طور پر ہوئی۔ گورداسپور مسلم اکثریت کا ضلع تھا مگر اس کی ایک تحصیل شکر گڑھ کے علاوہ باقی تین تحصیلیں ہندوستان کے ساتھ ملا دی گئیں۔ لاہور کا کچھ حصہ کاٹ کر بھارت سے ملا دیا محض اس لئے کہ فیروز پور ہیڈ ورکس کی نہریں مشرقی پنجاب کے حصہ میں آجائیں۔ جوگندر نگر کا پاور ہاؤس بھارت کے حوالے کر کے پنجاب کو بجلی سے محروم کر دیا گیا اور بھی بہت سے زرخیز علاقے بھارت سے ملا دیئے گئے اور ان کی جگہ بنجر اور ویران حصے پاکستان کو دیئے گئے۔ یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا کہ پاکستان پنپ نہ سکے ۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

پہلا گورنر جنرل قائدِ اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ

۱۴ر اگست ۱۹۴۷ء تا ۱۱ر ستمبر ۱۹۴۸ء

پاکستان کی نئی اسلامی مملکت ۱۴ اور ۱۵ اگست کی درمیانی شب کو ۱۲ بجے معرضِ وجود میں آئی اور حضرت قائدِ اعظم اس سب سے بڑی اسلامی اور دنیا کی پانچویں بڑی سلطنت کے پہلے گورنر جنرل مقرر ہوئے اور خان لیاقت علی خان ملک کے پہلے وزیرِ اعظم مقرر ہوئے۔ اس مملکتِ اسلامی کا رقبہ تین لاکھ چونسٹھ ہزار دو سو مربع میل اور آبادی آٹھ کروڑ چوالیس لاکھ نفوس پر مشتمل تھی۔

پہلی اسلامی مملکت جو اسلام کے نام پر وجود میں آئی وہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی عرب حکومت جس کے بانی حضور پُر نور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ دوسری اسلامی مملکت جو اسلام کے نام پر چودہ سو سال بعد قائم ہوئی وہ مملکتِ خداداد پاکستان ہے جس کے بانی حضرت قائدِ اعظم محمد علی جناح تھے۔ آپ بوڑھے تھے لیکن

استقلالِ پاکستان کے لئے شبانہ روز محنت کی۔ کثرتِ کار کی وجہ سے آپ کی صحت خراب ہو گئی۔ ڈاکٹروں نے آرام کرنے کا مشورہ دیا تو آپ نے جواب دیا کہ میری قوم پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں تو اس حالت میں کیسے آرام کر سکتا ہوں۔ خرابیٔ صحت کے باوجود قائدِاعظم سرکاری کام پابندی اور توجہ سے کرتے رہے۔

مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کا قتلِ عام

ہندو نے اس علم اور یقین کی بنا پر کہ پاکستان ایک نوزائیدہ مملکت ہے۔ انتقالِ آبادی کی تاب اس میں قطعاً نہیں ہے۔ اگر بھارت کے تمام مسلمانوں کو نکال پھینکا جائے تو پاکستان اپنی موت آپ مر جائے گا اور کابل سے برما تک رام راج کی عملداری ہوگی۔ چنانچہ ہندوؤں نے مشرقی پنجاب اور آس پاس کی ریاستوں میں قتل وغارت کا ایک طوفان بپا کر دیا۔ ساتھ ہی ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت مسلمانوں کو مار مار کر پاکستان کی طرف منتقل کرنا شروع کیا۔ بیچارے مسلمان صرف اس قصور میں کہ وہ خُدا اور رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔ بلا وجہ اپنے گھروں سے نیزوں اور سنگینوں کی نوکوں سے نکالے گئے۔ اس حالت میں ان کے ہر ہر عضو سے خون کی بوندیں ٹپک رہی تھیں۔ ان کا سارا سامان لوٹ لیا گیا اور ان کے مکانوں کو نذرِ آتش کر دیا گیا۔ ان کی لڑکیاں چھین لی گئیں۔ کپڑے اتار لئے گئے۔ ماں کو بیٹے سے بھائی کو بہن سے اور شوہر کو بیوی سے جُدا کر کے لاشوں کے انبار لگا دیئے گئے۔ روزانہ سپیشل ٹرینیں لاہور پہنچنے لگیں۔ مہاجروں کے جسموں پر کرپانوں اور سنگینوں کے نشان تھے۔ کسی کا بازو، کسی کی ٹانگ، کسی کی آنکھ اور کسی کا سر دونیم ہو رہا تھا۔ مسلم خواتین کی حالت زیادہ قابلِ رحم تھی۔ جوان عورتیں اور لڑکیاں کہیں نظر نہیں آتی تھیں۔ بے بسی اور بے چارگی کے دردناک منظر کو دیکھ کر گود سے خالی ماؤں کی آہیں اور یتیم بچوں کی کراہیں اور آہ وفریاد کی لرزہ خیز چیخیں سُن سُن کر مسلمانوں کا دامنِ صبر تار تار ہو گیا۔ اور ان پر دیوانگی سی طاری ہو گئی۔

منکیرہ اور مہاجرین

ضلع بھکر کے اکثر دیہاتوں کی نسبت منکیرہ میں زیادہ مہاجرین آئے۔ منکیرہ شہر کے عوام نے مہاجرین کو بسر وچشم خوش آمدید کہا اور انھیں آباد کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ عوام نے دامے، درمے، سخنے ہر طرح امداد واعانت کی۔ کھانے پکا پکا کر مہاجرین کو پیش کئے۔ ہندوؤں کے خالی کردہ مکانات میں انھیں ... دکانیں اور زرعی اراضیات الاٹ کرادیں۔ مہاجرین کو ان کے کلیم کے متبادل سکنی اور زرعی جائدادیں الاٹ کی گئیں اور جن کے پاس زرعی اراضی نہ تھی۔ انھیں آبادکاری سکیم کے تحت عظیم تھل میں بطور گذارہ دو دو سو کنال

اراضی بارانی عارضی طور پر الاٹ کر دی گئی اور ایک ایک کھڈی بھی ہر کنبے کو الاٹ کی گئی تاکہ منکیرہ کی صنعت قائم رہے۔ ہندوؤں کے جانے کے بعد جو خلاء پیدا ہوا تھا، وہ پُر ہوگیا۔ جانے والے ہندوؤں کو یقین تھا کہ پاکستان کا کاروبار ٹھپ ہو کر رہ جائے گا۔ بازار ویران اور اراضی غیر آباد ہو جائیں گی۔ مگر مہاجرین نے تمام کاروبار اور ہر شعبۂ حیات میں پوری لگن سے وہ چمک پیدا کی کہ سب حیران رہ گئے۔ صرف منکیرہ ہی نہیں بلکہ مملکتِ پاکستان کا ہر شہر پہلے کی نسبت کئی گنا زیادہ پُر رونق ہوگیا۔

اہم واقعات

(۱) ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو غیر منقسم ہندوستان کے آخری وائسرائے لارڈ ماونٹ بیٹن نے آزاد مملکت پاکستان کے قیام کا اعلان کیا اور پاک دستوریہ کو اختیارات منتقل کئے۔

(۲) ۱۵ اگست کو قائدِ اعظم محمد علی جناح نے پاکستان کے پہلے گورنر جنرل اور قائدِ ملت خان لیاقت علی خان نے وزیرِ اعظم پاکستان کی حیثیت سے عہدوں کا حلف اُٹھایا۔

(۳) ۱۸ اگست ۱۹۴۷ء کو سر مائیکل ریڈکلف نے پاکستان اور ہندوستان کے مابین نئی سرحدوں کا اعلان کیا۔

(۴) ۱۵ ستمبر ۱۹۴۷ء کو ریاست جوناگڑھ اور ۲۴ ستمبر کو مناوَدر باضابطہ طور پر پاکستان میں شامل ہوئیں۔

(۵) ۳۰ ستمبر ۱۹۴۷ء کو پاکستان کو اقوامِ متحدہ کا رُکن بنا لیا گیا۔

(۶) ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ہندوستان کی مسلح افواج نے جوناگڑھ، مانگرول اور مناوَدر کی پاکستانی ریاستوں پر غاصبانہ قبضہ کر لیا جس پر ۳ نومبر ۱۹۴۷ء کو حکومتِ پاکستان نے بھارت کے اس غاصبانہ قبضے کے خلاف اقوامِ متحدہ سے سخت احتجاج کیا۔

قائدِ اعظم کی وفات

۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء کو پاکستان کے بانی حضرت قائدِ اعظم محمد علی جناح چند ماہ کی علالت کے بعد اس دارِ فانی سے ملکِ بقا کو رخصت ہو گئے (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن)

جونہی ریڈیو پاکستان سے یہ اندوہناک خبر نشر ہوئی۔ تمام ممالک اسلامیہ نے اپنے جھنڈے سرنگوں کر دیئے۔ ملک کے دونوں حصّوں میں صفِ ماتم بچھ گئی اور عین اسی وقت جبکہ عالمِ اسلام اس کرب ناک کیفیت سے دوچار تھا۔ بھارت نے موقع سے فائدہ اٹھا کر حیدر آباد دکن کی خود مختیار اور آزاد ریاست پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔ حضرت قائدِ اعظم کے ایصالِ ثواب کے لئے منکیرہ کی مساجد میں قرآن خوانی کی گئی۔

دوسرا گورنر جنرل الحاج خواجہ ناظم الدین

۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء تا ۱۷ اکتوبر ۱۹۵۱ء

قائدِ اعظم کی وفات حسرت آیات کے بعد الحاج خواجہ ناظم الدین پاکستان کے دوسرے گورنر جنرل مقرر ہوئے۔ اس وقت مشرقی پاکستان کے وزیرِ اعلیٰ تھے۔ تقسیمِ ہند سے پہلے آپ متحدہ بنگال کے وزیرِ اعلیٰ رہ چکے تھے۔ آپ ڈھاکہ کے ایک معزز کشمیری خانوادے سے تعلق رکھتے تھے۔ نہایت انصاف پسند اور دیندار محنتی آدمی تھے۔ فضائلِ اخلاق میں بڑا مرتبہ رکھتے تھے۔

سقوطِ حیدر آباد دکن

ریاست حیدر آباد پاکستان اور ہندوستان دونوں سے الگ آزاد رہنا چاہتی تھی لیکن ہندوستان کو ضد تھی کہ اس عظیم ریاست کا الحاق ہندوستان سے ہو جائے۔ بات چیت سال بھر جاری رہی لیکن فیصلہ انجام نہ پایا۔ حیدر آباد کے مسلمانوں نے ہندوستان کی غلامی پسند نہ کی۔ انھوں نے ایک نوجوان جرنیل قاسم رضوی کی سرکردگی میں اپنے آپ کو منظم کرنا شروع کیا۔ آہستہ آہستہ رضا کاروں کی تعداد پانچ لاکھ کے لگ بھگ ہوگئی۔ حکومتِ حیدر آباد نے اس بل بوتے پر آزاد ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس بنا پر ہندوستان کی فوجوں نے ۱۴ دسمبر ۱۹۴۸ء کو حیدر آباد پر تین اطراف سے حملہ کر دیا۔ پاکستان اُس وقت قائدِ اعظم مرحوم کے سوگ میں مبتلا تھا۔ پانچ چھ دن کی لڑائی کے بعد حیدر آباد کی وزارت نے استعفا دے دیا اور ریاست کی فوجوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ میر لائق علی وزیرِ اعظم حیدر آباد ۷ مارچ ۱۹۵۰ء کو زبردست پہرے کے باوجود بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوئے اور ۸ مارچ کو سرحد عبور کر کے پاکستان کے دار الحکومت کراچی پہنچ گئے۔

مشہور واقعات

(۱) یکم اکتوبر ۱۹۴۸ء کو بینک دولتِ پاکستان نے پانچ۔ دس اور سو روپے کے کرنسی نوٹ جاری کئے۔

(۲) ۲۵ نومبر ۱۹۴۸ء کو کاکول میں پاکستان کی فوجی اکیڈیمی کا قیام عمل میں لایا گیا۔

(۳) یکم جنوری ۱۹۴۹ء کو کشمیر میں التوائے جنگ کا اعلان ہوا۔

(۴) یکم مارچ ۱۹۵۰ء کو شہنشاہ ایران پہلی بار پاکستان تشریف لائے۔

(۵) ۲۹ اپریل ۱۹۵۰ء کو خان لیاقت علی خان امریکی دعوت پر واشنگٹن گئے۔

(۶) ۶ ستمبر ۱۹۵۰ء کو جنرل محمد ایوب خان پاک افواج کے پہلے کمانڈر انچیف مقرر ہوئے۔

(۷) ۹ فروری ۱۹۵۱ء کو پاکستان میں پہلی مردم شماری ہوئی۔

(۸) ۳ مئی ۱۹۵۱ء ڈاکٹر گراہم کشمیر میں اقوام متحدہ کے نمائندے مقرر ہوئے۔

(۹) ۲۷ جون ۱۹۵۱ء کو خان لیاقت علی خان نے ہندوستان کو تاریخی مکا دکھایا۔

(۱۰) ۳۰ ستمبر ۱۹۵۱ء کو مشرقی اور مغربی پاکستان کے لئے نئے سٹینڈرڈ ٹائم کا تعین ہوا یعنی گرین وچ ٹائم سے پانچ گھنٹے آگے۔

خان لیاقت علی خان کی شہادت

۱۶ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو پاکستان کے پہلے وزیر اعظم خان لیاقت علی خان کو راولپنڈی کے جلسہ عام میں گولی مار کر شہید کر دیا گیا۔ واقعہ یوں ہے۔

آپ راولپنڈی کے کمپنی باغ میں مسلم لیگ کے زیر اہتمام ایک جلسے میں تقریر کرنے والے تھے۔ سٹیج پر کھڑے ہو کر آپ نے ابھی "برادران اسلام" کے الفاظ ہی کہے تھے کہ کابل کے ایک شقی القلب افغان نوجوان نے جس کا نام سید اکبر تھا۔ آپ پر پستول سے دو گولیاں پے در پے چلائیں۔ آپ ڈیسک پر گر پڑے۔ آپ کو پولیٹکل سیکرٹری اور مسلم لیگ کے لیڈروں نے اُٹھا کر فوراً ہسپتال پہنچایا۔ آپ کو خون دیا گیا لیکن آپ زخموں کی تاب نہ لا کر فوت ہو گئے۔ (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ)

دمِ نزع آپ کی زبان پر آخری الفاظ یہ تھے۔

"خدا پاکستان کو محفوظ رکھے۔"

عوام نے بدبخت قاتل سید اکبر کو بمع پستول پکڑ لیا اور سید محمد شاہ مدنی ساکن گجرات انسپکٹر پولیس جو قبل ازیں تھانہ منکیرہ میں مشہور و معروف سب انسپکٹر پولیس رہ چکے تھے نے اپنے جذبات پر قابو نہ پا کر گرفتار شدہ ملزم کو فوراً پستول سے فائر کر کے موقع پر ہی ہلاک کر دیا۔ آپ کی شہادت کے سلسلے میں قوم نے چالیس دن تک سوگ منایا جس میں منکیرہ کے عوام برابر کے شریک رہے۔ سرکاری عمارتوں پر جھنڈے سرنگوں رہے۔ ان کی لاش بذریعہ طیارہ کراچی لائی گئی اور قائداعظم کے پہلو میں سپردِ خاک کیا گیا۔

وطن کی آبرو پر جان دینا زندگانی ہے ۔۔۔ شہیدِ قوم ہو جانا حقیقی کامرانی ہے
مرا وعدہ تھا پاکستاں کی خاطر جان دیدوں گا ۔۔۔ چلے گی پہلے جو گولی اسے سینہ پہ میں لوں گا
خدا کا شکر ہے وعدہ مرا پورا کیا جس نے ۔۔۔ مجھے قوم و وطن میں سرخرو کر دیا جس نے

مسلمانو! خدا حافظ مگر اک بات کہتا ہوں
کہ میں کشمیر کا غم خلد میں بھی کھاتا رہتا ہوں

تیسرا گورنر جنرل ملک غلام محمد

۱۷ اکتوبر ۱۹۵۱ء تا ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۵ء

قائدِ ملت خان لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد الحاج خواجہ ناظم الدین کو ان کی جگہ وزیر اعظم بنا دیا گیا اور ملک غلام محمد کو ان کی جگہ ۱۷ اکتوبر ۱۹۵۱ء سے پاکستان کا تیسرا گورنر جنرل مقرر کیا گیا۔ ان کے عہدِ حکومت میں ۴ دسمبر ۱۹۵۱ء کو پہلی مرتبہ پاکستان سلامتی کونسل کا ممبر منتخب ہوا۔

اہم واقعات:- ۱۲ اپریل ۱۹۵۲ء کو قلات، لس بیلہ اور مکران کے والیانِ ریاست کی رضامندی سے متحدہ بلوچستان کا قیام عمل میں لایا گیا۔

(۲) ۶ مارچ کو لاہور میں مارشل لاء کا نفاذ ہوا۔ تحریکِ ختمِ نبوت کے سلسلے میں کافی مسلمان شہید ہوئے۔

(۳) ۱۷ اپریل ۱۹۵۳ء کو ملک غلام محمد نے اپنے اختیاراتِ خاص سے خواجہ ناظم الدین اور اس کی کابینہ کو برطرف کر دیا۔ اور محمد علی بوگرہ کو ان کی جگہ وزیر اعظم بنا دیا۔

(۴) ۱۰ دسمبر ۱۹۵۳ء کو پنجاب اسمبلی نے اُردو کو صوبے کی سرکاری زبان تسلیم کر لیا۔

(۵) ۲ اپریل ۱۹۵۴ء کو پاکستان اور ترکی کے درمیان فوجی امداد کا معاہدہ ہوا۔

(۶) ۱۴ اپریل ۱۹۵۴ء کو سعودی عرب کے بادشاہ سلطان سعود پاکستان تشریف لائے۔

(۷) ۱۹ مئی کو پاکستان اور امریکہ کے درمیان دفاعی امداد کا معاہدہ ہوا۔

(۸) ۱۴ نومبر ۱۹۵۴ء کو مغربی پاکستان کے تمام صوبوں کو ملا کر ون یونٹ کا اعلان ہوا۔

(۹) ۲۸ مئی ۱۹۵۵ء کو نئی دستور ساز اسمبلی کے انتخابات کا اعلان ہوا۔

(۱۰) یکم جولائی ۱۹۵۵ء کو پاکستان میثاقِ بغداد میں شامل ہوا۔

چوتھا گورنر جنرل میجر جنرل اسکندر مرزا

بحیثیت گورنر جنرل: ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۵ء تا ۲۲ مارچ ۱۹۵۶ء

بحیثیت صدرِ مملکت: ۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء تا ۲۶ اکتوبر ۱۹۵۸ء

خرابیٔ صحت کی بنا پر ملک غلام محمد صاحب کو دو ماہ کی رخصت لینا پڑی۔ میجر جنرل اسکندر مرزا کو (جو ...زارت وزیر تھے) ان کی جگہ قائم مقام چوتھا گورنر جنرل مقرر کیا گیا۔ چنانچہ ۱۸ اکتوبر ۱۹۵۵ء سے ۲۲ مارچ ۵۶ء ...اسی عہدے پر متمکن رہے۔ پھر ۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء کو اسلامی جمہوریہ پاکستان کے پہلے صدر بنے۔

اہم واقعات یہ ہیں۔

۱۔ **وَن یونٹ**:۔ مغربی پاکستان کے مختلف صوبوں کا ایک صوبہ ون یونٹ بنانے کی تحریک مسٹر محمد علی بوگرہ سابق وزیرِ اعظم پاکستان نے پیش کی لیکن ان کے وقت میں یہ تحریک تشنۂ تکمیل رہی۔ پھر چوہدری محمد علی جو اُن کے جانشین مقرر ہوئے۔ دستور ساز اسمبلی میں ون یونٹ کا قانون پاس کرالیا۔ گورنر جنرل نے اس کی فوری منظوری دے دی۔ چنانچہ ۱۴ دسمبر ۱۹۵۵ء کو مغربی پاکستان کے صُوبوں کا ایک صوبہ ون یونٹ قرار دیا گیا اور میاں مشتاق احمد گورمانی اس کے پہلے گورنر اور ڈاکٹر خان صاحب پہلے وزیرِ اعلیٰ بنے۔

۲۔ **اِسلامی دستور**:۔ ۲۸ فروری ۱۹۵۶ء کو نصف شب سے چند منٹ پہلے دستور ساز اسمبلی میں اسلامی دستور منظور ہوگیا۔ اس دستور کی رُو سے پاکستان اسلامی جمہوریہ کے نام سے موسوم ہوا۔

۳۔ **یومِ جمہوریہ**:۔ ۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء کو یومِ جمہوریہ اسلامیہ پاکستان نہایت تزک و احتشام سے منایا گیا۔ اس جشن میں شرکت کے لئے دنیا بھر کے سفیر پاکستان میں آئے اور منکیرہ میں شایانِ شان طریق پر جشنِ جمہوریہ منایا گیا۔

یومِ انقلاب

پاکستان کا نظام روز بروز بگڑتا جا رہا تھا۔ وزراء اور دوسرے سیاسی طالع آزماؤں کو صرف اپنا مفاد عزیز تھا۔ ملک تباہی کے قریب پہنچ چکا تھا۔ میجر جنرل اسکندر مرزا نے پاکستان کے انتہائی تشویشناک حالات کے پیشِ نظر ۷ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو پاکستان بھر میں مارشل لاء نافذ کر دیا۔ اور ۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء کا آئین بھی منسوخ کر دیا۔ مرکزی اور صوبائی حکومتیں، قومی پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیاں توڑ دیں اور تمام سیاسی جماعتیں بھی ختم کر دیں۔ صدر نے پاکستانی افواج کے کمانڈر انچیف جنرل محمد ایوب خان کو مارشل لاء کا ناظمِ اعلیٰ اور سپریم کمانڈر مقرر کر کے پاکستان کی تمام مسلح افواج کو ان کی کمان میں دے دیا۔ ۲۶ اکتوبر ۱۹۵۶ء کو میجر جنرل اسکندر مرزا نے صدر کے عہدے سے علیحدگی اختیار کر لی اور جملہ اختیارات جنرل محمد ایوب خان نے سنبھال لئے۔

فیلڈ مارشل محمد ایوب خان

۲۶ اکتوبر ۱۹۵۸ء تا ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء

جنرل محمد ایوب خان نے ۲۸ اکتوبر ۱۹۵۸ء میں میجر جنرل سکندر مرزا کو صدارت سے سبکدوش کر کے جملہ اختیارات خود سنبھال لئے۔ یکم نومبر کو سکندر مرزا نہایت بے بسی کے عالم میں ملک بدر کر دیئے گئے۔ اس کے نہ تو برسرِ اقتدار آنے پر کسی کو خوشی ہوئی اور نہ معزول ہونے پر کسی کو افسوس ہوا۔ جنرل

محمد ایوب خان ایسے وقت میں برسرِ اقتدار آئے۔ جبکہ ملک کا انتظام درہم برہم ہو چکا تھا۔ اس
لئے تمام افرادِ رعایا نے اُن پر اعتماد کیا۔ اس لئے بھی ابتداً ہر لحاظ سے اپنے آپ کو صدارت کا اہل ثابت
کیا۔ ملک کی اصلاح کے لئے جو قدم اٹھایا گیا تھا۔ ان سے بے چینی ختم ہو گئی۔ ۱۵ جنوری ۱۹۶۰ء کو
صدر کے انتخاب کا نتیجہ برآمد ہوا۔ ننانوے فیصد ووٹروں نے صدر پر اعتماد کا اظہار کیا اور ۲۵ جنوری ۱۹۶۰ء
کو طے پایا کہ نئے دار الحکومت کا نام اسلام آباد رکھا جائے۔

ایوب خان کی آمرانہ حرکتیں

محمد ایوب خان میں وہ تمام خوبیاں موجود تھیں جو ایک اچھے حاکم کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔ اس کا
ذہن اسلامی تھا۔ تقریر کے لئے کھڑا ہوتا تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے آغاز کرتا۔ بات بات میں انشاء اللہ اور
خدا کے فضل و کرم کا سہارا لیتا۔ تقریر، خدا سے نیک تمناؤں اور آرزوؤں کی دُعا پر ختم کرتا۔ مگر ساتھ ہی اس
میں ایسی خرابیاں بھی پیدا ہو گئی تھیں جنہوں نے اس کی تمام خوبیوں اور صلاحیتوں پر پانی پھیر دیا۔
اگرچہ کہنے کو وہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا صدر تھا مگر اس کی روش شروع سے آخر تک آمرانہ رہی۔
سب سے پہلے اس نے سیاسی حریفوں کو مفلوج بنانے کی مہم چلائی۔ یہ لوگ یا تو زمیندار تھے۔
خانقاہوں کے متولی اور سجادگان۔ زمینداروں کو زرعی اصلاحات کے ذریعے نیم جان کیا۔ سجادگان اور متولیوں
سے خانقاہیں چھین لیں۔ باقی رہے سابق وزراء اور کلیدی افسران۔ ان کے خلاف انتہائی نفرت انگیز
پروپیگنڈا کیا گیا اور عوام کو یہ یقین دلانے کی کوشش کی گئی کہ وزراء، اُمراء اور سیاست دان سب قوم اور
ملک کے غدار ہیں۔ اگر یہ لوگ چند روز اور برسرِ اقتدار رہتے تو ملک کا نظام تلپٹ ہو کر رہ جاتا۔ اس
پروپیگنڈے کا مقصد عوام کو خود اعتمادی کی دولت سے محروم کر کے ذہنی طور پر آمریت قبول کرنے کے لئے
آمادہ کرنا تھا۔ اس جد و جہد میں محمد ایوب خان کو کامیابی تو کیا ہونی تھی۔ البتہ اس ضمن میں جو کارروائیاں کی
گئیں وہ تاریخ کا ایک تلخ باب ضرور بن کر رہ گئیں۔

جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء اور عوام منکیرہ کا حصّہ

ملک میں محمد ایوب خان کے خلاف اندر اندر لاوا پک رہا تھا کہ بھارت نے بغیر اعلانِ جنگ کے
ستمبر کی صبح پاکستان پر حملہ کر دیا۔ جوں ہی اس حملے کی اطلاع ریڈیو پاکستان پر نشر ہوئی تو پاکستان کے تمام
لوگ اپنے اختلافات بھلا کر دشمن کو اس بزدلانہ حرکت کا مزا چکھانے کے لئے سینہ تان کر آگے بڑھے۔

اور دشمن کی فوجوں کے چھکے چھڑائے اگر قرونِ اول کے مجاہدین کی یاد تازہ ہو گئی۔ عورتوں نے فوجیوں کے لئے سازوسامان تحفے تحائف، سوئیٹر اور مفلر تیار کر کے دفاعی فنڈ میں دیا۔ گلوکارہ نورجہاں نے "میریا ڈھول سپاہیا تینوں رب دیاں رکھاں" گانا شروع کیا۔ اس کا ردِ عمل یہ ہوا کہ پاک سپاہیوں کی جرأت و مردانگی کا خون کھول اٹھا اور دشمن کی فوجوں کے چھکے چھڑائے۔ امراء نے دولت کے انبار لگا دیئے۔ ملازمین نے اپنی تنخواہیں پیش کر دیں۔

یہ جنگ سترہ روز لڑی گئی۔ افواجِ پاکستان نے ہر محاذ پر شجاعت و بہادری کی شاندار مثالیں قائم کیں۔ جارح دشمن کو اس کی نفری اور اسلحہ کی کثرت کے باوجود کچل کر رکھ دیا اور بوکھلا کر مغربی طاقتوں سے طالبِ امداد ہوا جس پر جنگ ختم کرا دی گئی۔

ریڈیو پاکستان سے بھارتی حملے کی خبر سنتے ہی منکیرہ اور اس کے مضافات کے تمام لوگ اکٹھے ہوئے اور دفاعی کمیٹیاں قائم ہوئیں۔ پھر دفاعی فنڈ کے لئے چندہ جمع کرنا شروع کیا۔ صدر کے دفاعی فنڈ میں فی الفور بیس ہزار روپے ۲۰ جمع کر دیئے گئے۔ جنگ میں عملی حصہ لینے کے لئے دس رضاکاروں کی پہلی ٹولی اسسٹنٹ کمشنر بھکر بھیجی گئی۔ انھوں نے اس یقین دہانی پر رضاکار ٹولی کو واپس بھیج دیا کہ جب ضرورت پڑے گی بلا لیا جائے گا۔

معاہدۂ تاشقند اور اس کا ردِ عمل

یہ جنگ کشمیریوں کی تائید و حمایت میں لڑی گئی تھی۔ جنگ بندی کے بعد وزیرِ اعظم روس کے زیرِ اہتمام تاشقند میں پاک بھارت مذاکرات شروع ہوئے۔ نتیجہ کے طور پر بھارت کے پست قامت وزیرِ اعظم شاستری جی نے پاکستان کے دراز قد فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کو چاروں شانے چت گرا دیا۔ یعنی جو معاہدہ ہوا اس میں کشمیر کا نام تک نہ تھا۔ جب فیلڈ مارشل محمد ایوب خان تاشقند سے واپس آئے تو پورے ملک میں اس کے خلاف تلخ و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ کالجوں کے طلبہ کمروں سے باہر نکل آئے اور توڑ پھوڑ کی کارروائی شروع کر دی۔ مظاہروں نے شدت اختیار کر لی اور کراچی سے ڈھاکہ تک اشتعال پھیل گیا۔ ساتھ ہی کم و بیش تمام محکموں نے ہڑتالیں شروع کر دیں اور ملک کا کاروبار ٹھپ ہو کر رہ گیا۔

صدرِ مملکت محمد ایوب خان نے جب یہ صورت حال دیکھی تو وہ اپنی آمریت کی بساط لپیٹ کر جمہوریت کا تخت بچھانے میں مصروف ہوا مگر اس کے گماشتوں نے ایسا نہ کرنے دیا۔ آخر کار ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء کو ایوب خان کی آمریت کا محل گر پڑا۔ انھوں نے سوا سات بجے شام گیارہ برس حکومت کرنے کے بعد انتہائی بے بسی سے اپنے مستعفی ہونے اور ملک کو ایک بار فوج کے حوالے کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس طرح ایوبی ظلم و تشدد کا بھیانک دور ختم ہوا اور ملک ایک ڈکٹیٹر کے ہاتھ سے نکل کر دوسرے ڈکٹیٹر کے ہاتھ میں چلا گیا۔

صدرِ پاکستان جنرل آغا محمد یحییٰ خان

۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء تا ۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ء

۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء کی رات کو فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے اقتدار جنرل آغا محمد یحییٰ خان کے حوالے کر دیا۔ یہ شخص نہ صرف فہم و ادراک سے عاری تھا بلکہ بدترین قسم کا عیاش بھی تھا اور ہمہ وقت شراب کے نشے میں دُھت رہتا تھا۔ چونکہ اس وقت ون یونٹ کے خلاف ہمہ گیر تحریک چل رہی تھی اس لئے عوام کو خوش کرنے کے لئے فوری طور پر ون یونٹ کا خاتمہ کر کے یکم جولائی ۱۹۷۰ء کو مغربی پاکستان کے تمام صوبوں کو بحال کر دیا۔ آپ کے دو کارنامے قابلِ تعریف ہیں۔

(۱)۔ رباط کی اسلامی سربراہی کانفرنس میں بھارت کے نمائندہ کی موجودگی سے واک آؤٹ کرنا۔

(۲)۔ حق بالغ رائے دہی کی بنیاد غیر جانبدارانہ الیکشن کرانا۔

اس الیکشن سے مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب الرحمٰن اور مغربی پاکستان میں مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے زیادہ کامیابی حاصل کی۔ نیشنل اسمبلی کے قیام کا اعلان ہوا مگر شیخ مجیب الرحمٰن کی ہٹ دھرمی سے صدر مملکت کو یہ حکم واپس لینا پڑا۔ جنرل آغا محمد یحییٰ خان نے شیخ مجیب کو سمجھانے کی انتہائی کوشش کی مگر وہ اپنی بات پر اڑا رہا۔ اس نے قانون کو ہاتھ میں لے لیا اور عدم تعاون کی تحریک شروع کر دی۔ پاکستان کے قومی جھنڈے کو نذرِ آتش کر دیا گیا۔ قائدِ اعظم کی تصاویر پھاڑ دی گئیں اور کھلم کھلا آزاد بنگلہ دیش کے نعرے لگانے شروع کئے۔ بھارت نے اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھایا۔ ہزاروں بھارتی فوجی شیخ مجیب کی قائم کردہ مکتی باہنی کے بھیس میں مشرقی پاکستان میں داخل ہو کر تخریبی کارروائیوں میں مصروف ہو گئے۔ جنرل آغا محمد یحییٰ خان نے جب دیکھا کہ ملک ہاتھ سے نکلتا ہے تو اس نے بلا توقف لیفٹیننٹ جنرل ٹکا خان جیسے پختہ کار اور محبِّ وطن فوجی افسر کو مشرقی پاکستان میں تعینات کر کے اس صوبے کو فوج کے حوالے کر دیا۔ شیخ مجیب کو گرفتار کر لیا گیا۔ بھارتی وزیر اعظم اندرا گاندھی اور ممبران قومی اسمبلی نے بڑے غم و غصہ کا اظہار کیا اور اس کے آقاؤں روس اور امریکہ نے بھی پاکستان کو آنکھیں دکھانی شروع کیں مگر حکومتِ پاکستان نے کچھ اثر نہ لیا۔ اور اعلان کیا کہ مشرقی پاکستان کی بدنظمی ہمارا داخلی مسئلہ ہے۔

توڑ پھوڑ اور گھیراؤ جلاؤ کی حرکتوں کو فوج نے دبا دیا اور ملک میں امن بحال ہو گیا۔ اس موقع پر پاکستان کے نکمے صدر یحییٰ خان نے جنرل ٹکا خان کو جو مشرقی پاکستان کی جغرافیائی صورتِ حال سے پوری طرح باخبر تھا واپس بلا لیا۔ جنرل ٹکا خان کا چارج چھوڑنا تھا کہ بھارت نے اپنی پوری قوت مشرقی پاکستان میں جھونک دی۔

روس نے ہر طرح مدد کی بلکہ اس کے فوجی افسران نے کمان کی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء کو آغا یحییٰ خان
نے بوکھلا کر فوج کو ہتھیار ڈالنے کا حکم دے دیا۔ تقریباً ایک لاکھ مردانِ کار زار جانثار کے ہوتے ہوئے
بھارتی فوجوں نے ڈھاکہ پر قبضہ کر لیا۔ اور ترانوے ہزار کا بہت بڑا لشکر بھارت کا قیدی بن کر رہ گیا۔
مشرقی پاکستان جس کے لئے پاکستان نے عظیم قربانیاں دی تھیں۔ اب بنگلہ دیش بن چکا تھا۔ آغا محمد یحییٰ خان
نے جب دیکھا کہ پانی سر سے گزر چکا ہے تو اس نے ۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ء کو بچے کھچے ملک کی زمام اقتدار مسٹر
ذوالفقار علی بھٹو کے حوالے کر دی۔

مسٹر ذوالفقار علی بھٹو

۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ء تا ۵ جولائی ۱۹۷۷ء

مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے ۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ء کو جن حالات میں اقتدار سنبھالا وہ بڑے حوصلہ فرسا اور
یاس انگیز تھے۔ مملکتِ پاکستان کا دایاں بازو کٹ چکا تھا اور مغربی پاکستان انتشار کا شکار ہو رہا تھا۔ مسٹر
بھٹو اور مسز اندرا گاندھی کے درمیان شملہ میں جو معاہدہ ہوا تھا اس کی رُو سے پاکستان اور بھارت کی دونوں
حکومتوں نے ایک دوسرے کے چھینے ہوئے علاقے واپس کر دیئے۔ پاکستان کے ترانوے ہزار جنگی قیدی واپس
ہوئے۔ ان کے عوض پاکستان نے بنگلہ دیش تسلیم کر لیا۔ نیز کشمیر کی جنگ بندی لائن کو رد و بدل کے ساتھ کنٹرول
لائن تسلیم کر لیا۔

مسٹر بھٹو پہلے سول حکمران تھے جو پاکستان کے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مقرر ہوئے۔ آپ نے ۷ مارچ ۱۹۷۷ء
کو قومی اسمبلی کا انتخاب بالغ رائے دہی کی بنیاد پر کرایا۔ ملک کی نو سیاسی پارٹیوں نے قومی اتحاد کے پلیٹ فارم
پر انتخابات میں حصہ لیا۔ اس انتخاب میں وسیع پیمانے پر دھاندلیاں ہوئیں جس سے عوام میں غم و غصہ کی لہر دوڑ
گئی۔ اور عوامی سطح پر ان دھاندلیوں کے خلاف منظم طریقے سے قومی اتحاد نے تحریک چلائی۔ بعد میں اسی تحریک
کو تحریکِ نظامِ مصطفےٰ کا نام دیا گیا۔ عوام نے بڑے پیمانے پر قربانیاں دیں۔ مسٹر بھٹو نے عوامی دباؤ کی تحریک
سے متاثر ہو کر قومی اتحاد سے مذاکرات کا دور شروع کیا۔ مذاکرات نتیجہ خیز ثابت ہوئے۔ انتخابات دوبارہ
کرانے کا سمجھوتہ ہو گیا۔ ابھی دستخط ہونے باقی تھے کہ مسٹر بھٹو اچانک برادر مسلم ملکوں کے دورے پر چلے گئے
پاکستان قومی اتحاد نے اس دورے کو نامناسب قرار دیا۔ مسٹر بھٹو نے وطن واپسی پر قومی اتحاد سے متوقع
معاہدہ سے انحراف شروع کر دیا۔ چنانچہ ۴ اور ۵ جولائی کی درمیانی شب فوج نے مسٹر بھٹو کو وزیر اعظم کے
عہدے سے محروم کر کے ملک کا اقتدار سنبھال لیا اور قومی اتحاد کے لیڈروں کو فوجی حراست میں لے لیا گیا اور
جنرل محمد ضیاء الحق چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے ملک کے حکمران ہوئے۔ نواب احمد خان قصوری کے قتل
میں جناب بھٹو پر مقدمہ چلا۔ ہائی کورٹ سے سزائے موت ہو گئی۔ سپریم کورٹ نے یہی سزا بحال رکھی

(اپریل ۱۹۷۹ء جیالم)

آخر کار ۱۰ اپریل ۱۹۷۹ء کی شب مسٹر بھٹو کو تختۂ دار پر لٹکا دیا گیا۔

جنرل محمد ضیاء الحق

۵ جولائی ۱۹۷۷ء تا ۱۹۸۸ء
۱۳۹۶ھ تا ۱۴۰۷ھ

۵ جولائی ۱۹۷۷ء کی شب کو جنرل محمد ضیاء الحق نے مارشل لاء نافذ کر کے ملک اور عوام پر بلا شبہ احسان کیا تھا۔ کیونکہ ۱۹۷۷ء میں جو حالات پیدا ہو چکے تھے۔ اگر ان کا مداوا نہ کیا جاتا تو ایک ہولناک خانہ جنگی ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی۔ بصورت دیگر خرابیوں میں کمی کا نہیں بلکہ اضافے ہی کا امکان تھا صدر موصوف نے اقتدار سنبھالتے ہی وعدہ کیا تھا کہ وہ صرف ۹۰ دن کے مہمان ہیں اس مدت میں صورت حال کو تبدیل کر کے جمہوریت کے بنیادی تقاضے کے احترام میں اقتدار عوام کے منتخب نمائندوں کو سونپ کر چلے جائیں گے۔ چونکہ ملکی حالات خراب سے خراب تر ہوتے جا رہے تھے۔ اس لئے انتخاب کرانے کا وعدہ پورا نہ کر سکے۔

پاکستان کے استحکام کی خاطر صدر ضیاء الحق نے دورے کر کے برادر اسلامی ملکوں سے سیاسی، معاشی اور ثقافتی تعلقات مضبوط بنیادوں پر استوار کئے۔ بھارتی وزیر اعظم اندرا گاندھی سے ملاقات کر کے عدم جارحیت کے معاہدہ کی پیش کش کی۔ اس سلسلہ میں پیشرفت ہو رہی ہے۔ ۲۷ دسمبر ۱۹۷۹ء میں روس نے افغانستان میں فوجی مداخلت کی اور بے گناہ عوام کا قتل عام کیا۔ قصبے اور بستیاں بمباری سے تباہ ہو گئیں۔ افغان عوام کی کثیر تعداد ہجرت پر مجبور ہوئی تقریباً تیس لاکھ سے زائد افغان مہاجرین پاکستان میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ جن کی دیکھ بھال حکومت پاکستان کر رہی ہے۔ افغانستان کے مسئلے پر پاکستان اپنے جائز موقف پر ڈٹا ہوا ہے۔ اسلامی ملکوں کے وزرائے خارجہ نے اسلام آباد میں پاکستان کے موقف کی تائید و حمایت میں ایک قرارداد پاس کی جو افغان عوام کے ساتھ یکجہتی کی مظہر ہے۔ پاکستان کی سلامتی اور نظریاتی سرحدوں کے تحفظ کے لئے امریکہ سے جدید قسم کا اسلحہ ایف سولہ طیارے اور میزائل حاصل کئے۔ فوج کی تربیت جدید تقاضوں کے مطابق کی گئی۔ بلدیاتی انتخابات غیر جماعتی سطح پر دو بار کرائے گئے۔ ملک میں زکوٰۃ اور عشر کا نظام نافذ کر کے اشعار و افکار کی نیو ڈالی۔

۱۲ اگست ۱۹۸۳ء کے نئے شیڈول کے مطابق انتخابات کا اعلان کیا۔ پہلے صدر پاکستان کے چناؤ کے لئے ریفرنڈم ہوا۔ جس میں صدر ضیاء الحق بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے۔ پھر غیر جماعتی سطح پر قومی اور صوبائی اسمبلی کے انتخابات ہوئے۔ پھر ۱۹۷۳ء کے آئین میں آٹھویں ترمیم کا مسئلہ پیش آیا جسے قومی اسمبلی کے آزاد سرکاری گروپ کی بسیار بحث و تمحیص کے بعد متفقہ ترامیم کو قبول کر لیا گیا۔ آپ کے دور میں ضلع میانوالی کی تحصیل بھکر کو ضلع کا درجہ دیا گیا۔ منکیرہ اور کلور کوٹ کو مثی تحصیلوں کا درجہ دے کر ضلع بھکر میں شامل کیا گیا۔ عظیم تھل منکیرہ کی سابق ریاست میں ۳ نئے اضلاع اور پانچ نئی تحصیلیں وجود میں آئیں۔

نواں باب

ذیلی ریاستیں اور آثارِ قدیمہ

ذیلی ریاست اموانی حیدر آباد تھل

ریاست اموانی کے متعلق کسی مورخ نے کوئی حتمی رائے قائم نہیں کی کہ یہ ریاست کب وجود میں آئی اور اس کا نام اموانی کیسے مشہور ہوا۔ البتہ امیر سبکتگین کے حملہ ملتان کے وقت یہ ریاست میکنوں کے زیرِ اہتمام تھی۔ امیر سبکتگین نے ان درمیانی ریاستوں اموانی اور منکیرہ سے ملتان پر حملہ کرنے کے لئے راستہ مانگا تو انھوں نے کوئی تعرض نہ کیا۔ غیاث الدین بلبن کے زمانے میں یہ ریاست میکن قوم کے پاس تھی۔ یہ قوم بابا فرید الدین گنج شکر کے ذریعہ مسلمان ہوئی تھی۔ اس قوم کا سردار بھاؤ منکیرہ اور اموانی کا حکمران تھا[۱]۔

اس ریاست پر کوہستان کے جنجوعہ سردار نے چڑھائی کر دی اور تلوارہ کھوکھراں کے کھوکھر اس کے ساتھ ہو گئے۔ اُس وقت خوشاب کی حکومت بھی کھوکھروں کے پاس تھی۔ جنجوعہ اور کھوکھر قبائل مسلمان ہو چکے تھے مگر میکن قبیلہ ابھی تک حلقۂ بگوشِ اسلام نہ ہوا تھا۔ کھوکھروں کی منشا تھی کہ وہ اموانی پر قبضہ کر لیں لیکن سردار بھاؤ نے خواجہ صاحب سے فریاد کی۔ انھوں نے کھوکھروں اور جنجوعوں کو حملہ کرنے سے روک دیا۔ سردار بھاؤ نے اس حُسنِ سلوک کی بنا پر اسلام قبول کر لیا۔ ۶۶۴ھ/۱۲۶۵ء میں غیاث الدین بلبن نے نواب بھاؤ کو خان کا خطاب دے کر اموانی منکیرہ کا حکمران تسلیم کیا[۲]۔

۸۷۶ھ/۱۴۷۰ء میں سلطان حسین خان لنگاہ حاکمِ ملتان نے اموانی کی میکن ریاست پر حملہ کر کے اپنے بھائی شہاب الدین لنگاہ کو اس کا حکمران مقرر کیا۔ لنگاہوں کے زوال کے بعد یہ ریاست بابر بن سُہراب دودائی کے زیرِ تسلط آ گئی۔ قبل ازیں یہ ریاست کوہ سلیمان کے بلوچوں کے قبضہ میں تھی۔ جھنگ کے حکمران مل خان سیال نے ۸۷۵ھ/۱۴۶۸ء میں اموانی کے بلوچوں کو شکست دے کر علاقہ کچھی پر قبضہ کر لیا[۳]۔

چنانچہ منکیرہ کے بلوچوں نے منظم ہو کر اپنے علاقہ کچھی کو واگزار کرانے کے لئے ریاست جھنگ پر حملے شروع کر دیئے۔ ان دنوں ریاست جھنگ کا حاکم دولت خان سیال تھا۔ ان حملوں سے تنگ آ کر دولت خان سیال نے بلوچوں کو سزا دینے کے لئے اپنی قوت منظم کی اور تھل کی طرف کوچ کیا۔ دوسری طرف بلوچوں نے مقابلہ کے لئے فوجی قوت جھونک دی۔ ڈیڑھ ماہ برابر جنگ رہی۔ اسی دوران عین میدانِ جنگ میں ایک زہر آلود تیر دولت خان سیال کے پیٹ میں لگا جس سے وہ میدانِ جنگ میں ہی فوت ہو گیا۔ بلوچوں نے آگے بڑھ کر تمام علاقہ کچھی پر قبضہ کر لیا۔ نیز سیالوں کے بہت سے قبیلوں کو اس علاقہ سے نکال کر ان کی اراضی چھین

---

[۱] تاریخ ملتان حصہ اول صفحہ ۱۰۹، تاریخ جھنگ صفحہ ۴۷ [۲] تاریخ جھنگ صفحہ ۴۷، تاریخ سندھ مولانا ظفر ندوی صفحہ ۲۶۱ [۳] تاریخ جھنگ صفحہ ۴۷

لی۔ یہ جنگ ۹۵۸ھ/۱۵۵۱ء میں لڑی گئی ۱
۹۶۲ھ/۱۵۵۵ء میں غازی خان سیال حاکم جھنگ نے اپنے باپ کا بدلہ لینے کے لئے تھل کے بلوچوں پر حملہ
کر دیا اور ان کا قتلِ عام کیا۔ قلعہ اموانی (حیدر آباد تھل) کا علاقہ بلوچوں سے چھین کر اپنی ریاست جھنگ
میں شامل کر لیا۔ بلوچوں نے اپنی زبردست شکست کا اعتراف کرتے ہوئے سفارتی سطح پر صلح کرنے کی کوشش
کی۔ چنانچہ حاکم خوشاب کی وساطت سے دونوں میں اس شرط پر صلح ہو گئی کہ بلوچ ہر سال جھنگ کے حاکم کو
خراج ادا کریں گے۔ اس فیصلہ کے مطابق جب تک غازی خان سیال زندہ رہا۔ بلوچ ہر سال ایک سو روپیہ
دو گھوڑے اور دستار بطور خراج پیش کرتے رہے ۲
۱۲۰۲ھ/۱۷۸۷ء میں عنایت اللہ خان سیال نے قلعہ اموانی پر حملہ کر دیا۔ اُن دنوں ریاست اموانی پر نورنگ خان
بلوچ قابض تھا۔ یہ ریاست نواب محمد حیات خان جسکانی کے زیر اثر تھی۔ نورنگ خان بلوچ فقیر گل محمد شاہ
کا مرید تھا۔ اس کے تین لڑکے نور خان۔ سارنگ خان اور خوشحال خان زندہ تھے۔ جب یہ فوت ہوا تو نور خان
اور سارنگ خان نے ریاست کا انتظام سنبھال لیا اور تیسرے بھائی خوشحال خان کو محروم کر کے ریاست بدر
کر دیا۔ خوشحال خان اپنے پیر و مرشد نو بہار شاہ بخاری اُوچ بہاولپور کی خدمت میں حاضر ہوا اور گھریلو حالات
بیان کر کے امداد چاہی۔ چنانچہ پیر صاحب نے عنایت اللہ خان سیال حاکمِ جھنگ کو لکھا کہ خوشحال خان کی فوجی
مدد کی جائے۔ عنایت اللہ خان نے مرشد کا خط پڑھا اور خوشحال خان سے کہا کہ ایک ہفتے کے اندر اموانی کی
ریاست تمہارے قبضے میں ہو گی۔ عنایت اللہ خان نے فوج کو تیاری کا حکم دے دیا اور کثیر فوج لے کر اموانی
کے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ بلوچوں نے حملہ کی خبر پا کر آس پاس کے تمام کنوئیں ریت سے بھر دیئے تا کہ سیال فوج
کو پانی نہ مل سکے۔ سیالوں نے نئے کنوئیں کھودے اور وافر پانی کا بندوبست کر لیا۔ نور خان اور سارنگ خان
نے جب پانی کی فراہمی کا یہ بندوبست دیکھا تو بددل ہو گئے اور اپنے بال بچے اندھیری رات میں نکال کر قلعہ
سے جنگل کی طرف بھاگ گئے۔ عنایت اللہ خان نے قلعہ اموانی پر قبضہ کر لیا اور خوشحال خان کو اموانی کا حاکم
مقرر کر کے واپس جھنگ چلا آیا ۳
۱۲۳۱ھ/۱۸۱۶ء میں نواب سربلند خان حاکمِ منکیرہ کی وفات کے بعد مہاراجہ رنجیت سنگھ نے احمد خان سیال
حاکمِ جھنگ کو گرفتار کر کے قلعہ لاہور میں قید کر دیا اور جھنگ کی حکومت لالہ سوجان رائے کے سپرد کر دی۔ احمد خان
سیال کا لڑکا عنایت اللہ خان جو اس وقت جھنگ میں موجود تھا۔ باپ کی گرفتاری کی خبر سن کر اپنے افرادِ خاندان

۱ تاریخ جھنگ صفحہ ۱۶۸   ۲ تاریخ جھنگ صفحہ ۱۶۹   ۳ تاریخ جھنگ صفحہ ۲۱۲

کو ساتھ لیا اور نواب احمد خان سدّوزئی حاکم منکیرہ کے پاس پناہ گزین ہوگیا۔ ادھر لالہ سوجان رائے نے فقیر ناگ سلطان سے قلعہ اُچ گل امام خالی کرالیا۔ فقیر بھی امُوانی میں مقیم ہوگیا۔ حاکم امُوانی نے اُن سے بہت اچھا سلوک کیا۔ چونکہ حاکم منکیرہ سکھوں کا باجگذار تھا۔ اس لئے رنجیت سنگھ نے اس کی جواب طلبی کی مگر معاملہ آگے نہ بڑھا ۔[1]

اپریل ۱۲۳۷ھ/۱۸۲۱ء میں ہری سنگھ نلوہ نے تمام معاہدات کو بالائے طاق رکھ کر امُوانی پر حملہ کر دیا۔ یہ ریاست نورنگ خان کے پوتے اور خوشحال خان کے بیٹے حیدر خان کے قبضے میں تھی اور حافظ احمد خان سدّوزئی حاکم منکیرہ کے زیر اثر تھی۔ حیدر خان نے امُوانی کا سابقہ نام ترک کر کے اپنے نام پر قلعہ حیدر آباد رکھا۔ تریموں گھاٹ کی پسپائی کے بعد یہاں زبردست مقابلہ ہوا۔ اقوام چھینہ نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی مدد کی اور قلعہ حیدر آباد کے اندرونی خفیہ راستوں سے آگاہ کیا۔ ہری سنگھ نلوہ نے قلعہ کے خفیہ راستوں کو کنٹرول کر کے زبردست حملہ کیا۔ حیدر خان مزاحمت کرتا ہوا مارا گیا۔ اس طرح ریاست منکیرہ کے قدیم قلعہ حیدر آباد پر سکھوں کا قبضہ ہوگیا۔

ذیلی ریاست ماڑی شاہ صغیرہ

دریائے جہلم کے مغربی کنارے پر قصبہ ماڑی آج بھی موجود ہے۔ یہاں سب سے پہلے میکن قوم حکمران تھی۔ بعد ازاں کوہ سلیمان کے بلوچوں نے اس علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ ۸۷۵ھ/۱۴۶۸ء میں مل خان سیال حاکم جھنگ نے بلوچوں کو شکست دے کر ان کو علاقہ کچھی سے نکال دیا۔ اس وقت کچھ بلوچ خاندان مل خان کے مطیع ہو گئے تھے۔ انہی بلوچوں نے رفتہ رفتہ بعد میں قوت پکڑ لی اور موقع ملتے ہی وسیع علاقہ پر اپنی حکومت قائم کر لی۔ ان بلوچوں نے اپنی ریاست کا الحاق ڈیرہ اسماعیل خان کی ہوت حکومت سے کر لیا تھا جس کی وجہ سے تھل کے بلوچ کھلم کھلا دوآبہ تک آتے جاتے تھے۔ اسی وجہ سے اکثر و بیشتر بلوچوں اور سیالوں کے درمیان لڑائی ہوتی رہتی تھی ۔[2]

ہیبت خان بلوچ جو ریاست ڈیرہ اسماعیل خان کا حاکم تھا۔ منکیرہ کی کمزور جسکانی حکومت پر حملہ کر کے تھل کے وسیع علاقہ ماڑی تک اپنے قبضے میں لے لیا۔ اُن دنوں ساہیوال ضلع سرگودھا میں بلوچوں کی سرداری تھی اور ماڑی میں کھوکھروں کا قبضہ تھا۔ ہوت خان بلوچ حاکم ساہیوال کھوکھروں کی آئے دن کی بغاوتوں سے پریشان رہتا تھا۔ جنگ کی نیت سے دریائے جہلم پار کر کے ماڑی میں آیا۔ یہاں کھوکھروں کو شکست دے کر

[1] تاریخ جھنگ صفحہ ۲۳۹ [2] تاریخ جھنگ صفحہ ۱۷۷

۱۱۵۶ھ میں تمام علاقہ پر قبضہ کر لیا۔

ادھر ولی داد خان سیال حاکمِ جھنگ نے کھوکھروں اور بلوچوں کی سرکوبی کے لئے اپنی فوج روانہ کی چنانچہ سیالوں کی فوج موضع بھوں اور ٹھاگھر کے قریب دست و گریباں ہوئی۔ اس جنگ میں بلوچ حاکم ساہیوال ہوت خان اور ریاست ماڑی کا کھوکھر سردار بابلک خان گرفتار ہوئے۔ یہ تمام علاقہ ریاست جھنگ میں شامل کر لیا گیا۔ مذکورہ دونوں سردار قید خانہ میں ہی فوت ہوئے۔ ان کو کسی بھی شرط پر رہا نہ کیا گیا۔ ریاست ماڑی کا حاکم ہوت خان ڈیرہ اسماعیل خان کے حاکم ہیبت خان کا حقیقی بھائی تھا۔ نواب ولی داد خان سیال حاکمِ جھنگ کے عہد میں صرف ماڑی کا علاقہ ایسا تھا جہاں ہوت خان کے لڑکے نصرت خان کی حکومت تھی۔ نصرت خان اپنے باپ کی گرفتاری کے بعد ماڑی کا حاکم بنا تھا۔ اب کھوکھر اس کے ہم نوا تھے۔ ولی داد خان سیال کو یہ بات شدت سے کھٹکتی تھی کہ ملتان سے شاہ پور تک اور کمالیہ سے کچھی تک اس کی وسیع ریاست میں یہ چھوٹا سا قصبہ غیروں کے قبضہ میں رہے اور یہاں اس کے مخالفین جمع ہو کر شرارتیں کرتے رہیں۔

چنانچہ ۱۱۵۷ھ میں ولی داد خان سیال نے حضرت شاہ جیونہ کی اولاد میں سے ایک شخص سید عبدالرحمن کو اس مقصد کے لئے ڈیرہ اسماعیل خان بھیجا۔ بلوچ حاکم ہیبت خان نے ان سے کہا کہ ولی داد خان سیال نے ہمارے ساتھ زیادتی کی ہے اور بھائی ہوت خان کو قید میں ڈال کر مار دیا ہے۔ ہماری ریاست چھین لی ہے اب وہ ماڑی کا علاقہ لینا چاہتا ہے۔ ہم یہ علاقہ کسی قیمت پر نہ دیں گے بلکہ بلوچ انتقام کے طور پر ریاست جھنگ پر قبضہ کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔" سید عبدالرحمن نے واپس آ کر ولی داد خان کو حالات سے آگاہ کیا۔ چنانچہ اس نے خاطر خواہ تیاری کے ساتھ حملہ کر کے ماڑی کو فتح کر لیا۔ نصرت خان بلوچ کو قید کر کے جھنگ بھجوا دیا۔ اسی طرح جھنگ کی ریاست میں ماڑی کا علاقہ شامل ہو گیا۔ [1]

چنانچہ چند ماہ بعد نواب علی محمد خان سدوزئی حاکمِ ملتان نے اچانک تھل عبور کر کے ماڑی پر قبضہ کر لیا۔ اُس کا پروگرام یہ تھا کہ ماڑی پر تسلط جمانے کے بعد اس کے مشرق کی ریاستوں ساہیوال۔ ٹوانہ اور مغرب میں اموانی۔ منکیرہ پر قبضہ کر لینا آسان ہو گا اور ملتان سے شاہ پور تک دریائے جہلم کے غربی کنارے کا وسیع علاقہ براہِ راست اس کی تحویل میں آ جائے گا۔ جب عنایت اللہ خان سیال فوج لے کر ماڑی پہنچا اس وقت دین محمد خان افغان سالار قلعہ میں موجود تھا۔ چنانچہ سیالوں نے قلعہ پر حملہ کر دیا۔ زبردست جنگ ہوئی۔ اس میں افغانوں کو عبرتناک سزا ملی۔ ان کا کوئی سپاہی زندہ بچ کر نہ نکل سکا۔ افغان سالار دین محمد خان زخمی

[1] تاریخ جھنگ صفحہ ۱۹۰ [2] تاریخ جھنگ صفحہ ۱۹۳

پوکر یہاں ملحق ہوگیا۔ عنایت اللہ خان سیال نے ماڑی کی مستقل حفاظت کے لئے ریاست ٹوانہ کے رئیس ملک شیر خان سے معاہدہ کر لیا اور اس کے بدلہ میں ہر سال شیر خان کو غلہ کی کچھ مقدار ادا کرنے کا فیصلہ ہوا۔ ۱۱۷۰ھ/۱۷۵۶ء میں عنایت اللہ خان سیال کے افسروں نے مقررہ غلہ اُسے ادا نہ کیا جس کی وجہ سے ملک شیر خان ٹوانہ ناراض ہوگیا اور اس نے ماڑی پر قبضہ کرنے کیلئے چھ ہزار فوج فراہم کی اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کے والد سردار مہان سنگھ کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ دوسری طرف عنایت اللہ خان سیال نے جھنڈا سنگھ، گنڈا سنگھ دونوں سرداروں کی امداد حاصل کرکے لنگر کوٹ میں قیام کیا۔ ملک شیر خان ٹوانہ نے موقع پا کر عین اس وقت حملہ کیا جبکہ عنایت اللہ خان بے خبر تھا اور اس کی فوج غلہ کی فراہمی کے لئے آس پاس بکھری ہوئی تھی۔ اس اچانک حملے سے نواب کے ساتھی خوفزدہ ہوگئے اور بھاگ کھڑے ہوئے اس طرح پہلے ہی حملے میں شکست واقع ہوگئی اور سپاہی جنگل میں روپوش ہوگئے۔ رات ہوتے ہی عنایت اللہ خان سیال نے اپنی فوج تیار کرکے دوبارہ پوری قوت سے مخالف لشکر پر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ اتنا کارگر ثابت ہوا کہ مخالف فوج کے سینکڑوں آدمی قتل اور زخمی ہوگئے۔ ملک شیر خان ٹوانہ کا سالار گولا خان نواب عنایت اللہ خان کے سالار دوست محمد خان کے مقابلہ میں زخمی ہو کر گرفتار ہوا۔ ملک شیر خان ٹوانہ نے شکست کے بعد صلح کر لی اور سالانہ تحائف دینے کے وعدہ پر رہائی حاصل کی۔ اس کے بعد عنایت خان سیال نے ماڑی کا علاقہ ساہی وال کے بلوچوں کی نگرانی میں دے دیا [2]

۱۲۱۹ھ/۱۸۰۴ء میں نواب سربلند خان حاکمِ منکیرہ نے ریاست ماڑی کا علاقہ متصل جو دریائے جہلم کے مغرب میں خوشاب تک پھیلا ہوا تھا۔ مکمل طور پر اپنے قبضہ میں لے لیا۔ اور علاقہ کچھی بشمول علاقہ ماڑی جو دریائے جہلم کے مشرقی جانب تھا۔ احمد خان سیال حاکمِ جھنگ کی حکومت میں شامل رہا۔ ۱۲۳۷ھ/۱۸۲۱ء میں سکھوں نے نواب سربلند خان سدوزئی کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ پھر دسمبر ۱۲۶۵ھ/۱۸۴۸ء میں انگریزوں نے اس علاقہ کو اپنی عملداری میں لے کر ضلع جھنگ میں شامل کر دیا۔

ذیلی ریاست لیّہ

جہاں یہ شہر لیّہ آباد ہے۔ زمانۂ قدیم میں دریائے سندھ کی گزرگاہ تھی۔ یہاں خودرو جھاڑیاں بڑی تعداد میں تھیں جنھیں مقامی زبان میں لیّاں کہا جاتا ہے چونکہ لیّاں کاٹ کر یہ شہر آباد کیا گیا تھا اس لئے لیّاں سے یہ شہر لیّہ مشہور ہوگیا۔ لیکن تاریخی نقطہ نظر سے آج سے پانچ سو سال پیشتر ۸۸۵ھ/۱۴۸۰ء میں ملتان کے حاکم سلطان حسین لنگاہ نے کوہ سلیمان کے بلوچوں سے تنگ آکر ان سے پیچھا چھڑانے اور اپنی عسکری قوت بڑھانے کیلئے مکران کے سردار حاجی خان میرانی کو ملتان آنے کی دعوت دی اور ڈیرہ غازی خان کا علاقہ اس کی نگرانی میں دیدیا۔

[1] تاریخ جھنگ صفحہ ۲۰۵، تذکرہ اولیائے جھنگ صفحہ ۸۳ [2] تاریخ جھنگ صفحہ ۲۰۹، تذکرہ اولیائے جھنگ صفحہ ۸۴

بعد میں حدودِ ریاست لیہ تک بڑھالیں۔ لیہ میں نواب حاجی خان دوم کے بیٹے نواب چاکر خان میرانی تک، بلوچوں کا عروج رہا۔ ان کی وفات کے بعد ان کے چار بیٹوں نے ریاست لیہ کو چار حصوں میں بانٹ لیا اور اپنے اپنے نام پر شہر آباد کئے۔ ان میں نواب کمال خان نے اپنے نام پر کوٹ کمال خان آباد کیا جو بعد میں لیہ ہو کر رہ گیا۔ نواب اودو خان نے کوٹ اودو، نواب سلطان نے کوٹ سلطان اور نواب نوشیر خان نے نوشہرہ آباد کیا[1]۔ اورنگ زیب کے عہدِ حکومت تک میرانی بلند اقبال رہے، پھر ان میں خلفشار پیدا ہو گیا۔ ۱۱۲۸ھ/۱۷۱۷ء میں نادر شاہ نے لیہ کو اپنی قلمرو میں شامل کر کے میرانیوں کو ناظم مقرر کیا لیکن میرانیوں کے کمزور ہو جانے کی وجہ سے جسکانی بلوچوں نے میرانیوں سے لیہ کا علاقہ چھین کر اپنے قبضے میں لے لیا اور ۱۱۹۴ھ/۱۷۸۰ء تک جسکانی لیہ کے علاقہ پر قابض رہے۔ ۱۱۹۶ھ/۱۷۸۱ء میں میاں عبدالنبی کلہوڑہ جو سندھ کے سرائی قبیلے کا سردار تھا۔ تیمور شاہ کے وزیرِ خزانہ امین الملک نور محمد خان بابری کے ساتھ اس کے گہرے مراسم تھے۔ ان تعلقات کی بدولت امین الملک نے تیمور شاہ سے میاں عبدالنبی کلہوڑہ کے نام لیہ اور بھکر کے علاقوں کی حکومت کا فرمان حاصل کر لیا[2] اس کے بعد چالیس ہزار روپے نقد دے کر اس علاقہ پر قابض ہونے کے لئے روانہ کر دیا۔ یہ علاقے محمد حیات خان جسکانی کے زیرِ تسلط تھے۔ اس نے عبدالنبی سرائی کو قبضہ دینے سے انکار کر دیا۔ اس پر دربارِ شاہی سے نواب مظفر خان سدوزئی کے نام عبدالنبی کی امداد دینے کے لئے حکم نامہ جاری ہوا لیکن نواب مظفر خان نے محمد حیات خان جسکانی کے ساتھ اپنے دیرینہ تعلقات کے پیشِ نظر عبدالنبی کلہوڑہ کی کوئی مدد نہ کی۔ انہی دنوں نواب محمد حیات خان جسکانی فوت ہو گیا اور اس کا بھائی محمد خان جسکانی جانشین ہوا۔ تو عبدالنبی نے جرأت کر کے اپنی فوج کے ساتھ سنگھڑ کے مقام پر دریائے سندھ کو عبور کر کے لیہ پر چڑھ آیا اور معمولی جھڑپ کے بعد اس پر قبضہ کر لیا[3]۔

۱۲۰۲ھ/۱۷۸۸ء میں عبدالنبی کلہوڑہ نے بڑی مشکل سے جسکانیوں کے قلعہ نوشہرہ کو فتح کر لیا۔ اس کے بعد قلعہ منکیرہ پر حملہ آور ہوا اور نواب مظفر خان سدوزئی حاکمِ ملتان کی مدد سے قلعہ منکیرہ فتح کر لیا۔ ۱۰ مارچ ۱۷۸۹ء مطابق ماہ رجب ۱۲۰۳ھ کے ابتدائی دنوں میں میاں عبدالنبی کلہوڑہ لیہ، بھکر اور منکیرہ کے علاقوں پر مکمل طور پر قابض ہو گیا۔ ابھی چند سال حکمرانی کی تھی کہ اس کی بدعنوانیوں اور انتظامی خرابیوں کی وجہ سے نئے نظام حکومت میں ابتری پھیل گئی۔ وہ رعایا پر مظالم ڈھانے کی وجہ سے بے حد غیر مقبول اور بدنام ہو گیا[4]۔ چنانچہ زمان شاہ والئ افغانستان نے نواب مظفر خان کو اسکی سرکوبی کے لئے حکم صادر فرمایا۔ اور ساتھ ہی

[1] بلوچ قوم اور اس کی تاریخ صفحہ ۳۶۲ [2] نواب مظفر خان شہید صفحہ ۱۰۱ [3] بلوچ قوم اور اس کی تاریخ صفحہ ۳۵۸، نواب مظفر خان صفحہ ۱۰۱ [4] نواب مظفر خان صفحہ ۱۱۲

شاہی افواج میں سے ایک لشکر عبدالرحمٰن ہوتکی کے زیرِ کمان ہمراہ بھیجا تھا۔ نواب مظفر خان نے ملتان پہنچتے ہی ایک مضبوط لشکر محمد خان سدوزئی کے زیرِ کمان لیہ کی طرف روانہ کیا۔ اس متحدہ قوت نے محمود کوٹ اور کوٹ ادو کے قلعے چند دنوں میں فتح کر لئے لیکن عبدالنبی کو مکمل شکست نہ ہوئی۔ بادشاہی فرمان کے مطابق نواب مظفر خان نے افواج کی کمان خود سنبھالی۔ ایک ہی حملے میں قلعہ منکیرہ فتح ہو گیا۔ عبدالنبی کلہوڑہ پر جب عسکری دباؤ پڑا تو اس نے میدان میں جم کر لڑنے کی ٹھان لی۔ لیہ کے قریب فریقین میں خونریز لڑائی ہوئی۔ عبدالنبی کا جوان سال بیٹا محمد عارف مارا گیا۔ عبدالنبی پسپا ہو کر قلعہ منکیرہ میں پناہ گزین ہو گیا۔ نواب مظفر خان نے اس کا تعاقب کر کے قلعہ منکیرہ کا محاصرہ کر لیا اور محصورین کی رسد کے تمام راستے منقطع کر دیئے اور گولہ باری سے محصورین کی زندگی اجیرن کر دی۔ سپاہیوں نے جان کی بازی لگا کر قلعہ کی دیواریں اڑا دیں۔ جب عبدالنبی نے دیکھا کہ مزید مقابلہ بے سود ہے تو وہ حوصلہ ہار بیٹھا اور اس نے قلعہ کی چابیاں نواب مظفر خان کے حوالے کر دیں اس طرح قلعہ منکیرہ فتح ہو گیا۔[۱]

نواب مظفر خان نے زمان شاہ والیٔ افغانستان کی خدمت میں فتح نامہ لکھ بھیجا اور اس علاقہ کی حکومت کے لئے اپنے نائب محمد خان سدوزئی کی سفارش کی جو قبول ہوئی۔ چنانچہ محمد خان المعروف نواب سربلند خان سدوزئی بہادر خیل کو کچھی شمالی اور لیہ کا ناظم مقرر کیا گیا یعنی اگست ۱۷۹۳ء مطابق محرم الحرام ۱۲۰۸ھ کو نواب سربلند خان کچھی شمالی اور لیہ کے حکمران مقرر ہوئے۔ اب عبدالنبی کلہوڑہ کے پاس بھکر اور منکیرہ کا قلعہ رہ گیا۔ چنانچہ ۱۲۱۸ھ / ۱۸۰۲ء میں نواب سربلند خان نے قلعہ منکیرہ فتح کر کے مکمل طور پر اپنی راجدھانی کا صدر مقام بنایا۔[۲]

زمان شاہ کے دورِ اقتدار میں شہزادہ ہمایوں نے بغاوت کر کے اقتدار پر قبضہ کرنا چاہا۔ مگر ناکام رہا۔ وہاں سے ساگر کی طرف بھاگ گیا۔ جہاں مسو خان نتکانی نے ڈیرہ فتح خان سے انھیں دریا پار کرا کر لیہ بھیج دیا۔ ہمایوں نے یہاں آباد کنوئیں پر ڈیرہ ڈال دیا اور قریب کے کھیت کے مالک کو کماد کے عوض بہت ساری اشرفیاں دیں جس پر حیرت کی لہر دوڑ گئی۔ جب یہ خبر نواب سربلند خان تک پہنچ گئی تو اس نے فوراً موقع پر پہنچ کر شہزادہ ہمایوں کو گرفتار کر لیا۔ یہ کنواں لیہ سے پندرہ میل دُور اب بھی موجود ہے۔ چنانچہ زمان شاہ کو جب ہمایوں کی گرفتاری کی اطلاع ملی تو اس نے ہمایوں کی آنکھیں نکال لینے کا حکم صادر فرمایا اور شہزادہ ہمایوں کی آنکھیں نکال لی گئیں جس کے صلے میں محمد خان سدوزئی کو سربلند کا خطاب دیا اور ساتھ ہی اسے ڈیرہ اسماعیل خان کی نوابی بھی دی گئی۔ ۱۲۳۱ھ / ۱۸۱۶ء میں نواب سربلند خان نے مرض اسہال میں مبتلا ہو کر وفات پائی۔[۳]

[۱-۲] نواب مظفر خان شہید ص۱۱۳-۱۱۴ [۳] نواب مظفر خان شہید ص۲۹۱

نواب سربلند خان کی وفات کے بعد آپ کا نواسہ نواب شیر محمد خان اپنے باپ حافظ احمد خان کی سرپرستی میں لیہ اور منکیرہ کے علاقوں کا حکمران مقرر ہوا۔ ۱۲۳۷ھ/۱۸۲۱ء میں لیہ پر سکھوں کا قبضہ ہو گیا۔ اس کے بعد ۱۲۶۵ھ/۱۸۴۹ء میں یہ علاقہ انگریزوں کے قبضہ میں آ گیا ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء میں انگریزوں نے لیہ کو تحصیل کا درجہ دے کر ضلع ڈیرہ اسماعیل خان میں شامل کیا۔ پھر ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۸ء میں لیہ تحصیل کو ضلع ڈیرہ اسماعیل خان سے علیحدہ کر کے ضلع مظفر گڑھ میں شامل کیا گیا۔ اب یکم جولائی ۱۹۸۲ء سے تحصیل لیہ کو ضلع کا درجہ دے کر اس کی تین تحصیلیں بنائی گئیں۔ اب یہ ضلع تین تحصیلوں پر مشتمل ہے۔ (۱) تحصیل لیہ (۲) تحصیل کروڑ (۳) تحصیل چوبارہ

ذیلی ریاست بھکر

قدیم تاریخی کتب کے مطالعہ سے اس امر کی کوئی شہادت نہیں مل سکی کہ بھکر کی وجہ تسمیہ کیا ہے۔ یعنی اس کا نام بھکر کیسے پڑا۔ بعض مقامی روایات کی روشنی میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم میں بکھو نامی ایک سردار ہو گزرا ہے جس نے اپنے نام پر اس شہر کی بنیاد ڈالی جو بعد میں بھکر نام سے مشہور ہوا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ قدیم قصبہ دریائے سندھ کی طغیانی سے تباہ و برباد ہوا۔ آبادی کا نام و نشان تک نہ رہا۔ دریائے سندھ کی تیز و تند لہریں اسے بہا کر لے گئیں۔ اس لئے لوگوں میں یہ قصبہ بہکر کے نام سے مشہور ہوا۔ ریلوے سٹیشن بھکر کے پلیٹ فارم کے بورڈوں اور ریلوے ٹکٹوں نیز ریلوے کاغذات میں ۱۹۴۸-۴۹ء تک بھکر کے بجائے بہکر ہی لکھا جاتا تھا جو بعد میں بھکر سے موسوم ہوا۔

بہر حال نام کچھ بھی ہو لیکن ماننا پڑتا ہے کہ یہ قصبہ قدیم ہے اور تاریخی نوعیت کا ہے۔ لاہور سے ڈیرہ اسماعیل خان جانے والی اہم بین الصوبائی شاہراہ پر واقع ہونے کی وجہ سے اس کی اہمیت اور بڑھ گئی ہے۔

محمد بن قاسم کے جرنیل ابوالاسود جہم بن زحر ثقفی نے ۹۴ھ/۷۱۲ء میں کروڑ، بھکر اور منکیرہ کو فتح کیا اور اس علاقہ کی حکومت احمد بن خزیمہ بن عتبہ مدنی کے سپرد کی۔ اس کے بعد شیخ حامد موسیٰ ان علاقوں کے گورنر مقرر ہوئے [۱] یہ علاقہ کافی عرصہ تک امویوں۔ عباسیوں اور ناگ بھٹ راجپوتوں کے زیر اثر رہا۔ ۳۷۵ھ/۹۸۵ء میں مکین قوم کی حکمرانی کا آغاز ہوا تو بھکر کا علاقہ ریاست اموانی منکیرہ کی حدود میں شامل ہوا۔ ۷۳۴ھ/۱۳۳۴ء میں مشہور سیاح ابن بطوطہ دریائے سندھ عبور کر کے قصبہ داجل پہنچا اور یہاں قیام کیا۔ داجل ریاست منکیرہ کی آخری سرحدی مغربی چوکی تھا جو دریائے سندھ کے مشرقی کنارے پر واقع ہے پھر بھکر سے منکیرہ آیا اور یہاں قیام کیا۔ اموانی حیدر آباد تھل

[۱] تاریخ جھنگ صـ۶۹ ، تاریخ ملتان حصہ اول صـ۸۹

گزر کر ترمیوں گھاٹ پہنچا۔ ترمیوں گھاٹ ریاست منکیرہ کی آخری سرحد پر مشرقی چوکی تھی۔ یہاں چند دن قیام کرنے کے بعد جھنگ پہنچا۔ ۱؎

۹۹۶ھ/۱۲۹۰ء میں بھکر کا علاقہ ہوت بلوچوں کی عملداری میں آگیا۔ میرانی بلوچوں کے سردار غازی خان اوّل نے ہوتوں سے بھکر کا علاقہ چھین لیا اور میر چاکر خان کے پوتے میر رند کو بھکر کی حکومت ۹۷۵ھ/۱۵۶۷ء میں تفویض کی جس پر ان کا پورا خاندان بھکر میں منتقل ہوگیا۔ میر رند اپنی وفات تک بھکر کی حکومت پر فائز رہا۔ ۲؎

اس کے بعد میر رند کے بھائی میر داؤد خان نے بھکر کی حکومت کے لئے نواب غازی خان دوم سے درخواست کی مگر نواب نے امرا کے بہکانے پر انکار کردیا جس پر میر داؤد خان باغی ہوگیا۔ اس نے وارہ گشگوری کو اپنا مستقر بنایا۔ میرانی اور ہوت مقبوضات پر حملے کرنے لگا۔ ۳؎

۱۰۵۹ھ/۱۶۴۸ء میں جسکانی بلوچوں کے سردار میر بلوچ خان اوّل نے بھکر پر قبضہ کر کے اپنی ریاست میں شامل کرلیا۔ ۱۱۸۴ھ/۱۷۷۰ء تک بھکر میں جسکانی خاندان کا آخری قلعہ دار نصرت خان جسکانی تھا۔ کہتے ہیں کہ ڈیرہ اسمٰعیل خان کے ہوت فرمانروا جام نصرت خان کو گنڈہ پوروں نے تنگ کر رکھا تھا اور اس کی حکومت ڈیرہ اسماعیل خان تک محدود ہوکر رہ گئی تھی۔ اس نے نواب منکیرہ فتح محمد خان جسکانی کو کمزور پاکر اچانک قلعہ بھکر پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔ یہ شہر جسکانی ریاست کی حدود میں تھا۔ اور سردار فتح محمد خان فرمانروائے منکیرہ کا ولی عہد نصرت خان جسکانی اس کا حاکم تھا۔ اس کی فوج بہت تھوڑی تھی مگر شیر کی طرح گرج کر کچھار سے نکلا اور بڑی بہادری سے لڑتا ہوا گرفتار ہوگیا۔ میر نصرت خان ہوت بھکر کو فتح کرنے کے بعد نصرت خان جسکانی کو گرفتار کر کے فتح و نصرت کے شادیانے بجاتا واپس لوٹ گیا۔ جب یہ وحشت ناک خبر نواب فتح محمد خان منکیرہ کو ملی تو اس نے بیٹے کی رہائی کے لئے ڈیرہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا مگر چونکہ اس کی فوج تھوڑی تھی۔ اس لئے اس نے اپنے وزیر حسن خان لشکرانی کے مشورے سے فیصلہ کیا کہ پہلے فوج بڑھا کر مقابلے کی اچھی طرح تیاری کرے مگر ماں کی مامتا اس التوا کو کب برداشت کرسکتی تھی۔ وہ شدتِ غم سے بے تاب ہوکر خود ڈیرہ اسماعیل خان کو روانہ ہوگئی۔ چونکہ بلوچوں کا شروع سے ہی یہ دستور چلا آتا تھا کہ وہ بلوچ خواتین کی معروضات کو نظر انداز نہیں کرتے تھے۔ بالعموم ملزموں کی رہائی کے لئے بلوچ بیبیوں کی درخواست بڑی موثر ثابت ہوتی تھی۔ نواب فتح محمد خان کی بیگم کو بھی یہی امید تھی کہ نصرت خان ہوت اس کی درخواست کو رد نہیں کرے گا۔ بلکہ دیکھتے ہی اس کا لعل لوٹا دے گا۔ چنانچہ اسی قسم کی کئی امیدیں نواب نصرت خان سے وابستہ کئے دارالحکومت جا پہنچی لیکن نتیجہ اس کے خلاف نکلا۔ وہ اس بی بی کو بھی قید کرنے پر آمادہ ہوگیا۔ سردار فتح محمد خان کی اہلیہ نے جب دربار کا یہ رنگ دیکھا تو وہ کسی بہانے باہر کھسک آئی۔

۱؎ ۲؎ بلوچ قوم اور اس کی تاریخ ص ۳۴۹۔ ۳؎ تاریخ جھنگ ص ۹۹

اور رات کو زہر کھا کر مر گئی[۱]

نواب نصرت خان ہوت نے جب یہ واقعہ سُنا تو وہ دم بخود رہ گیا اور اس نے اسی وقت نواب صبح کو نواب نصرت خان جسکانی حاکم بھکر کو رہا کر دیا۔ جب اُسے اپنی والدہ کی خودکشی کی خبر ہوئی تو اس نے بھی مارے شرم کے زہر کھا لی۔ اس حادثے سے سارے شہر میں نواب کے خلاف غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ ماں اور بیٹے کی لاشیں جب منکیرہ پہنچیں تو وہاں الگ کہرام مچ گیا۔ نواب فتح محمد خان نے بڑے صبر و سکون سے ان دونوں لاشوں کو اندرونِ قلعہ ٹھکانے لگا دیا۔ اعزہ و اقارب سے کہا سُنا معاف کر اکر رات کو پلنگ پر ایسا سویا کہ پھر نہ اُٹھا۔ یہ واقعہ منکیرہ ایسا نہ تھا کہ لوگ سُنتے اور چُپ ہو جاتے۔ منکیرہ کے چھوٹے بڑے سب پر جوش سے دیوانگی سی طاری ہو گئی۔ شہر کے در و دیوار سے انتقام، انتقام کی صدا سنائی دینے لگی[۲]

میر حسن خان لشکرانی جو نواب کا وزیر تھا۔ اس نے انتقام کی قسم کھائی اور اپنے ایک قریبی رشتہ دار سردار جہان خان کو تحائف دے کر ایک عرضداشت کے ہمراہ کابل روانہ کیا۔ وہاں سے نواب قمر الدین کے نام پروانہ آیا کہ نواب نصرت خان ہوت کو گرفتار کر کے کابل بھیج دو۔ چنانچہ ڈیرہ اسماعیل خان کا آخری ہوت فرمانروا انتہائی ذلت کے ساتھ گرفتار کر کے کابل بھیج دیا گیا[۳]

بھکر میں بابر بادشاہ کی لڑکی گلبدن بیگم نے دِل کُشا نام کا باغ لگوایا اور اس باغ کے مشرقی جانب شاہی محلات تعمیر کرائے جن کے نشانات ۱۹۵۲ء میں دیکھے گئے۔ اب ان محلات کے نشانات ناپید ہیں۔

۱۸۶۰ء میں منکیرہ تحصیل ختم کر کے بھکر کو تحصیل کا درجہ دے کر ضلع ڈیرہ اسماعیل خان میں شامل کیا گیا۔
پھر ۱۹۰۱ء میں بھکر کو ضلع ڈیرہ اسماعیل خان سے علیحدہ کر کے ضلع میانوالی میں شامل کیا گیا۔

یکم جولائی ۱۹۸۲ء سے بھکر کو ضلع کا درجہ دیا گیا ہے۔ اب یہ ضلع تین تحصیلوں بھکر، منکیرہ اور کلور کوٹ پر مشتمل ہے۔

ذیلی ریاست ڈیرہ اسماعیل خان

ڈیرہ اسماعیل خان کا شہر دریائے سندھ کے غربی کنارے بفاصلہ دریائے سندھ ۳ کلومیٹر دور جانب مغرب آباد تھا۔ اس کی بنیاد جلال الدین محمد اکبر بادشاہ دہلی کے عہدِ حکومت میں محمد اسماعیل خان ہوت بلوچ نے اپنے نام پر ۱۴۸۴ء میں قائم کی اور باغات لگوا کر شہر کو خوب رونق دی مگر دریائے سندھ نے کچھ عرصہ بعد اس شہر کو گرانا شروع کر دیا۔ چنانچہ پانچ برس بعد میں وہ بارونق شہر دریا برد ہو کر بے نشان ہوگیا پھر ۱۸۲۴ء میں نواب حافظ احمد خان سدوزئی نے موجودہ شہر آباد کر کے قدیم نام سے اسے نامزد کیا۔ پھر ۱۸۷۵ء میں دریا نے شہر کے انہدام کی طرف رُخ کیا لیکن سرکار انگریزی نے بصرف لاگت کثیر ایک بند بنوایا۔ فی الحال دریا کا رخ کسی قدر ہٹ گیا۔ شہر کے گرد فصیل خام ہے۔ اندرونِ شہر اکثر عمارات خام اور بعض بعض پختہ ہیں۔ بعض مکانات رہائشی اہلِ ہنود تنگ ہیں۔[له] پہلی عملداری میں بازار شہر بے رونق، عمارات و مکانات خام مگر عملداری سرکار انگریزی میں بازار پختہ باوضع بنایا گیا۔ زیادہ تر آراستگی بازار کپتان مکالی صاحب ڈپٹی کمشنر کی توجہ سے ہوئی۔ بازار کا فرش پختہ بنوایا گیا۔ ہر دو طرف بازار کے نالی ہائے پختہ ڈیڑھ فٹ عرض اور اڑھائی فٹ عمیق بنوائی گئیں۔ بازار کی رونق گرمی میں تو معمولی ہوتی ہے لیکن موسم سرما میں جب پوندگان خراسان آتے ہیں تو بازار میں رونق اچھی ہوتی ہے۔ اس شہر میں تجارت زیادہ تر خراسانی مال کی ہوتی ہے۔ یہاں کے بیوپاری کلکتہ۔ بمبئی۔ امرتسر۔ سندھ۔ ملتان اور حیدر آباد دکن تک خراسانی مال یعنی قالین۔ دھسہ (چادر پشمینہ) پوستین۔ سمور۔ ریشم۔ بادام۔ پستہ۔ انگور۔ مجیٹھ۔ ہینگ۔ زیرہ وغیرہ لے جاتے تھے اور شکر تری۔ موٹا دیسی پارچہ۔ لنگی وغیرہ تیار شدہ ملتان اور پارچہ باریک انگریزی خرید کر کے اپنے گماشتوں کی معرفت خراسان پہنچائے جاتے ہیں۔ دو منڈیاں شہر میں مشہور ہیں۔ ۱۔ سرائے پاوندگان ۲۔ غلہ منڈی۔ سرائے پاوندگان میں خراسانی مال اور غلہ منڈی میں غلہ لکی مروت اور علاقہ کنڈی سے آ کر فروخت ہوتا تھا۔ اس شہر کے لوگ بہ نسبت دیہات کے مرفع الحال ہیں لکڑی کا کام از قسم صنعت۔ نقش آرائی۔ پائے چارپائی۔ ڈبی وغیرہ اچھا ہوتا تھا۔ اندرون شہر چند باغات بھی ہیں۔ پہلے نواح شہر بے رونق تھا لیکن کپتان مکالی کی توجہ سے خوب رونق ہوگئی۔ سڑک کے ہر دو

له ازسوانح حیات حسن خان ہوت بلوچ صفحہ ۲۰ باب اوّل

طرف سایہ دار درخت لگوائے گئے اور طرح طرح کے پھول نمائش کے واسطے لگائے گئے۔ [1]

چند سال کا ذکر ہے کہ دریائے سندھ نے پھر دریا بُردی شروع کی۔ کافی روپیہ سرکار کی طرف سے منظور ہوا اور ایک پختہ بند بنوایا گیا جس سے لوگوں کو کچھ اطمینان سا ہوا مگر دریائے سندھ جسے لوگ ساگر یعنی سمندر کے نام سے پکارتے ہیں۔ اس کے اتار چڑھاؤ پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ جب تک فضل ایزدی نہ ہو۔ تب تک دل قرار نہیں پا سکتا۔

۱۹۴۷ء میں پاکستان اور بھارت کے الگ ہونے سے فسادات ہوئے۔ مکانات اور دکانیں جلائی گئیں۔ اہل ہنود سے شہر خالی ہوا۔ ان کی جگہ مسلمان مہاجر جو صوبہ پنجاب سے ہجرت کر کے پاکستان آ گئے۔ یہاں بھی آباد ہوئے۔ انتظامی لحاظ سے یہ شہر ۱۹۰۱ء میں پنجاب میں شامل تھا مگر اسی سال کے آخر میں ایک نیا صوبہ شمالی مغربی سرحدی بنا تو یہ ضلع پنجاب سے نکل کر صوبہ سرحد میں شامل ہوا۔ [2]

جب سہراب خان دودائی کو علاقہ دامان کی حکومت حاصل ہوئی تو اس نے موضع بہّر میں اپنا صدر مقام مقرر کیا مگر قوم میرانی کے ساتھ حدود ریاست کے متعلق تکرار رہا۔ اور یہ تکرار اس قدر طوالت کو پہنچا کہ اسمٰعیل خان ہوت اور میرانی ہر دو قوموں میں جنگ ہوتی رہی۔ کہتے ہیں کہ تیئیس ۲۳ دفعہ دونوں قوموں میں جنگ ہوئی۔ آخر اسمٰعیل خان ہوت کے وقت گامن سچار وزیر اعظم ڈیرہ غازی منکیرہ کی قابلیت سے تکرار ختم ہوا۔ اور دونوں ریاستوں کی حد موڑ جھنگی مقرر ہوئی۔ [3]

اسمٰعیل خان ہوت سے پہلے بہّر میں والیٔ ریاست رہتا تھا لیکن اس نے ڈیرہ اسمٰعیل خان اپنے نام پر آباد کر کے اس کو اپنا صدر مقام بنایا۔ اسمٰعیل خان کے بعد پانچ پشت تک تو حکومت بے خلش رہی لیکن بعد میں جب نصرت خان ہوت مختیار ریاست ہوا۔ تو اس نے رعایا کے ساتھ معاملات میں سخت گیری شروع کی۔ اس کے علاوہ اس کی اور ناشائستہ حرکات جو حکومت کے کاموں میں مخل تھیں، ظہور پذیر ہوئیں۔ اس نے مختیار ریاست ہوتے ہی عیسب خان میاں خیل سے اس کی ہمشیرہ کا رشتہ طلب کیا۔ عیسب خان نے بہت سا لشکر پاوندگان گنڈہ پور و باہر ملحقہ تمنوں کا جمع کر کے نصرت خان ہوت پر چڑھائی کر دی۔ چکر کوٹ کے مقام پر بلوچوں اور پٹھانوں میں جنگ ہوئی۔

بلوچ شکست کھا کر ڈیرہ کی طرف بھاگ گئے۔ اس وقت گنڈہ پوروں نے جو صرف موضع روڑی پر قابض تھے، کلاچی وغیرہ مواضعات بلوچی پر قبضہ کر لیا۔ اور کچھ مواضعات میاں خیلوں نے اپنے تمن میں

[1] سوانح حیات حسن خان ہوت ص۲۲ [2] سوانح حیات حسن خان ہوت ص۲۳ [3] سوانح حیات حسن خان ہوت ص۲۷

...ں کر لئے۔ اس وقت بلوچوں کی حکومت صرف ڈیرہ ہی کے اردگرد رہ گئی تھی جنھیں گنڈاپوروں نے ...ں کر رکھا تھا۔ جب نصرت خان ہوت نے دیکھا کہ بہت سا ملک اس کے قبضے سے نکل گیا ہے تو ...س نے مقام بھکر پر جو قوم جسکانی کی حکومت میں تھا۔ اس نیت سے حملہ کیا کہ اس کو فتح کر کے اپنی ...کومت کے ساتھ ملالے [۱]

اس وقت قلعہ بھکر میں منکیرہ کے نواب فتح محمد خان جسکانی کا لڑکا نصرت خان حکومت کرتا تھا ...ڑائی کے بعد شکست کھا کر نصرت خان ہوت نواب ڈیرہ اسماعیل خان کے ہاتھ گرفتار ہوا۔ پھر اُسے ڈیرہ اسماعیل خان لا کر قید کر دیا۔ اس بات کی خبر جب فتح محمد خان جسکانی حاکم منکیرہ کو پہنچی تو اس نے اپنے بیٹے نصرت خان جسکانی کی رہائی اور انتقام کے لئے فوج کشی کا ارادہ کیا مگر چونکہ نصرت خان ہوت کی جمیت زیادہ تھی۔ اس لئے اپنے وزیروں کے صلاح و مشورہ سے فوج بڑھانے کے درپے ہوا تاکہ خاطر خواہ جمیت سے حملہ کیا جائے مگر نصرت خان جسکانی کی والدہ جو اپنے بیٹے کی گرفتاری سے بے تاب تھی خود بخود ڈیرہ اسماعیل خان میں نصرت خان ہوت کے پاس چلی گئی۔ بلوچوں کے رسم و رواج کے مطابق عورت کی درخواست بوقت مشکلات اور قصورات کے واگزاری کا موجب ہوتی ہے۔ مگر برعکس اس کے نصرت خان ہوت اس کی گرفتاری کے درپے ہوا۔ آخر وہ بہلانے سے اس دن مہلت لے کر چلی گئی اور زہر کھا کر رات کو بے عزتی کے خوف سے جاں بحق ہوئی۔ صبح اس حال سے مطلع ہو کر نصرت خان ہوت نے اس کے بیٹے کو چھوڑ دیا۔ مگر وہ بھی شرم کے مارے زہر کھا کر مر گیا۔ فتح محمد خان جسکانی نواب منکیرہ نے بھی اس رنج کو برداشت نہ کر کے مثل دیگر خویشوں کے زہر کھا کر ان کا ساتھ دیا۔ یہ تینوں شخص بقیہ قوم جسکانی کے دلوں میں انتقام کا بڑا جوش پیدا کر گئے [۲]

آخر حسن خان لشکرانی نے جو نواب فتح محمد خان جسکانی منکیرہ کا وزیر اعظم تھا۔ انتقام کی قسم کھائی اور سردار جہان خان لشکرانی کو جو آپ کا قریبی رشتہ دار تھا، نذرانہ دے کر عرضداشت حال بادشاہ افغانستان کی خدمت میں روانہ کی اور وہاں سے حسب الحکم نواب قمرالدین خان نے آخر نصرت خان ہوت کو گرفتار کر کے کابل میں بادشاہ کی خدمت میں پہنچا دیا اور خاندان ہوت کی حکومت کے خاتمہ پر بادشاہ زمان شاہ درانی والئے افغانستان نے سیفل خان کو ڈیرہ کا حاکم مقرر کیا۔ سیفل خان کے بعد موسیٰ خان۔ نواب قمرالدین خان۔ عبدالرحیم خان اور درباری مل یکے بعد دیگرے ڈیرہ کے ناظم مقرر ہوئے۔ مگر ملک میں روز بروز

[۱]، [۲] از سوانح حیات حسن خان ہوت بلوچ ص۲۸، ص۲۹

بدامنی پھیلتی چلی گئی۔ تمندار اور خوانین سرکش ہو کر خود مختیار ہوئے۔ سنہ ۱۸۰۰ء میں سلطنت افغانستان کے تاجدار اعلیٰ زمان شاہ سدوزئی نے اپنے وزیر اعظم معتمد الدولہ رحمت اللہ خان سدوزئی الملقب بہ وزیر وفادار خان کی سفارش پر نواب محمد خان سدوزئی حاکم لیّہ کو سندِ نظامت ملک دامان وکچھی عنایت کر کے حکم دیا کہ وہ اس ملک پر قبضہ کر کے امن قائم کرے اور سرکش خوانین اور تمنداران کو قرارِ واقعی سزا دے کر مالیہ وصول کرے ۱ے

جب محمد خان سدوزئی دریائے سندھ عبور کر کے اس علاقہ میں داخل ہوا تو اقوام ہوت بلوچ نے جو اپنے آپ کو اس ملک کا جائز وارث سمجھتے تھے نواب محمد خان کی مزاحمت کی۔ تحصیل ڈیرہ کے موضع بخشہ (موراں والی) کے مقام پر فریقین کا مقابلہ ہوا جس میں بلوچوں کو شکست ہوئی اور نواب محمد خان نے ڈیرہ پہنچ کر زمان شاہ والیٔ افغانستان کی حکومت کا اعلان کیا۔ علاقہ کے لوگ نواب صاحب کے سلام کے لئے آئے جن میں اکثر درانی افغان تھے مگر دامان کے متمرد تمندار حاضر نہ ہوئے۔ نواب صاحب نے اپنے لشکر کو جس میں اکثر درانی افغان تھے۔ اپنے ایک معتمد دیوان مانک رائے کی کمان میں باغیوں کی سرکوبی کے لئے مقرر کیا۔ دیوان مانک رائے درانیوں کا لشکر لے کر روانہ ہوا۔ سب سے پہلے تو خیسور کے تمندار کو مطیع کیا۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے دوسری پٹھان اقوام مثلاً میاں خیل۔ گنڈہ پور۔ بڑا سترانہ وغیرہ کو بھی نواب صاحب کی اطاعت پر مجبور کر دیا ۲ے

ملک میں امن و امان قائم ہو گیا اور نظامِ حکومت میں جس قدر رکاوٹیں تھیں، سب دُور ہو گئیں تو نواب محمد خان سدوزئی نے دیوان مانک رائے کو اس ملک میں اپنا نائب مقرر کیا اور خود اپنے صدر مقام منکیرہ کو چلا گیا۔ دیوان مانک رائے بڑا مدبر، منتظم اور دلاور شخص تھا۔ ملک کا نظم و نسق درست کرنے کے علاوہ مروت اور عیسیٰ خیل پر بھی بزورِ شمشیر قبضہ کر کے نواب کی حکومت میں شامل کر لیا ۳ے

نواب محمد خان سنہ ۱۸۱۶ء میں بمقام منکیرہ فوت ہو گیا۔ چونکہ اس کی نرینہ اولاد نہ تھی۔ اس لئے اس کا داماد حافظ احمد خان ناظم مقرر ہوا۔ نواب حافظ احمد خان کمزور دل، متلون مزاج اور عیاش طبع تھا۔ چند نالائق اور مفسد اس کے مصاحب تھے۔ ذرائع آمدنی کم اور خرچ زیادہ تھا۔ اس کمی کو پورا کرنے کیلئے نواب صاحب نے بے جا ٹیکس لگائے اور لوگوں سے ظلم و تشدد سے روپیہ وصول کرنے لگا۔ بعض شریر طبع مصاحبوں نے نواب کو دیوان مانک رائے سے بدظن کر دیا۔ چنانچہ نواب حافظ احمد خان نے دیوان مانک

۱، ۲ے سوانح حیات حسن خان ہوت بلوچ صفحہ ۲۹، ۳۰ ۳ے ایضاً صفحہ ۳۰

رعایا کو بے جا مطالبات سے تنگ کرنا شروع کر دیا۔ دیوان نے ہر چند نواب کو سمجھانے کی کوشش کی مگر نواب [illegible] نہ ہوا اور اختلافات کی خلیج وسیع تر ہوتی گئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دیوان مانک رائے نے [illegible] مہاراجہ رنجیت سنگھ کو ایک خفیہ مراسلہ لکھا اور تمام واقعات سے آگاہ کر کے مہاراجہ کو ملک پر قبضہ کر لینے کی دعوت دی۔ مہاراجہ نے اس کو تائیدِ غیبی سمجھا اور فی الفور لشکرِ جرار لے کر ڈیرہ پر چڑھ آیا۔ [illegible] کھیری سے دریائے سندھ کو عبور کر کے بتر کے مقام پر ڈیرا ڈال دیا۔ دیوان مانک رائے سلام کے لئے حاضر ہوا۔ اور ڈیرہ کی حکومت مہاراجہ کے حوالے کر دی [1]

نواب حافظ احمد خان ان دنوں منکیرہ میں تھا۔ جب اس کو اس ناگہانی واقعہ کی اطلاع ملی تو اس نے مقابلہ کے لئے لشکر فراہم کرنا شروع کیا۔ اِدھر مہاراجہ نے ملک کا نظم و نسق اپنے آدمیوں کے سپرد کر دیا اور خود فوج کے ساتھ دریا کو عبور کر کے بھکر پہنچا اور وہاں سے منکیرہ پر حملہ کر دیا۔ دیوان مانک رائے بھی مہاراجہ کے ہمراہ تھا۔ نواب مقابلہ کی تاب نہ لا کر قلعہ بند ہو گیا اور مہاراجہ کو صلح کا پیغام بھیجا۔ رنجیت سنگھ جانتا تھا کہ نواب کمزور ہے اور ملک فتح ہو چکا ہے اس لئے اس نے صلح کرنے سے انکار کر دیا۔ اب نواب بہت گھبرایا۔ اس نے اپنے چند معتبروں کو جو دیوان مانک رائے کے پاس بھیج کر صلح کر لی۔ چنانچہ دیوان مانک رائے نے اپنے اثر و رسوخ سے مہاراجہ کو اس بات پر راضی کر لیا کہ دریائے سندھ کے مشرق میں لیہ اور بھکر کے جو علاقے ہیں؛ وہ مہاراجہ کو ملیں گے نواب ملک دامان اور کچھی پر بدستور قابض رہے۔ نواب نے طوعاً کرہاً یہ تجویز منظور کر لی اور اپنے اہل و عیال۔ ملازمین۔ مصاحبین اور فوج کو ساتھ لے کر منکیرہ سے ڈیرہ چلا آیا۔ بعد ازاں مہاراجہ نے لیہ اور بھکر کے علاقوں کو اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ نواب حافظ احمد خان کے ہمراہ بعض دوسرے دُرانی بھی بسلسلہ ملازمت ڈیرہ میں آ کر آباد ہو گئے۔ ان میں علی زئی، خواجک زئی۔ خاکوانی۔ بلوچ اور اعوان قابلِ ذکر ہیں۔ [2] ان دنوں میں ڈیرہ اسماعیل خان کا قدیم شہر دریا بُرد ہو چکا تھا۔ ۱۸۲۴ء میں نواب حافظ احمد خان نے وہاں سے چند میل مغرب کی طرف موجودہ شہر کی بنیاد ڈالی اور اس کا نام بھی پرانے شہر کے نام پر ڈیرہ اسماعیل خان رکھا۔ اس شہر کی تعمیر نواب شیر محمد خان کے زمانے میں مکمل ہوئی۔ نواب حافظ احمد خان آٹھ سال حکومت کرنے کے بعد ۱۸۲۹ء میں بقضائے الٰہی فوت ہو گیا۔ اس کا بڑا لڑکا شیر محمد خان ناظم مقرر ہوا۔ نواب حافظ احمد خان کے وقت سے ملک میں جو بدامنی پھیل چکی تھی وہ برابر بڑھتی گئی۔ نواب شیر محمد خان بھی ملک کا نظم و نسق درست کرنے کی بجائے عیش و عشرت میں پڑ

[1] و [2] سوانح حیات حسن خان ہوت بلوچ صفحہ ۳۰، صفحہ ۳۲۔

گیا۔ خرچ کے مقابلے میں آمدنی کے ذرائع کم ہوتے گئے۔ بالآخر ملک کی حالت اس قدر زبوں ہوگئی کہ فوج کی تنخواہ کے لئے بھی خزانہ میں روپیہ نہ رہا۔ چنانچہ نواب نے مجبور ہو کر ۱۸۳۸ء میں ساٹھ ہزار روپیہ سالانہ جاگیر کے عوض ملک کو کنور نونہال سنگھ کے ہاتھ فروخت کر دیا اور اس طرح ڈیرہ میں خاندان سدوزئی کی نظامت کا خاتمہ ہوگیا۔ [1]

کنور نونہال سنگھ نے ملک کا نظم و نسق درست کرنے اور مالیہ وصول کرنے کے لئے ایک ہندو سیٹھی لکھی رام کو جو پہلے نواب ڈیرہ کا ملازم تھا، اجارہ دار بنا دیا۔ لکھی رام ۱۸۴۳ء میں مر گیا جو پہلے نواب ڈیرہ کا ملازم تھا۔ اس کی جگہ اس کا لڑکا دولت رائے اجارہ دار مقرر ہوا۔ تین سال بعد ۱۸۴۶ء میں فتح محمد خاں ٹوانہ نے دربار لاہور سے سند اجارہ داری حاصل کر لی اور دیوان دولت رائے سے ملک کا قبضہ لے لیا۔ دیوان دولت رائے خاموش نہ رہا بلکہ فوراً لاہور چلا گیا اور کوشش کر کے دوبارہ سند اجارہ داری حاصل کر لی [2] سکھ فوج کا ایک دستہ لے کر ڈیرہ پر چڑھ آیا۔ فتح خان ٹوانہ نے دولت رائے کی مزاحمت کی مگر سکھ فوج نے اس کو شکست دے دی اور وہ بھاگ کر اپنے وطن کو چلا گیا۔ اگرچہ دیوان دولت رائے ملک پر دوبارہ قابض ہوگیا مگر زیادہ عرصہ حکومت نہ کر سکا۔ انہی دنوں انگریزوں نے لاہور میں ریذیڈنسی قائم کر لی تھی۔ انگریزوں نے مسٹر ایڈورڈس کو اس ملک کا حاکم بنا کر بھیج دیا۔ اس کے بعد ۱۸۴۹ء میں سرکار انگریزی نے تمام پنجاب کو مستقل طور پر اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ ۹۸ سال تک انگریز اس ملک پر قابض رہے۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان کا قیام عمل میں آگیا۔ اب یہ علاقہ دولتِ خداداد پاکستان کا حصہ ہے۔ چونکہ ضلع کی آبپاشی کے وسائل نہایت ناکافی ہیں۔ اس لئے آبادی بہت پتلی اور کم گنجان تھی۔ لاکھوں ایکڑ زمین بنجر اور ویران پڑی ہے۔ اگر اس علاقہ کی آبپاشی کا انتظام ٹھیک ہوگیا۔ تو یہ ضلع ایک دن پنجاب کا لائل پور (فیصل آباد) کہلائے گا۔ انشاء اللہ العزیز۔ حکومت پاکستان کو اس طرف توجہ دینی چاہیئے [2]

آثارِ قدیمہ

قلعہ قدیم منکیرہ:۔ قلعہ قدیم منکیرہ جو عوام الناس میں قلعہ بلوچاں کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہ قلعہ تقریباً دس ایکڑ رقبہ پر محیط ہے۔ ۱۴۰۰ قبل مسیح میں مل قوم کے راجہ مل کھیڑہ نے ایک قلعہ تعمیر کیا جس کا نام مل کھیر کوٹ رکھا جسے عرب تاجر اور مورخین اپنی عربی زبان کے لہجہ میں مانکیر کوٹ بولتے تھے جو واقعات زمانہ کے ساتھ ساتھ منکیرہ کے نام سے مشہور ہوا۔ [3]

[1]، [2] سوانح حیات حسن خان ہوت بلوچ صد ۳۲، صد ۳۴ [3] تاریخ جھنگ

۹۲ھ/۷۱۲ء میں محمد بن قاسم کے جرنیل ابوالاسود جہم بن زحر جعفی نے کوٹ کروڑ۔ بھکر اور منکیرہ کو فتح کر کے
احمد بن خزیمہ بن عتبہ مدنی کو ان علاقوں کا گورنر مقرر کیا پھر شیخ حامد موسیٰ گورنر مقرر ہوئے۔ انھوں نے اس قدیم
قلعہ کی تعمیر و مرمت کرائی۔ پھر میکن قوم نے اپنے سنہری عہد میں اس قلعہ کی مرمت کی۔ ۳۸۰ھ/۹۹۰ء میں امیر سبکتگین
ملتان پر حملہ کرنے کے لئے یہاں سے گزرا تو اس نے اس قلعۂ قدیم کی تعریف کی کہ منکیرہ کا قلعہ اپنی مضبوطی اور
وسعت کے اعتبار سے خاص شہرت کا حامل ہے۔ ۱؎

میکنوں کے عہدِ حکومت میں ہیپال نامی سیال نے جو میکن افواج کا سالارِ اعلیٰ تھا ۷۸۲ھ/۱۳۸۰ء میں قلعہ منکیرہ
کی از سرِ نو تعمیر و مرمت کی اور اسے جدید تقاضوں کے مطابق تعمیر کیا۔ قلعہ کی دیواروں کو چاروں طرف سے تیس
بیس فٹ بلند کیا۔ اس کے گرداگرد خندق کھدوائی۔ خندق چالیس فٹ چوڑی اور پندرہ فٹ گہری تھی۔ اس کے
گرداگرد چاروں طرف چار کنویں بنوائے اور ایک کنواں قلعہ کے اندر بنوایا۔ یہ کنویں اب بھی موجود ہیں۔ قلعہ کی
دیواریں بیس بیس فٹ چوڑی تھیں۔ میکنوں کے بعد لنگاہ۔ ہوت۔ میرانی۔ رند۔ جسکانی اور کلہوڑہ بلوچوں نے یکے
بعد دیگرے سوا تین سو سال تک حکمرانی کی اور قلعوں کی تعمیر و مرمت میں خصوصی دلچسپی لی۔ خصوصاً قلعہ منکیرہ کے
چاروں طرف بیس برج بنوائے جو اب بھی سر اٹھائے اپنے ماضی کی عظمتِ رفتہ کی گواہی دے رہے ہیں اور
بلوچ سرداروں کی آمد کے منتظر ہیں۔ قلعہ کا ایک دروازہ تھا جو جانب شمال کھلتا تھا۔ اس کے اندر محلات
تھے۔ حوض اور پختہ نالیاں تھیں۔ قلعہ کے اندر واقع کنویں کو لوگ نور قلندر بادشاہ کا کنواں کہتے ہیں۔ اس کنویں
کے پانی کی یہ خاصیت ہے کہ جس آدمی کو پھوڑے پھنسیاں نکل آئیں، وہ اس کنویں کے پانی سے نہائے تو پھوڑے
پھنسیاں ختم ہو جاتی ہیں۔

قلعہ عظیم نواب سربلند خان

قلعہ عظیم کی تعمیر کا کام نواب سربلند خان نے ۱۲۱۹ھ/۱۸۰۴ء میں کیا۔ قلعہ کی تعمیر پر پورے ۱۲ سال لگے۔ ادھر
قلعہ کی تعمیر مکمل ہوئی ادھر نواب سربلند خان اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے۔ یہ عظیم قلعہ منکیرہ تقریباً ۱۰۰ ایکڑ
رقبہ پر محیط ہے۔ اس قلعہ کے شمالاً جنوباً اور شرقاً غرباً چار دروازے ہیں۔ ان دروازوں کے نام جو زبان زد
خلائق مشہور ہیں۔ وہ یہ ہیں۔ مغربی دروازہ کا نام بابِ صدیقِ اکبر۔ جنوبی دروازہ کا نام بابِ عمر فاروق۔ مشرقی
دروازہ کا نام بابِ عثمان غنی اور شمالی دروازہ کا نام بابِ علی تھا۔ اس کے ہر ایک گوشہ میں ایک برج ہے یہ برج
پینتالیس پینتالیس فٹ سے زیادہ بلند ہیں۔ قلعہ کی ہر دیوار تیس فٹ بلند ہے جس پر مورچے بنے ہوئے ہیں۔
دیوار کی موٹائی بیس فٹ سے زیادہ ہے۔ قلعہ کے بیرونی جانب چاروں طرف ایک خندق تھی۔ قلعہ سے باہر

۱؎ تاریخ جھنگ

خندق کے ساتھ ساتھ چاروں طرف ایک ایک کنواں تھا۔ اس طرح خندق کو پُرآب رکھنے والے کنوؤں کی تعداد ۱۶ تھی جو ہر وقت چلتے رہتے تھے۔ خندق کی چوڑائی چالیس فٹ اور گہرائی پندرہ فٹ تھی۔ قلعہ کے اندر جابجا مکانات کے آثار موجود ہیں جو منہدم ہوکر مٹی کے ڈھیروں کی شکل میں جگ فانی کا درس دیتے ہیں۔ کہیں کہیں چربچے۔ حوض۔ تندور۔ راکھ کے ڈھیر۔ بارود ذخیرہ کرنے کی پختہ کھوئیاں۔ نکاس نالیاں۔ بدرویں۔ منظم آبادی کی شہادت دیتی ہیں۔ قلعہ کے باہر اور اندر جو اشجار اور باغات تھے وہ زمانہ کی دست برد سے ناپید ہوگئے ہیں۔ اب ان کھنڈرات میں وَن اور کریر کے درخت نظر آتے ہیں جنھوں نے اپنی جڑیں غیر آباد جگہ پاکر جمائی ہیں۔ سکھ دورِ حکومت میں دیوان لکھی مل نے اس قلعہ کے اندر مسلمانوں کو نکال کر ہندوؤں کو آباد کیا۔

جامع مسجد نواب سربلند خان

جامع مسجد نواب سربلند خان قلعہ بلوچاں کے باہر جانب شمال اور قلعہ عظیم نواب سربلند خان کے اندر غربی سمت میں واقع ہے۔ یہ جامع مسجد ایک بڑے کمرے اور صحن پر مشتمل ہے۔ یہ مسجد نواب سربلند خان کی اسلام سے محبت کی غماز ہے۔ مسجد کی تعمیر ۱۲۱۹ھ/۱۸۰۴ء میں ہوئی۔ مسجد کے اندر محراب پر کچھ میناکاری کی ہوئی ہے۔ مسجد کی باہر والی دیوار پر جو میناکاری کی ہوئی ہے اس پر یا اللہ اور یا محمد کے نام تحریر ہیں اور مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ والی آیت تحریر ہے۔ مسجد کے بیرونی دروازے کے اوپر روغنی اینٹیں نصب ہیں جو ملتانی فن کاری کا شہکار ہیں۔ روغنی اینٹوں پر یہ اشعار تحریر ہیں۔

زنواب محمد سربلند است — بنائے ایں چنیں کاشانہٴ نو

پی تاریخ ایں مسجد خرد گفت — زہی زیبا، عبادت خانہٴ نو

نیز افضل الذکر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ بھی تحریر ہے۔ یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ کی تحریر شدہ اینٹیں بھی نصب ہیں۔ مسجد کی چھت چوڑی دار سلاخوں سے جڑے ہوئے شہتیروں سے بنی ہوئی ہے۔ چوڑی دار شہتیروں کی فن کاری مسلمانوں کی ایجاد ہے۔ ۱۲۳۷ھ/۱۸۲۱ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے منکیرہ سے ۲ کلومیٹر جنوب تاریخی ٹیلہ گگی والا سے زمزمہ توپ سے گولہ داغ کر مسجد کا جنوبی مینار شہید کر دیا۔ زمزمہ توپ سے فائر ہونے والا گولہ ۱½ من وزنی تھا۔ اس وقت تھانہ منکیرہ میں پڑا ہوا ہے جو مسجد کے مینار کو شہید کرنے کی شہادت دے رہا ہے۔

مقبرہ نواب محمد سربلند خان

مارچ ۱۲۳۱ھ/۱۸۱۶ء میں نواب سر بلند خان مرضِ اسہال میں مبتلا ہو کر وفات پا گئے۔ آپ کے بھانجے حافظ احمد خان اور نواسے شیر محمد خان نے جو بعد میں آپ کے جانشین مقرر ہوئے۔ انھوں نے نواب صاحب کا مقبرہ تعمیر کیا۔ مقبرہ کی اندرونی منقش دیوار اس دور کی عمدہ فن کاری کی غماز ہے۔ مقبرے پر روغنی اینٹ نصب ہے جس پر تاریخ وفات ۱۲۳۱ھ/۱۸۱۶ء تحریر ہے۔ آپ کا مقبرہ قلعہ عظیم نواب سربلند خان کے اندر جنوبی سمت میں واقع ہے۔

مقبرہ نُور قلندر بادشاہ

مغل شہنشاہ شاہ جہاں کے چار لڑکوں میں اقتدار کی جنگ چھڑ گئی۔ ان شہزادوں میں اورنگ زیب سب سے قوی تھا اور مغلیہ سلطنت کا وارث بنا۔ اس کا بھائی شہزادہ شجاع شکست کھا کر دہلی سے روپوش ہوا اور بھکر لیہ تک پہنچا۔ اس کے بعد کی کوئی تاریخی شہادت نہیں ملتی۔

بعض مقامی معلومات کی روشنی میں اورنگ زیب عالمگیر نے منکیرہ کے نواب میر بلوچ خان اول کو شہزادہ شجاع کی گرفتاری پر مامور کیا۔ میر بلوچ خان اوّل نے بحالتِ خوابیدگی لیہ کے نواح میں شہزادہ کو گرفتار کر کے قلعہ موج گڑھ میں قید کر دیا۔ پھر عالمگیر کے کہنے پر اس کی آنکھوں میں گرم سلائی پھیر دی اور عمر قید کی سزا دے کر اُسے قلعہ منکیرہ میں رکھا۔ بعد ازاں شہزادہ شجاع نے زُہد و عبادت میں کمال حاصل کر کے گوشہ نشینی اختیار کی اور درویشانہ زندگی گزارنے کے بعد خالقِ حقیقی سے جا ملا۔ عوام میں نور قلندر کے نام سے شہرت پائی۔ آپ کا مقبرہ قلعہ قدیم منکیرہ میں واقع ہے۔

قلعہ اموانی (حیدر آباد تھل)

قلعہ اموانی (حیدر آباد تھل) کی تعمیر ۳۸۰ھ/۹۹۰ء میں میکن قوم نے کی۔ امیر سبکتگین کے حملہ ملتان کے وقت اس کی تعمیر مکمل ہو چکی تھی۔ یہ قلعہ قدیم ۵ ایکڑ رقبے پر محیط ہے۔ قلعہ مربع شکل کا ہے۔ اس کے گرداگرد ہر چہار طرف سے تین تین بُرج ہیں۔ قلعہ کا دروازہ مغربی جانب کُھلتا ہے۔ اموانی کا پرانا اور نیا قبرستان جانب مغرب ہے۔ اس قلعہ کے اندر ایک چھوٹا سا قلعہ نما کھنڈر شمالی دیوار کے ساتھ ملحقہ سنٹر میں واقع ہے۔ قلعہ کے اندر ایک کنواں تھا۔ یہ کنواں قلعہ کی اندرونی ضروریات پوری کرتا تھا۔ قلعہ کے باہر چاروں طرف کنویں تھے جو خندق کو ہر وقت پُر آب رکھتے تھے۔ قلعہ پختہ تھا۔ انگریزوں کے دَور میں اس کی پختہ اینٹیں اکھڑوا کر

جھنگ تا بھکر سڑک کا سولنگ کرایا گیا۔ قلعہ کے جنوب مغربی گوشہ میں واقع برج کی بنیادیں اب بھی پختہ حالت میں دیکھی گئی ہیں جو مکین قوم کے شاندار ماضی کی عکاسی کرتی ہیں۔

قلعہ ماہنی :- ۷۰۰ھ/۱۳۰۰ء میں رائے سیال کے لڑکے ماہنی نے تھل میں کوٹ ماہنی کی بنیاد رکھی۔ اس قلعہ کے نشانات ناپید ہیں۔ یہاں بھڈوال قوم آباد ہے اور ترقی پذیر ہے۔

قلعہ ڈھنگانہ :- ماہنی سیالوں میں ایک موڈو گانہ سیال نے ۸۷۵ھ/۱۴۷۰ء میں رئیس اول نواب مل خان سیال حاکم جھنگ کے عہدِ حکومت میں اس کی تعمیر کی۔ جسکانی دورِ حکومت میں یہاں کا قلعہ دار ایک مگسی بلوچ تھا۔ مگسی اب بھی بکثرت آباد ہیں۔

قلعہ گڑھ مہاراجہ :- ۱۰۵۸ھ/۱۶۴۸ء میں اورنگ زیب عالمگیر نے صوبہ ملتان کی ریاستوں کا دورہ کیا۔ اس دوران تہر گاں (گڑھ مہاراجہ) میں دریائے چناب کے کنارے ایک مضبوط قلعہ تعمیر کیا۔ کیونکہ اس زمانے میں بلوچوں نے ہل چل اور شورش پیدا کر رکھی تھی۔ گو بلوچوں کی ریاستیں ایک قسم کی آزاد تھیں تاہم اورنگ زیب نے ان سے حکمتِ عملی کے تحت اطاعت کا معاہدہ تحریر کرایا تھا۔

گڑھ مہاراجہ کی اہمیت :- قلعہ گڑھ مہاراجہ کی فوجی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ ڈیرہ غازی خان۔ ڈیرہ اسماعیل خان اور منکیرہ کی بلوچ ریاستوں کے سر پر مغل فوج بٹھا دی گئی۔ اس کے لئے اور کوئی موزوں جگہ نہ تھی۔ اس کے علاوہ یہ علاقہ چونکہ حضرت سلطان باہو کا مسکن تھا۔ اورنگ زیب کو ان کی عزت افزائی مطلوب تھی نیز اورنگ زیب نے دو مرتبہ اس قلعہ میں قیام کیا اور سلطان باہو کی مجلسِ عرفان سے فیضیاب ہوا۔

قلعہ دلیوالہ :- ۱۰۸۰ھ/۱۶۷۰ء میں عبداللہ خان میرانی بلوچ نے اس قلعہ کی تعمیر کی۔ میر بلوچ خان اول نے اسے اپنی دامادی میں لے لیا تھا۔ میر بلوچ خان اوّل کی وفات کے بعد آپ کے بیٹوں نے باہمی صلاح و مشورہ سے اپنی مخدومہ بہن ملائم بی بی کو منکیرہ کا حکمران مقرر کیا تو عبداللہ خان میرانی اس حکومت کے سرپرست مقرر ہوئے علاقہ دلیوالا کی جاگیر بھی اس کے پاس رہی۔ مرورِ زمانہ کے ساتھ کوٹ عبداللہ خان کا نام بگڑ کر دلیوالہ ہو گیا۔

قلعہ مبارک گڑھ :- یہ قلعہ دائرہ دین پناہ نزد ریلوے پھاٹک چوک منڈا روڈ جنوبی سمت تحصیل کوٹ ادو ضلع مظفر گڑھ میں واقع ہے۔ اس کی تعمیر ۱۲۰۳ھ/۱۷۸۸ء میں نواب سربلند خان سدوزئی حاکم لیّہ منکیرہ نے کی۔

کوٹ لیّہ :- نواب چاکر خان کے بیٹے نواب کمال خان میرانی نے اس کی تعمیر ۹۵۸ھ/۱۵۵۰ء میں کی۔ کوٹ کمال خان سے کمالیہ مشہور ہوا پھر کما کا لفظ اڑا دیا گیا اور لیّہ رہ گیا۔

کوٹ ادّو :- میر چاکر خان میرانی کے لڑکے نواب ادّو خان نے قلعہ کوٹ ادّو کی تعمیر کی۔

قلعہ قدیم موسوم بلوچاں کی شمال مغربی بیرونی دیوار

قلعہ قدیم موسوم بلوچاں کا اندرونی منظر
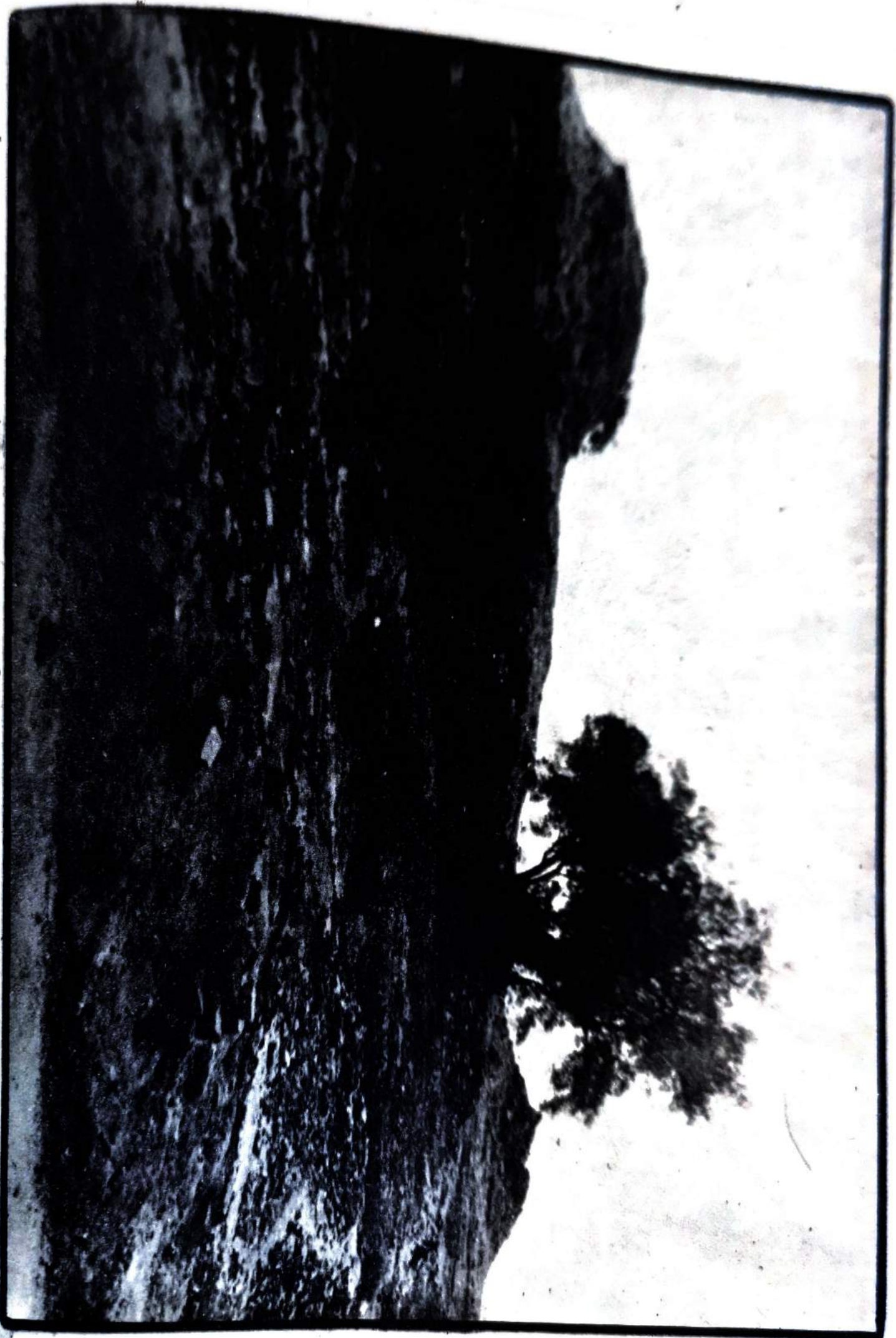
کوٹ سلطان:۔ اس قلعہ کو نواب چاکر خان کے لڑکے سلطان خان نے تعمیر کیا۔

قلعہ نوشہرہ:۔ اس قلعہ کو نواب چاکر خان کے لڑکے نوشیر خان نے تعمیر کیا۔

کوٹ کروڑ:۔ آج سے دو ہزار سال قبل مسیح بھٹی راجپوتوں میں چگنو کی اولاد سے ایک راجہ کہیر تھا جس نے کہیر کوٹ کے نام سے قلعہ تعمیر کرایا جو بعد میں کہیر کوٹ سے بدل کر کوٹ کروڑ کے نام پر مشہور ہوا۔ اب اسے تحصیل کا درجہ مل چکا ہے۔

قلعہ نوتک:۔ اس کی تعمیر شاہجہاں بادشاہ کے دور میں ہوئی۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے قلعے ہیں جن کی تفصیل معلوم نہ ہو سکی۔ قلعہ نواں کوٹ۔ قلعہ شیر گڑھ۔ قلعہ چوبارہ۔ قلعہ منڈا۔ قلعہ خان گڑھ۔ کوٹ بہادر۔ کوٹ شاکر۔ کوٹ خانپور۔ کوٹ مہرے والا کے علاوہ آدھی کوٹ۔ کلور کوٹ اور کراڑی کوٹ قابلِ ذکر ہیں۔

تاریخی گولے

(۱) **لوہے کے گولے**:۔ لوہے کا ایک گولہ تھانہ منکیرہ میں موجود ہے۔ اس کا وزن تقریباً ڈیڑھ من کے قریب ہے۔ یہ گولہ زمزمہ توپ سے داغا گیا جس سے مسجد نواب سربلند خان کا جنوبی مینار شہید ہوا۔

(۲) **گولہ نما پتھر**:۔ یہ منجنیق کے گولے ہیں۔ یہ پتھر منجنیق کے ذریعہ پھینکے جاتے تھے۔ ان سے قلعہ کی دیواریں توڑی جاتی تھیں۔ یہ پتھر درجنوں کے حساب سے قلعہ میں موجود ہیں۔ اکثر لوگوں کے گھروں میں بھی پائے جاتے ہیں۔

تاریخی ٹیلے

(۱) **ٹیلہ چاکر خان**:۔ یہ تاریخی ٹیلہ منکیرہ کے شمال میں پندرہ کلومیٹر کے فاصلے پر قصبہ کلیانوالہ کے قریب واقع ہے۔ مقامی روایت کے مطابق چاکر اعظم رند جب شہنشاہ ہمایوں کی امداد کے لئے عوشاب گیا تو قلعہ منکیرہ سے گزر کر اسی ٹیلہ پر اپنا پڑاؤ ڈالا۔ اسی وجہ سے اس ٹیلہ کو چاکر خان کا ٹیلہ کہتے ہیں۔

(۲) **ٹیلہ ککی والہ**:۔ یہ ٹیلہ منکیرہ سے دو کلومیٹر جنوب پٹی بلندہ روڈ پر واقع ہے۔ سرائیکی میں ٹیلہ ریت کے ڈھیر کو کہتے ہیں۔ ۱۲۳۷ھ ۱۸۲۱ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اسی ٹیلہ پر پڑاؤ ڈال کر زمزمہ توپ سے قلعہ منکیرہ پر گولہ باری کی۔ اس کی گولہ باری سے قلعہ عظیم سربلند خان اور قلعہ قدیم موسومہ بلوچاں کی جنوبی دیوار شق ہوئی۔ اس طرح رنجیت سنگھ قلعہ منکیرہ میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا۔

تاریخی ٹوبھے

۱) **میرک ٹوبھہ** یہ ٹوبھہ میرک سیال نے کھودا تھا۔ ان دنوں ریاست اموانی منکیرہ کا علاقہ سیالوں کے قبضہ میں تھا۔ اب اسی ٹوبھہ کی جگہ بستی آباد ہے اور پیر شیخ دعوی صاحب کا مزارِ پُرانوار واقع ہے۔

۲) **منکیری ٹوبھی** یہ ٹوبھی میکن قوم کے سنہری دور کی یادگار ہے جو بارشی پانی کو ذخیرہ کرنے کے لئے بنائی گئی تھی۔ اس ٹوبھی کے کنارے ریت کا ٹیلہ تھا۔ آندھیوں کی وجہ سے اس ٹیلہ کی ریت ٹوبھہ میں گرتی رہتی تھی۔ ریت کے اس کِرنے اور گرنے کے عمل کی وجہ سے منکیری ٹوبھی مشہور ہوئی۔ بعد میں اسی ٹوبھی کی نسبت سے منکیرہ شہر مشہور ہوا۔

دسواں باب

منگیرہ، ماضی و حال کے آئینہ میں

منکیرہ کی تاریخی حیثیت

تاریخی اعتبار سے منکیرہ بلند حیثیت رکھتا ہے۔ ضلع بھکر کا یہ قدیم قصبہ جھنگ روڈ پر جانب مشرق ۴۵ کلومیٹر دور تھل کے عین قلب میں واقع ہے۔ کسی زمانہ میں یہ علاقہ جو عظیم تھل منکیرہ کے نام سے موسوم ہے، دریائے سندھ کی گزرگاہ تھی۔ ایرانی تاریخ کے مطالعہ سے علاقہ تھل منکیرہ کی تاریخ کا سراغ ایک ہزار قبل مسیح سے ملتا ہے جبکہ اس علاقہ پر مصری۔ ایرانی اور یونانی حملہ آور مختلف ادوار میں قابض رہے۔ سکندر اعظم یونانی کے وقت اس علاقہ میں ملوئی قبائل کی حکومت تھی۔ بعد ازاں موریہ خاندان۔ یوچی کشان اور سفید ہُنز حکمران رہے۔ پھر چندر خاندان کی حکومت قائم ہوئی۔ اس خاندان کے آخری راجہ داہر کی حکومت کا خاتمہ اسلام کے نامور جرنیل محمد بن قاسم ثقفی نے ۹۳ھ/۷۱۱ء میں کیا۔ فتح سندھ کے بعد یہ علاقہ براہِ راست بغداد کی اموی حکومت کے زیر تسلط آگیا پھر عباسی عہد حکومت میں ولایت سندھ بشمول ملتان و عظیم تھل منکیرہ پورے ڈیڑھ سو سال تک حکومت بغداد سے منسلک رہا۔ مرکزی حکومت بغداد کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر قنوج کے ناگ بھٹ راجپوتوں نے اس علاقہ کو اپنی عملداری میں لے لیا پھر میکن قوم کو عروج ہوا۔ یہ قوم پورے پانچ سو سال تک یعنی ۳۷۵ھ/۹۸۵ء سے لے کر ۸۷۵ھ/۱۴۷۰ء تک حکمران رہی پھر بلوچ قوم کے مختلف قبائل۔ دودائی۔ ہوت۔ میرانی۔ رند۔ جسکانی اور کلہوڑے یکے بعد دیگرے ۱۲۱۹ھ/۱۸۰۴ء تک ساڑھے تین سو سال حکمران رہے۔ ان کے عہد حکومت میں احمد شاہ ابدالی نے ۱۱۶۴ھ/۱۷۵۱ء میں علاقہ تھل منکیرہ اور ملتان کی ریاستوں کو فتح کر کے ان کا الحاق مملکتِ افغانستان سے کر لیا۔ پورے ستّر سال تک یعنی ۱۲۳۷ھ/۱۸۲۱ء تک یہ علاقہ مملکتِ افغانستان کی عملداری میں رہا۔ اس عرصہ میں عظیم ریاست منکیرہ پر سدوزئی پٹھانوں کی حکومت قائم رہی جن میں نواب سربلند خان سدوزئی قابل ذکر ہیں۔ بعد ازاں سکھوں کو عروج ہوا۔ ۱۲۶۵ھ/۱۸۴۸ء میں انگریزوں نے سکھ حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ ۱۲۷۶ھ/۱۸۶۰ء میں صوبہ ملتان کو صوبہ لاہور میں ضم کر کے ایک نیا صوبہ پنجاب عمل میں لایا گیا اور انتظامی طور پر چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو ختم کر کے ضلعوں اور تحصیلوں میں تقسیم کیا گیا۔ اس دور میں منکیرہ تھانہ کی اکائی تک پہنچا۔ منکیرہ کی تاریخی حیثیت کا اندازہ اس امر سے بخوبی واضح ہے کہ:

۱۔ مشہور سیاح ابن بطوطہ دریائے سندھ عبور کر کے قصبہ داجل پہنچا پھر بھکر منکیرہ سے گزر کر ترمیوں

...پر قیام کیا۔

...تمات پر ہیکن نواب منکیرہ کے عہد حکومت میں بابا فرید الدین گنج شکر منکیرہ تشریف لائے اور
بہادر خان ہیکن نے بابا فرید کے دستِ حق پرست پر اسلام قبول کیا۔
...نواب موصوف
غیاث الدین بلبن شہنشاہ ہند منکیرہ میں تشریف فرما ہوئے اور انہوں نے نواب بہادر کو خان کا
خطاب دے کر عظیم ریاست منکیرہ امرانی کا حکمران تسلیم کیا۔
سبکتگین حملۂ ملتان کے وقت منکیرہ سے گزرا اور قلعہ منکیرہ کی تعریف کی۔
انگریزی عہد حکومت میں ۱۸۸۰ء کے بندوبست اراضی کی ابتدا منکیرہ سے ہوئی۔ یعنی منکیرہ کو
پنجاب کا مرکز بنا کر زمین کی پیمائش ہوئی اور بُرجیاں لگائی گئیں۔ بنیادی لائن (بیس لائن گارڈر)
لوہے کے گارڈروں سے قائم کی گئی ہے۔ یہی بیس لائن (بنیادی لائن) تمام تھل عظیم کی درمیانی لائن
ہے جس پر پنجاب بھر کے بندوبست اراضی کی بنیاد قائم ہے۔

آب و ہوا، بارش، ذرائع آمد و رفت

منکیرہ تھل کے عین مرکز میں واقع ہے۔ اس لئے یہاں کی آب و ہوا گرمیوں میں سخت گرم اور خشک
اور سردیوں میں سخت سرد خشک ہے۔ ریتلا علاقہ ہونے کی وجہ سے بالخصوص موسم گرما میں گرم ہوائیں چلتی ہیں۔
جنہیں عام زبان میں لُو کہتے ہیں۔ بعض اوقات ہوا بند ہو جاتی ہے۔ ہوا کے بند ہو جانے کو لوگ
گھٹ (حبس) کا نام دیتے ہیں۔ ہوا کے اس گھٹ کو لوگ بارش یا آندھی کا پیش خیمہ خیال کرتے
ہیں۔ یہاں کی رات ریت کی بدولت ٹھنڈی ہو جاتی ہے۔ آندھی سے خاص فائدہ ہوتا ہے کہ گلی کوچوں
میں تعفن پیدا نہیں ہوتا اور ہوا صاف رہتی ہے۔ بارش کی سالانہ اوسط ۱۲ انچ ریکارڈ ہوئی ہے۔
خصوصاً چنا، گندم اور گوارہ کی فصل بارانی ہوتی ہے۔ رکھ منکیرہ کا خربوزہ بھی پنجاب بھر میں مشہور ہے
جو اپنی لذت اور مٹھاس میں بے مثال ہے۔

ذرائع آمد و رفت

پرانے وقتوں میں لوگ اونٹوں اور گدھوں پر اپنا مال اسباب لاد کر لایا کرتے ہیں۔ راستے
بے حد مخدوش اور ریت سے اٹے ہوئے ہوتے تھے یعنی آندھیوں کی بدولت یہ راستے منوں ریت میں
گم ہو جاتے تھے۔ راہزنوں اور قزاقوں کا خطرہ ہر وقت سر پر رہتا تھا۔ اس لئے لوگ قافلوں کی صورت
میں اپنا سفر کرتے تھے۔ مگر جنرل محمد ضیاء الحق صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان نے ۱۹۸۲ء میں اس قدیم قصبہ

منکیرہ کو تحصیل کا درجہ دے کر تھل میں سڑکوں کا جال بچھا دیا ہے۔ دیگر علاقائی ترقیاتی منصوبے بھی زیرِ تعمیر ہیں۔ انشاء اللہ یہ علاقہ (عظیم تھل) چند سال میں ترقی یافتہ کہلائے گا۔

مساجد اور دینی درسگاہیں

۱۰ رمضان المبارک ۹۳ھ ۷۱۱ء میں اسلام کے نامور جرنیل محمد بن قاسم ثقفی نے باب الاسلام سندھ میں اسلامی پرچم سربلند کیا۔ باب الاسلام سندھ کو یہ شرف حاصل ہے کہ یہاں برصغیر کے علاقوں میں سب سے پہلے نورِ اسلام چمکا۔ بزرگانِ دین اور علمائے کرام نے اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں بھرپور حصہ لیا اور یہاں کے مختلف قبائل اسلام کی سروشنی سے منور ہوئے۔

محمد بن قاسم کے جرنیل ابوالاسود جہم بن زحر ثقفی نے منکیرہ فتح کر کے احمد بن خزیمہ بن عتبہ مدنی کو ان علاقوں کا گورنر مقرر کیا۔ منکیرہ کی پہلی دینی درس گاہ انہی کی مرہونِ منت ہے۔ بعد ازاں نواب بہاؤ خان میکن نے بابا فرید الدین مسعود گنج شکر کی سرپرستی میں دینی درس گاہ قائم کی۔ عظیم ریاست منکیرہ کے علاقوں میں محمد یوسف قریشی الملقب لعل عیسن صاحب کروڑ۔ پیر سید علی شاہ بخاری۔ پیر محمد راجن شاہ صاحب۔ پیر گل محمد شاہ بخاری۔ پیر جمال شاہ بخاری بھکر اور حضرت شاہ عیسٰی بلوٹی اشاعتِ دین کرتے تھے۔ منکیرہ کے سدوزئی حکمران نواب سربلند خان نے دینی درس گاہ قائم کی جسے سکھوں نے ختم کر دیا۔ انگریزی دورِ حکومت میں مولانا شیخ احمد یار صاحب نے درس و تدریس کا کام جاری رکھا۔ اب منکیرہ کی تمام مساجد میں قرآن ناظرہ اور حفظ کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ اس وقت منکیرہ کی دو دینی درسگاہیں قابلِ ذکر ہیں۔

۱) **دار العلوم جامعہ رضویہ حنفیہ منکیرہ** یہ دینی درس گاہ برلبِ سڑک متصل نوری مسجد جھنگ روڈ پر واقع ہے۔ اس کا اجراء جون ۱۹۸۳ء میں زیرِ نگرانی انجمن غلامانِ مصطفٰےؐ منکیرہ ہوا۔ عوام کی دیرینہ خواہشات کے پیشِ نظر حافظ احمد حسن رضوی اور مولانا غلام رسول گوندل کی شبانہ روز انتھک کوششوں سے دار العلوم کا قیام عمل میں لایا گیا جس کے سرپرستِ اعلیٰ ڈاکٹر حبیب الرحمٰن صاحب مقرر ہوئے۔ باقی عہدیدار حسب ذیل ہیں۔ صدر۔ صوفی عبد الحق صاحب۔ نائب صدر حافظ محمد زبیر صاحب۔ جنرل سیکرٹری چوہدری صفدر علی۔ جائنٹ سیکرٹری غلام رسول ارائیں اور خازن ماسٹر عبد المجید صاحب۔

دار العلوم کے تمام اخراجات کی متحمل انجمن غلامانِ مصطفٰےؐ ہے جو علاقہ تھل کے لوگوں کے تعاون سے صدقات خیرات۔ زکوٰۃ و عشر اور چرمہائے قربانی وصول کر کے مدرسہ کے اخراجات کی کفالت کرتی ہے نیز بیرونی

طلباء کے خورد ونوش۔ رہائش۔ لحاف و بستر کے علاوہ طلبا کو آمد و رفت کا کرایہ دینا بھی ان کی ذمہ داری ہے۔ زیرِ تعلیم طلبا کے لئے کتب کی فراہمی بھی ان کے ذمہ ہے۔ شہری طلباء کے علاوہ بیرونی طلباء کی تعداد تیس ۳۰ کے قریب ہے۔ یہ دارالعلوم اردو۔ فارسی ادب سے لے کر صرف و نحو۔ منطق۔ فلسفہ۔ فقہ۔ حدیث اور ریاضی قدیم پڑھانے کا ذمہ دار ہے۔ شعبہ حفظ ناظرہ کے فرائض صوفی عطا محمد صاحب سرانجام دے رہے ہیں جو نہایت خلیق۔ ملنسار۔ حلیم الطبع صوفی منش ہیں۔ شعبہ درس نظامی کے فرائض علامہ عبدالمجید صاحب غوزی کے سپرد ہیں جو دورۂ حدیث پاکستان کی مرکزی جامعہ نظامیہ رضویہ لوہاری گیٹ لاہور سے فارغ التحصیل ہیں۔ اب اسی دارالعلوم میں قال اللہ و قال الرسول کی تعلیم سے بچوں کے قلوب کو منور فرما رہے ہیں۔ آپ انتہائی شریف النفس۔ بردبار۔ محنتی اور شفیق مدرس ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے علم و فضل میں ترقی عطا فرمائے۔ آمین!

۲) جامعہ عزیز الاسلام منکیرہ یہ جامعہ اندرون قلعہ منکیرہ متصل مسجد نواب سربلند خان سدوزئی واقع ہے۔ اس جامعہ میں زیرِ تعلیم بچوں کو قرآن ناظرہ اور حفظ کے ساتھ ساتھ علم حدیث اور صرف و نحو پڑھائی جاتی ہے۔ یہ منکیرہ شہر کی بڑی دینی درس گاہ ہے۔ اس کے ناظمِ اعلیٰ مولانا محمد عبداللہ صاحب ہیں۔ آپ نے فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم مولانا محمد عبداللہ صاحب بھکر سے حاصل کی۔ پھر دارالعلوم عیدگاہ کبیر والا سے موقوف علیہ تعلیم حاصل کی اور دورۂ حدیث پڑھ کر فراغت کی سند مدرسہ ہذا اور وفاق المدارس دونوں سے حاصل کی۔ ۱۹۶۹ء سے جامعہ عزیز الاسلام منکیرہ میں درس و تدریس کا کام سنبھالا۔ اس وقت مسجد سے ملحقہ صرف ایک کمرہ تھا اور پانچ بچیاں قرآن ناظرہ پڑھنے والی تھیں۔ پندرہ سال بعد بچوں کی زیرِ تعلیم تعداد میں ۱۲۰ طلباء اور طالبات کا اضافہ ہوا ہے۔ یہ جامعہ ۴ کنال رقبہ پر قائم ہے۔ مولانا صاحب انتہائی شریف اور ملنسار ہیں۔

۳) دارالعلوم جامعہ فریدیہ رجسٹرڈ بھکر بھکر کے چند دین دوست نوجوانوں نے ۱۹۷۰ء میں مذہب اسلام کی عظمت اور اصلاحِ معاشرہ کے نیک مقصد کے تحت دینی تنظیم انجمن غلامانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم قائم کی جس کے پروگرام میں اشاعتِ دین کے لئے ایک عظیم الشان درس گاہ کا قیام بھی عمل میں لانا تھا۔ چنانچہ جنوری ۱۹۷۳ء میں مرکزی جامع مسجد جعفر شاہ میں دو نئے کمرے تعمیر کر کے حضرت زہد الانبیاء شیخ الاسلام والمسلمین حضرت سیدنا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے اسم مبارک سے منسوب دینی درس گاہ جامعہ فریدیہ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ بعدہٗ جامعہ فریدیہ کی توسیع کے لئے بہل روڈ پر تعدادی رقبہ دو کنال بارہ مرلے حاصل کیا گیا۔ ۱۹۷۶ء میں قیوم زمان شیخ طریقت حضرت خواجہ پیر محمد عبداللہ

المعروف پیر باروشریف رحمۃ اللہ علیہ کی نظرِ کرم اور شیخ طریقت حضرت خواجہ محمد یوسف صاحب چشتی نظامی اور حضرت خواجہ سائیں بابا محمد صدیق چشتی الصابری رحمۃ اللہ علیہ نے کمال شفقت فرماتے ہوئے تقریب سنگِ بنیاد میں شرکت فرمائی۔

رقبہ کی ہیئت اور پختگی کے پیشِ نظر آٹھ فٹ بنیاد پر تعمیر کا سلسلہ شروع کیا گیا ابتداء میں ۱۳×۱۴ کے دو کمرے ۱۴×۲۴ کا ایک ہال کمرہ۔ نیز رقبہ کی مناسبت کے مطابق برآمدہ۔ علاقائی موسم کی شدت کے پیشِ نظر تازہ ہوا کے لئے شمالی اور غربی جانب گیلریاں تعمیر کر کے ۲۰۶۰ مربع فٹ جگہ پر لینٹروں سے تعمیر مکمل کی گئی۔ تکمیل چار دیواری کے بعد باقاعدہ افتتاح جنوری ۱۹۸۲ء میں ضیغم اسلام، مجاہد ملت حضرت علامہ محمد عبد الستار خان نیازی ایم اے نے اپنے دست مبارک سے فرمایا۔ طلبا کی کثیر تعداد کے پیشِ نظر ۱۹۸۳ء میں مزید دو کمرے تعمیر کرائے گئے۔ جامعہ فریدیہ کی موجودہ تعمیر پر دو لاکھ روپے کے اخراجات ہو چکے ہیں۔

طلبہ کے قیام وطعام کا بہترین اہتمام ہے۔ جامعہ فریدیہ کا کوئی طالب علم کبھی کسی دروازہ پر گداگری کے لئے نہیں گیا۔ طلبائ کے کردار اور تعمیر اخلاق پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔ تعلیم کے ساتھ قالین بافی کا ہنر بھی سکھایا جاتا ہے۔ جامعہ فریدیہ مقام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور نظامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نفاذ کا داعی۔ تحفظِ ناموس صحابہ واہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ عظمت اولیائے کرام اور عزت علمائے کرام کا مضبوط قلعہ ہے۔ سید عارف حسین قدوسی مہتمم جامعہ فریدیہ اور ناظم دارالعلوم نذیر احمد چشتی الصابری کے ایثار و خلوص اور ورکروں کی شب وروز کی انتھک جدوجہد اور کاوش سے مدرسہ ہذا تعمیر و ترقی کی جانب منزل رواں دواں ہے۔

سید عارف حسین قدوسی ایک شفیق اور مہربان باپ کی طرح دنیاوی کام دھندوں سے بے نیاز بچوں کے کردار سازی خود اعتمادی اور تعمیر اخلاق میں ہمہ تن مصروف ہیں ننھے منے بچے پیار محبت کی بدولت انھیں اپنے بابا کے نام سے پکارتے ہیں۔ شاہ صاحب خوش اخلاقی۔ بردباری۔ اعلیٰ حوصلگی منکسر المزاجی اور خاندانی عظمت وشرافت کا عکس جمیل ہیں۔

ہم قلب ونظر کی عمیق گہرائیوں سے دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے مدرسہ ہذا کو دن دونی اور رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ آمین۔

عُلماء، حفّاظ اور صُوفیاء

مولانا شیخ احمد یار صاحب مرحوم آپ کا تعلق منکیرہ کی شیخ برادری سے تھا اٹھارویں صدی عیسوی کے وسط تک غالباً ۱۲۵۵ھ / ۱۸۴۰ء میں بمقام منکیرہ پیدا ہوئے۔
ولادت ۱۲۵۵ھ / ۱۸۴۰ء وفات ۱۳۴۵ھ / ۱۹۲۷ء
عمر ۹۰ سال
ان دنوں ریاست منکیرہ میں سکھوں کی طرف سے دیوان کرم نرائن حکمران تھا جو اپنے باپ دیوان ساون مل کی سرپرستی میں حکومت چلا رہا تھا۔ آپ بہت بڑے فقیہ اور عالم دین تھے۔ دور دراز سے لوگ آکر یہاں سے فتاویٰ حاصل کرتے تھے۔ دینی امور میں کمال حاصل تھا۔ متشرع اور پابندِ صوم و صلوٰۃ تھے۔ بچوں کو قرآن ناظرہ اور حفظ کے ساتھ ساتھ صرف و نحو کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ بسا اوقات مسجد میں رہتے۔ شب بیدار تہجد گزار انسان تھے۔ آپ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۴۵ھ مطابق ۱۹۲۷ء نوّے سال کی عمر میں بقضائے الٰہی فوت ہو گئے (انا للہ وانا الیہ راجعون)

حکیم مولانا عبدالعزیز سعیدی مرحوم مولانا موصوف ایک بلند پایہ عالم دین، صالح اعمال شخصیت کے حامل اور بہترین اخلاق و کردار کے مالک تھے۔ اتباعِ سنّت کا جذبہ بہت تھا۔ بلحاظ مسلک
ولادت ۱۳۳۷ھ / ۱۹۱۹ء وفات شعبان ۱۴۰۱ھ / ۱۹۸۱ء
اہلِ حدیث تھے۔ مگر آپ کے حلقۂ احباب میں ہر مکتبہ فکر کے لوگ شامل تھے۔ آپ ۱۹۱۹ء نزد جہانیاں منڈی ضلع ملتان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم ملک کے مختلف دینی مدارس میں پائی۔ دہلی تشریف لے گئے اور مولانا شرف الدین دہلوی سے فیض حاصل کیا اور سندِ فراغت پائی۔ آپ کتب حدیث تاریخ، اور دیگر فنون میں کامل مہارت رکھتے تھے اس لئے تمام مکاتبِ فکر کے لوگ آپ کے علم و فضل کے معترف تھے۔ ۱۹۵۴ء میں فریضۂ حج کی ادائیگی کے بعد مستقل طور پر منکیرہ آباد ہو گئے۔ یہاں سعیدی دواخانہ کے نام سے آپ کا مطب معروف تھا۔ آپ ایک متحرک قسم کے سماجی کارکن تھے۔ ۱۹۷۴ء کی تحریک ختمِ نبوّت میں آپ کو علاقہ تھل منکیرہ کی تحریک کا سربراہ منتخب کیا گیا۔ ۱۹۷۷ء کی تحریکِ نظامِ مصطفیٰ میں قومی اتحاد کی قیادت کی۔ آپ کا انتقال ۱۵ مئی ۱۹۸۱ء کو ہوا۔

مولانا محمد سلطان اکبر قریشی صاحب آپ کا تعلق قریشی خاندان سے ہے۔ شجرہ نسب حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی اور حضرت شیخ محمد یوسف الملقب لعلِ علین صاحب کرور سے جا ملتا ہے۔ سات پشتوں سے آپ کا خاندان علم و فضل کے لئے مشہور ہے۔ آپ ۱۳۳۶ھ / ۱۹۱۸ء میں بمقام منکیرہ

پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر میں حاصل کی۔ صرف و نحو کی تعلیم دار العلوم بستی خیر شاہ نزد کروڑ سے حاصل کی پھر تفسیر جلالین اور فقہ کی کتابیں پڑھنے کے لئے مدرسہ نعمانیہ لیہ میں داخل ہوئے اور آخری سند جامعہ انوار العلوم ملتان سے حاصل کی۔ فارغ التحصیل ہو کر جامعہ محمدیہ منکیرہ میں خطابت کے فرائض سنبھالے۔ تاحال اسی منصب جلیلہ پر فائز المرام ہیں۔ خوش الحان اور خوش بیان مقرر ہیں۔ فقہی مسائل پر کامل دسترس رکھتے ہیں۔ فلسفۂ شہادتِ حسین نہایت فصاحت و بلاغت سے بیان کرتے ہیں۔ بچوں کو حفظ اور قرآن ناظرہ کی تعلیم دیتے ہیں۔

استاد الحفاظ حافظ محمد علی صاحب مرحوم

ولادت ۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۰ء — وفات ۱۵ شعبان ۱۳۸۸ھ / ۷ نومبر ۱۹۶۸ء

آپ جٹ بیتلا قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ ۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۰ء میں بمقام ملانوالی دریائے سندھ کے علاقہ کچھ نشیب میں پیدا ہوئے۔ حصولِ علم کے لئے ملتان گئے اور قرآن حفظ کیا۔ جن دنوں آپ ملتان میں قرآن پاک حفظ کر رہے تھے، منکیرہ کی دینی درس گاہ کے ناظمِ اعلیٰ مولانا شیخ احمد یار صاحب کا انتقال ہو گیا۔ مولانا کی وفاتِ حسرت آیات سے ایک ایسا خلاء پیدا ہوا جسے پُر کرنا ناممکن نظر آ رہا تھا ان حالات میں منکیرہ کے غریب عوام کا وفد مولانا ہدایت اللہ قریشی کی قیادت میں پیر گل حسن صاحب آف مرشد آباد کی خدمتِ اقدس پہنچا اور عرض کی حضرت ہمیں ایک حافظ قرآن چاہیئے جو ہمارے بچوں کو قرآن ناظرہ کے ساتھ حفظ کی تعلیم دے۔ چنانچہ پیر گل حسن صاحب حافظ محمد علی صاحب کو جو آنحضرت کا مُرید خاص تھا، منکیرہ بھیجا۔ حافظ صاحب نے قرآن ناظرہ اور حفظ کی تعلیم کا اہتمام باحسن طریق کیا۔ تعداد طلبہ میں اضافہ ہونے لگا۔ اس دینی درسگاہ سے دو سو طلبہ نے حفظِ قرآن کیا۔ آپ ۱۵ شعبان ۱۳۸۸ھ بمطابق ۷ نومبر ۱۹۶۸ء کو اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے۔ آپ منکیرہ میں استاد الحفاظ کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کی اولاد کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ آپ کے چار لڑکے خدا بخش، محمد زبیر، گل حسن اور غلام حسن ہیں۔ ان میں اوّل الذکر تینوں لڑکے حافظ قرآن ہیں۔

مرد درویش میاں اللہ وسایا کھوکھر

ولادت ۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۸ء — وفات ۷ ربیع الاوّل ۱۴۰۴ھ / ۱۳ دسمبر ۱۹۸۳ء عمر ۱۱۵ سال

آپ کا تعلق قطب شاہی کھوکھروں کی ایک شاخ سے ہے۔ آپ جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے گیارہ سال بعد بمقام منکیرہ پیدا ہوئے۔ والدِ ماجد کا نام میاں نامدار تھا۔ درویش گھرانہ تھا۔ سات سال کی عمر میں بی بی چنگائی سے قرآن ناظرہ پڑھا۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کی رحمت ہو بی بی چنگائی پر جس نے مجھے قرآن کریم پڑھایا، نماز کی تعلیم دی، روزہ اور نماز تہجد کی عادت ڈالی جسے میں پابندی سے ادا کرتا ہوں۔ آپ خواجہ غلام حسن سواگ شریف کے مرید تھے۔ ان کی وفات

حسرت آیات کے بعد تجدید بیعت کے لئے پیر بارو صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے، عرض کی مجھے اپنا مرید بنا لیجئے۔ آپ نے برجستہ کہا۔ مجھے آپ کے پیر بھائی ہونے پر فخر ہے، اس لئے میں آپ کو مرید نہیں بنانا چاہتا۔ آپ نے ہمیشہ جھوٹ سے اجتناب کیا۔ رزقِ حلال کے متلاشی رہے۔ بچوں کو قرآن ناظرہ اور حفظ کی تعلیم دلائی۔ آپ کا چھوٹا لڑکا دوست محمد تاریخ منکیرہ کا مصنف ہے جو آپ کے لکر ہے۔ منکیرہ کے لوگ آپ کو مردِ درویش کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ نمازِ جمعہ باقاعدگی سے ادا کرتے۔ رمضان المبارک کا مہینہ آتا تو روزوں کے اہتمام میں ہمہ تن مصروف ہو جاتے اور نماز تراویح باجماعت ادا کرتے۔ آپ ۱۳ دسمبر ۱۹۸۳ء بروز منگل ۹ بجے صبح کو ۱۱۵ سال کی عمر میں راہی ملکِ بقا ہوئے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) آپ کو اپنے بڑے بیٹے پٹھانہ سے والہانہ محبت تھی۔ جب آپ کی وفات ہوئی تو پٹھانہ کو اپنے شفیق باپ کی جدائی کا انتہائی صدمہ ہوا۔ جو اس صدمہ کو برداشت نہ کر سکا اور اپنے والد کی وفات کے ۴۵ روز بعد یعنی ۲۹ جنوری ۱۹۸۴ء کو خالقِ حقیقی جا ملا (انا للہ وانا الیہ راجعون)

اولیائے کرام

پیر نور قلندر صاحب منکیرہ آپ مغل شہنشاہ شاہجہاں کے بیٹے اور اورنگ زیب عالمگیر کے بھائی تھے۔ ۱۲ محرم ۱۰۶۸ھ / ۱۶۵۷ء اپنے بھائی اورنگ زیب سے شکست کھا کر علاقہ تھل عظیم میں پناہ گزین ہوا جسے منکیرہ کے نواب میر بلوچ خان اوّل نے اپنی حدود ریاست میں گرفتار کر لیا اور قلعہ موج گڑھ میں قید کر دیا۔ پھر اورنگ زیب کے کہنے پر اس کی آنکھوں میں سلائی پھیر دی۔ اور عمر قید کی سزا دے کر قلعہ منکیرہ میں لایا گیا۔ دورانِ قید شہزادہ نے خوب ریاضت کی۔ نورِ بصارت کی بجائے نورِ قلب ملا۔ درویشانہ زندگی گزارنے کے بعد خالقِ حقیقی سے جا ملا۔ عوام میں پیر نور قلندر کے نام سے شہرت پائی۔ آپ کا مقبرہ قلعہ منکیرہ میں ہے۔

پیش گوئی۔ آپ صاحبِ کشف و کرامت بزرگ تھے۔ ایک دفعہ آپ ذکرِ خدا میں محو تھے کہ آپ پر غلبۂ احوال کی کیفیت طاری ہو گئی تو آپ فرمانے لگے۔

منکیرہ بنے گا دِلی، دِلی سے بنے گا بَلی۔ بَلی سے بنے گا دِلی، پھر کبھی نہ بنے گا بَلی

بفضلِ خدا آپ کی یہ پیش گوئی حرف بحرف صحیح ثابت ہو رہی ہے۔ آپ کے زمانہ میں میر بلوچ خان اوّل نے منکیرہ کو اپنا مستقل دار السلطنت بنایا اور پورے دو سو سال تک ریاست کا صدر مقام رہا۔ بعد ازاں سکھوں اور انگریزوں نے یہاں کی مُسلم تہذیب و تمدّن کو حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا۔

اور مسلمانوں کو نکال کر ہندوؤں، سکھوں کو آباد کیا۔ مساجد کو اصطبل بنادیا۔ ۱۹۴۷ء میں ہندوؤں کے چلے جانے سے یہ بارونق شہر قدیم کھنڈرات میں تبدیل ہوگیا۔ گویا تلی بن گیا۔ پھر مہاجرین کی آباد کاری اور جولائی ۱۹۸۲ء سے منکیرہ کو تحصیل کا درجہ مل جانے سے اس قدیم قصبہ کی ترقی میں خاطر خواہ اضافہ ہونے لگا اور منکیرہ شہر کو ٹاؤن کا درجہ بھی مل چکا ہے۔ گویا منکیرہ اب دِلّی بن رہا ہے اور بقول پیر نور قلندرؒ انشاء اللہ دلّی ہی بنا رہے گا۔

پیر لعل حسین خیالیؒ منکیرہ ۱۱۶۲ھ/۱۷۵۱ء میں جب احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان پر پہلا حملہ کیا تو آپ ان کے ہمراہ منکیرہ تشریف لائے اور مستقل طور پر یہاں سکونت پذیر ہوگئے۔ آپ کا اصل نام لعل حسین تھا۔ آپ افغانستان کے مشہور قبیلہ خیالی کے چشم و چراغ تھے۔ اس لئے آپ پیر لعل حسین خیالیؒ کے نام سے مشہور ہوئے۔

آپ اولیائے کامل اور صاحب کشف و کرامت تھے۔ ہمیشہ مجذوبانہ رنگ میں رہتے تھے۔ منکیرہ قلعہ کے باہر شمال مغربی گوشہ میں کریر کے درختوں کا جھنڈ تھا۔ جہاں آپ نے ڈیرہ جمایا۔ آپ فرمایا کرتے کہ جانوروں کو بلا وجہ ایذا نہ دیا کرو، اس سے خدا ناراض ہوتا ہے۔ آپ نے ۱۲۲۲ھ/۱۸۰۷ء میں نواب سربلند خان سدوزئی کے عہدِ حکومت میں وفات پائی۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) آپ کا مزار قلعہ سے باہر شمال مغربی گوشہ میں ہے۔

فقیر معصوم علی ہرلؒ منکیرہ آپ ہرل قبیلہ کے چشم و چراغ اور درویش تھے۔ نواب سربلند خان سدوزئی کے ساتھ ملتان سے تشریف لائے۔ آپ علم و فضل کے دریا اور شرم و حیا کے پُتلے تھے۔ آپ کی قمیض ٹخنوں تک ہوتی تھی ہمیشہ باوضو رہتے۔ ہفتہ میں ایک بار خیرات کے لئے صدا لگاتے۔ آپ چونکہ ضعیف العمر تھے اس لئے محنت مزدوری کرنے سے قاصر تھے۔ آپ کہتے۔ "کوئی ہے اللہ کے نام پر دینے والا" پھر چل دیتے۔ آپ کی صدا سنتے ہی لوگ دوڑ دوڑ کر خیرات دیتے۔ سکھ عہدِ حکومت میں وفات پائی۔ آپ کا مزار عظیم قبرستان شیرغاہ منکیرہ میں ہے۔ آپ صاحب کشف و کرامت تھے۔ آپ کی اولاد میں سے امیر محمد ہرل ولد اللہ ڈیوایا ولد بہادر ولد فقیر معصوم علی ہرلؒ چاہ جبڑی سوا گاں میں آباد ہے۔

پیر شیخ دعوی لجپالؒ موضع حیدرآباد تھل آپ کا نام شیر محمد اور لقب شیخ دعوی ہے۔ لوگوں میں آپ شیخ دعوی لج پال کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ تحصیل چوبارہ ضلع لیہ کے رہنے والے تھے۔ بسلسلہ شادی برات لے کر علاقہ نورپور تھل جا رہے تھے۔ راستہ میں چاہ ماچھی پر قیام کیا۔ اسی دوران

سکھ لٹیروں نے غریب بڑھیا سے بھیڑ بکریوں کا ریوڑ چھین لیا۔ بڑھیا دوڑی دوڑی براتیوں کے
پاس آئی اور امداد کی درخواست کی۔ براتیوں نے بڑھیا کی درخواست پر لبیک کہا اور لٹنے مرنے پر تیار
ہو کر ڈاکوؤں کے تعاقب میں میرک ٹوبہ پہنچے۔ خوب لڑائی ہوئی۔ پیر صاحب کے جاں نثار ساتھی
ایک ایک کر کے شہید ہوتے گئے اور آپ بھی شہید ہو گئے۔ آپ کنوارے دُولہا تھے جو جامِ شہادت
سے سرفراز ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کو آپ کی قربانی پسند آئی اور بزرگی سے نوازا۔
آپ جس دن شہید ہوئے وہ جمعہ کا دن تھا اور چیت کا مہینہ۔ اس لئے ہر سال ماہ چیت کے
ہر جمعہ آپ کا عرس منایا جاتا ہے۔ اب لوگوں نے عرس منانے کی بجائے ان چاروں جمعوں کو میلوں
ٹھیلوں میں تبدیل کر دیا ہے۔ آپ کا مزار سنیاسی اڈہ سے جنوب مشرقی سمت ۴ کلومیٹر کے فاصلے
پر بستی شیخ دعویٰ میں واقع ہے۔

سیّد چُپ شاہ بخاریؒ حیدرآباد تھل

آپ سیّد جلال شاہ بخاری اُچ۔ بہاولپور کی اولاد
ہیں۔ بلحاظ شجرہ سیّد سیّد نور الدین بن سیّد محمد داماد بن سیّد ناصر الدین بن سیّد مخدوم جہانیاں جہاں گشت
بن سیّد احمد کبیر شاہ بن سیّد جلال الدین شاہ بخاری ہیں۔ سیّد نور الدین کی اولاد سے شاہ عیسیٰ عبدالوہاب
اوچ بلوٹ شریف ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان ہیں۔ ان ہی حضرات کے پوتے فقیر گل محمد شاہؒ بانیٔ اُچ گل امام ضلع
جھنگ ہیں۔ آپ بھی سادات نبیرۂ سیّد عیسیٰ عبدالوہاب کے خاندان سے ہیں۔
آپ کا خاندان اُچ بہاول پور سے ہجرت کر کے بغرضِ اشاعتِ اسلام ۱۱۷۰ھ میں علاقہ تھل حیدرآباد
میں سکونت پذیر ہوا۔ اس زمانہ میں ریاست منکیرہ پر جسکانی بلوچوں کی حکمرانی تھی جو سادات بخاری کے
معتقد اور مُرید تھے۔ نواب بلوچ خان ثانی کے عہدِ حکومت میں سکونت ترک کر کے قصبہ روڈو سلطان
واقع ریاست جھنگ سیال کے قریب جنگل میں ڈیرہ جمایا۔ عنایت اللہ خان سیال نے ایک وسیع علاقہ
جاگیر میں دے دیا۔ جہاں سیّد گل محمد شاہ نے اپنی حکومت کا اعلان کر دیا۔ آپ اسی خاندان کے چشم و چراغ ہیں
آپ ہمیشہ خاموش رہتے اس لئے لوگوں میں سیّد چُپ شاہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ میر حسن خان لشکرانی
کے عہدِ حکومت ۱۱۸۴ھ میں وفات پائی۔ آپ نہایت باکمال بزرگ تھے آپ کا مزار حیدرآباد تھل میں واقع ہے۔

سیّد علی شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ

آپ مخدوم شیر شاہ سیّد جلال الدین شاہ بخاریؒ کے
فرزندِ ارجمند ہیں۔ آپ کے والدِ محترم سادات بخاری کے مورث اعلیٰ ہیں جن کا مزارِ پُر انوار بمقام اُوچ
شریف بہاول پور میں ہے۔ آپ پانچ بھائی تھے۔ جن میں سیّد سید علی شاہ اور سیّد جعفر شاہ شاہِ بخارا
کہلاتے تھے۔ سیّد علی شاہ عظیم تھل کے قصبہ (اموانی) حیدرآباد کے گرد و نواح میں تبلیغ دین کرتے رہے

لیکن سید جعفر شاہ واپس بخارا چلے گئے۔ سید محمد غوث شاہ اور سید احمد کبیر شاہ اپنے والدِ محترم کے
ساتھ اوچ بہاولپور میں مدفون ہیں۔ پانچویں فرزند سید معصوم شاہ سہون شریف سندھ میں سید عثمان علی
جی ستی لعل شہباز قلندر کے ساتھ مدفون ہیں۔ مخدوم سید جلال الدین شاہ بخاری کے وصال کے بعد
آپ ۶۷۵ھ / ۱۲۹۸ء میں علاقہ تھل منکیرہ میں تشریف لائے۔ ان دنوں منکیرہ میں میکن قوم حکمران تھی۔ آپ کے
نام پر قصبہ "شاہ سید علی شاہ" آباد ہوا جو حیدرآباد سے تقریباً ۵ کلومیٹر مشرق میں واقع ہے۔ آپ کا
سالانہ عرس بکرمی مہینوں کے شمار سے کاتک کی ۱۴ تا ۱۶ تک منایا جاتا ہے۔ سکھوں نے اس روحانی
بزرگ کے عرس مبارک کو میلے ٹھیلے میں تبدیل کر دیا۔ پیر شاہ قریشی جو آپ کے پہلو میں دفن ہیں، آپ کے
خلیفہ تھے۔ آپ چونکہ لاولد تھے۔ اس لئے حضرت نے اسے اپنا متبنیٰ بنا کر اپنے پاس رکھا۔ موجودہ سجادہ نشین
پیر فتح محمد شاہ قریشی آپ کی ساتویں پشت سے ہیں جو سو سال سے زائد عمر کے ہیں۔ نہایت متقی، پرہیزگار
اور عالم باعمل ہیں۔

شجرہ نسب

حضرت علی
حضرت امام حسین
امام زین العابدین
امام محمد باقر
امام جعفر صادق
امام موسیٰ کاظم
امام علی تقی
امام علی النقی
امام سید جعفر ثانی
سید اسمٰعیل
سید احمد مشہدی
سید جلال الدین بخاری

سید علی شاہ — سید جعفر شاہ — سید محمد معصوم — سید محمد غوث — سید احمد کبیر

سید احمد کبیر شاہ
- مخدوم جہانیاں جہاں گشت
  - سید ناصر الدین
    - سید محمد داماد
      - سید کمال الدین بخاری
      - سید نور الدین بخاری
        - سید چیپا شاہ
        - سید علی عبدالوہاب
          - فقیر گل محمد شاہ اوچ گل امام
- سید راجن قتال
  - پیر محمد راجن شاہ (قصبہ راجن شاہ (کروڑ) میں دفن ہیں)
  - سید محمد اسمٰعیل شاہ (چنیوٹ میں دفن ہیں)

عرائس و تہوار

عرس مبارک خواجہ غلام حسن سواگ شریف

سن ولادت ۱۲۶۷ھ / ۱۸۵۱ء تاریخ وفات ۱۳ جمادی الاول ۱۳۵۸ھ / ۱۹۴۰ء آپ کی ولادت باسعادت موضع ڈگر سواگ علاقہ کروڑ لعل عیسن صاحب چاہ گاڑا پر ہوئی۔ آپ کی ولادت کے چند روز بعد آپ کی والدہ انتقال فرماگئیں (انا للہ وانا الیہ راجعون) والد بزرگوار کو معصوم بچے کی پرورش کے انتظام کی فکر ہوئی۔ اللہ نے غیب سے دست گیری فرمائی۔ حضور کے خاندان سے ایک پاکباز عورت مسماۃ مائی فاطمہ سواگنی نے نہایت خندہ پیشانی سے حضرت صاحب کی پرورش کرنا بطیب خاطر قبول کیا۔ ابتدائی تعلیم مولوی جان محمد صاحب کے حلقۂ درس میں شامل ہو کر حاصل کرنے کے بعد اپنے مشفق استاد کے ہمراہ موسیٰ زئی شریف گئے اور قطب دوراں حضرت خواجہ محمد عثمان سے شرف بیعت حاصل کیا۔ روز افزوں مراتب سلوک میں ترقی فرماتے رہے۔ جب سلوک کے تمام مقامات علیہ کی تکمیل ہوئی تو حضور خواجہ غریب نواز نے اپنی دستار مبارک اپنے سر سے اتار کر حضور کے زیب سر فرمائی۔ خلافت طریقہ نقشبندیہ دی۔ جب حضور حضرت بعد تکمیلِ سلوک وحصولِ اجازت خلافت گھر تشریف لائے تو آپ صبح و شام ذکر و مراقبہ میں مشغول رہتے اور وعظ و نصیحت اور امر معروف و نہی عن المنکر میں سرگرم رہتے تھے۔ حضور کے اخلاق اور وعظ و پند کے اثرات سے گرد و نواح کے اکثر زمیندار مرید گرویدہ ہوگئے۔ آپ نے ڈگر سواگ تھل میں اپنی ملکیتی اراضی کو آباد فرمایا۔ جو آج زیارت گاہِ خاص و عام ہے اور جائے روضۂ پاک، حوض و بنگلہ اور مسافر خانے کی جگہ ہے۔ ۱۳ جمادی الاول ۱۳۵۸ھ / ۱۹۴۰ء میں قطب الارشاد حضور حضرت غریب نواز رضائے الٰہی سے عالم کون و فساد کو الوداع فرما کر عالم جاوداں کو تشریف لے گئے۔ آپ کا مزار پُرانوار بھی یہاں بنایا گیا اور یہ مقام مقدس تا ابدالآباد بقعۂ نور ہوگیا۔ آپ کا عرس مبارک ہر سال ماہ ستمبر کی ۱۱-۱۲-۱۳ کو نہایت تزک و احتشام سے منایا جاتا ہے۔

عرس مبارک خواجہ گل حسن صاحب مرشد آباد تھل

سن ولادت ۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۶ء تاریخ وفات ۱۳۵۶ھ / ۱۹۳۸ء آپ کی ولادت باسعادت ۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۶ء میں بمقام مرشد آباد (جھنجوں) ہوئی۔ ابتدائی درسی کتابیں اپنے والد ماجد سے پڑھیں۔ حضرت سلطان العارفین سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سب سے پہلے بیعت فرمائی، اور بہت مجاہدہ کیا لیکن حضور نے حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت اور طریقہ نقشبندیہ حاصل کر کے شرفِ اجازت سے مشرف ہوئے۔ بہت مجاہدہ کرنے والے تھے۔ حضرت گل حسن صاحب فرماتے تھے کہ چھ ماہ میں نے ہر روز کف دستِ پیر کے خستہ اور چند گھونٹ

پانی دریا استعمال کرتا رہا اور کوئی چیز نہ کھائی۔

پیر غلام حسن صاحب آپ کے متعلق ارشاد فرماتے تھے کہ فقیر کے پاس اگر ایک شخص مرد ہو لے مگر افسوس کہ زندگی نے اس سے وفا نہیں کی۔ حضرت گل حسن صاحب کی یہ کرامت تھی کہ جس درویش کے مزار پر ہاتھ رکھتے تھے وہ مزار کانپتا تھا۔ جناب پیر گل حسن صاحب مرض ذیابیطس میں مبتلا ہوگئے دو سال تک یونانی اور ڈاکٹری علاج کیا اور پورے چھ ماہ ڈیرہ اسمٰعیل خان کی جامع مسجد سید جمعہ شاہ میں مقیم رہے۔ دو دفعہ اپریشن کیا گیا لیکن کوئی علاج مفید نہ ہوا۔ آخر کار بقضائے الٰہی مسجد سید جمعہ شاہ میں بوقت نمازِ مغرب ماہ جمادی الثانی شب دوشنبہ ۱۳۵۶ھ / ۱۹۳۸ء میں انتقال فرمایا۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

آپ کا عرس مبارک ہر سال ماہ نومبر یکم اور دو تاریخ کو پورے اہتمام کے ساتھ منایا جاتا ہے پنجاب بھر سے آپ کے مریدین جوق در جوق شامل ہو کر عرس کی رونق کو دوبالا کرتے ہیں۔

عرس مبارک پیر محمد عبداللہ عرف پیر بارُو نزد فتح پور

جلیل القدر بزرگان دین، صوفیائے کرام اور مشائخ عظام میں چودھویں صدی کے عظیم

سنِ ولادت ۱۲۶۷ھ / ۱۸۵۱ء تاریخ وفات ۲۶ جون ۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۰ء

روحانی پیشوا قطب زماں، پیر طریقت، فخر نقشبند محمد عبداللہ عرف پیر بارو کی ذات اقدس ایک بلند و بالا حیثیت کی حامل ہے وہ مطلعِ تصوف پر شہاب ثاقب کی طرح نمودار ہوئے اور اپنے ہم عصروں اور مدح خوانوں کے دلوں میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بے پناہ لگن اور تڑپ پیدا کر کے اس دارِ فانی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عالم لبقا کی طرف روانہ ہوئے۔

آپ قصبہ فتح پور تھل سے ۱۰ کلومیٹر دور جنوب مشرقی گوشہ میں واقع چاہ ٹانوانوالا تحصیل کروڑ ضلع لیہ کے مشہور زمیندار خاندان جوتہ کے ایک متقی اور پرہیزگار شخص ملک اللہ ڈتہ کے گھر پیدا ہوئے۔ دس سال کی عمر میں حصولِ علم کی تڑپ لئے کٹو نامی شخص کے ہمراہ قطب العارفین قیوم زمان حضرت خواجہ غلام حسن سواگ شریف کی خدمت جا پہنچے۔ اور وہاں دائرہ سلوک میں شامل ہو کر فیض یاب ہوئے حضرت خواجہ غلام حسن سواگ شریف جن کا سلسلہ حضرت خواجہ محمد سراج الدین موسیٰ زئی شریف حضرت خواجہ محمد عثمان موسیٰ زئی شریف اور حاجی الحرمین خواجہ دوست محمد قندھاری سے ہوتا ہوا انتیسویں پشت میں خلیفہ اوّل سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملتا ہے۔ عالم شباب میں ہی آپ نے حضرت خواجہ غلام حسن سواگ شریف سے خلافت حاصل کی۔ بارُو کا لقب آپ کو مرشد نے عطا کیا۔ آپ ۲۶ جون ۱۹۸۰ء کو ۱۳۵ سال کی عمر میں خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ آپ کا عرس ہر سال ۳۰ رجب اور پہلی شعبان کو نہایت شان و شوکت سے منایا جاتا ہے۔

میلہ عنایت شاہ تھل فتح پور

منعقدہ ماہ چیت ۱۰ تا ۱۸ تاریخ

پیر عنایت شاہ خاندان سادات کے عظیم روحانی بزرگ تھے یہاں ہر سال ماہ چیت کے چاند کی ۱۰ تا ۱۸ تاریخ تک عرس منایا جاتا رہا۔ جب سکھوں نے اس علاقہ پر اپنا تسلط جمایا تو انھوں نے مسلم تہذیب و تمدن کو ملیا میٹ کرنے کے لئے پیر صاحب کے عرس کو میلوں ٹھیلوں میں تبدیل کر دیا۔ اب یہ میلہ پاکستان بھر میں خصوصاً اونٹوں [illegible] کی خرید و فروخت کے لئے مشہور ہے۔ اپنے ملک کے علاوہ بیرون ملک سے خریدار مثلاً افغانستان، ایران، کویت، متحدہ عرب امارات اور سعودی عرب سے آتے ہیں اور میلہ کی رونق کو دوبالا کرتے ہیں۔ یہ میلہ ڈسٹرکٹ کونسل لیہ منعقد کراتی ہے جس سے لاکھوں روپے کی آمدن ہوتی ہے۔ انصاری قوم کے افراد جو پیر صاحب کے عقیدت مند ہیں۔ بمعہ افراد خانہ کے نہایت جوش و خروش سے شمولیت کرکے اپنی عقیدت مندی کا اظہار کرتے ہیں۔ نانبائی بازار اس میلہ کی رونق کا نمایاں پہلو ہے۔ علاوہ ازیں اس میلہ کی رونق کو دوبالا کرنے کے لئے علاقہ بھر کے گلوکار، تھیٹرز اور سرکس اپنے علاقہ تھل کی ثقافت اور کلچر کا شاندار مظاہرہ کرتے ہیں نیز ملک بھر کے مشہور پہلوان پڑ کوڈی، کشتی اور دیگر علاقائی گیمز میں نہایت خوش اسلوبی اور خوش اخلاقی سے حصہ لیتے ہیں۔ یہ میلہ ہمیشہ ماہ چیت کے چاند کی ۱۰ تا ۱۸ تاریخ تک نہایت دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔

میلہ سید سید علی شاہ بخاری حیدر آباد تھل

منعقدہ ماہ کاتک چاند کی ۱۴ تا ۱۶ تاریخ

آپ پیر جلال الدین شیر شاہ بخاری کے فرزند ارجمند ہیں۔ آپ کا عرس ہر سال بکرمی مہینوں کے حساب سے ماہ کاتک چاند کی ۱۴ تا ۱۶ تاریخ تک تین دن کے لئے منایا جاتا رہا لیکن اب یہاں پوری شان و شوکت سے میلہ منایا جاتا ہے۔ اس میں علاقہ بھر کے نامور پہلوان اور کھلاڑی شامل ہوتے ہیں۔ اونٹ ناچ اور گھوڑا ناچ بھی ہوتا ہے۔ اونٹ دوڑانے کے ساتھ ساتھ گھوڑا سوار نیزہ بازی کے فن کا مظاہرہ بھی کرتے ہیں۔ لوگوں کے جوش و خروش کا یہ عالم ہوتا ہے کہ جب میلہ کو جاتے ہیں اپنے ساتھ بھیڑ اور بکری کا گوشت بھون کر ساتھ لے جاتے ہیں) اور مزے لے لے کر کھاتے ہیں۔ میلہ کی رونق بڑھانے کے لئے علاقہ بھر سے گلوکار، تھیٹرز اور سرکس بھی آتے ہیں جو عظیم علاقہ تھل کی تہذیب و ثقافت کی عکاسی کرتے ہیں۔ اس میں علاقہ تھل کے تمام لوگ شریک ہوتے ہیں۔ ضلع کونسل بھکر کی انتظامیہ کو چاہیئے کہ تھل کے اس عظیم میلہ کی رونق کو دوبالا کرنے کے لئے اپنی دلچسپی کا اظہار عملی طور پر کرے۔

میلہ جشن بہار منکیرہ

منعقدہ ۲۳ تا ۲۱ مارچ

یکم جولائی ۱۹۸۲ء سے منکیرہ کو ضلع بھکر کی سب ڈویژن کا درجہ ملا تو منکیرہ کے غریب اور پسماندہ عوام میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ سب لوگوں نے اپنے

اپنے جذبات و احساسات کا اظہار تحصیل منکیرہ کی افتتاحی تقریب میں شامل ہو کر کیا اور طے پایا کہ آئندہ ہر سال تین یوم ۲۱ تا ۲۳ مارچ کو میلہ جشنِ بہار تحصیل منکیرہ نہایت جوش و خروش سے منائیں گے۔ جونہی مارچ کا مہینہ قریب آیا۔ میلہ جشنِ بہار تحصیل منکیرہ کو شایانِ شان طریقہ سے منانے کی تیاریاں شروع ہوئیں۔ میلہ کی تشہیر کے لئے اشتہار اور پوسٹر چھپوائے گئے۔ منکیرہ کی مخصوص تہذیب و تمدن، ثقافت اور روایات کا مظاہرہ کرنے کیلئے چیئرمین یونین کونسلوں اور ٹاؤن کمیٹی منکیرہ نے اپنے رنگ برنگ جھنڈوں سے اپنے رنگارنگ پروگرام تیار کئے۔ نیز سکول کے بچوں نے رنگارنگ وردیوں میں ملبوس پی ٹی شو پیش کیا۔ اور مارچ پاسٹ کیا۔ ڈھول باجے بجا کر لوک گیت گائے گئے۔ لوک ناچ کا مظاہرہ کیا گیا۔ اس کے علاوہ علاقہ بھر سے آئے ہوئے اُونٹ، گھوڑے۔ گائے۔ بھینس۔ بھیڑ اور بکری قطار در قطار سلامی دیتے ہوئے ڈائس سے گزرے۔ اچھی نسل کی گائیوں۔ بھینسوں۔ اونٹوں اور گھوڑوں کو اوّل اور دوم آنے کی صورت میں انعامات دیئے گئے۔ اونٹ ناچ اور گھوڑا ناچ کا شاندار مظاہرہ ہوا۔ اُونٹ دوڑ کے ساتھ ساتھ گھوڑوں نے بھی نیزہ بازی میں حصّہ لیا۔ رنگ برنگی جھنڈیوں اور جھنڈوں سے میلہ گراؤنڈ دُلہن کی طرح سجایا گیا۔ میلے کے اختتام پر اوّل اور دوم آنے والے کھلاڑیوں کو نقد انعامات جناب ڈپٹی کمشنر بھکر تقسیم کرتے ہیں۔ اعلیٰ کارکردگی کے تعریفی سرٹیفکیٹ بھی دیئے جاتے ہیں۔ اب یہ میلہ پوری آب و تاب اور دھوم دھام سے ہر سال اپنی مقررہ تاریخوں میں منایا جاتا ہے اور جشنِ بہار منکیرہ کے نام سے موسوم ہے۔

سرکاری رفاہی ادارے

گورنمنٹ پرائمری سکول منکیرہ سکول ہذا کا اجراء ۱۸۸۰ء میں ہوا۔ ۱۹۰۱ء میں لوئر مڈل بنا۔ پھر ۱۹۲۸ء ورنیکلر مڈل سکول کا درجہ دیا گیا۔ عمارت مدرسہ شکستہ اور بوسیدہ ہے جو خام اینٹوں سے تعمیر شدہ ہے۔ چنانچہ عمارت مدرسہ کی زبوں حالی، بوسیدہ حالت اور تعداد طلبائ کے اضافہ کے پیشِ نظر جناب اسسٹنٹ کمشنر منکیرہ خان عزیز احمد خان نے عوامی تائید و حمایت سے اپنی مدد آپ کے تحت پرائمری سکول منکیرہ کے لئے نئی عمارت تعمیر کرا دی۔ یہ عمارت پانچ کھلے اور کشادہ کمروں پر مشتمل ہے اور پرانی عمارت گورنمنٹ ہائی سکول منکیرہ کے تصرف میں دے دی۔ نیز اس پرائمری سکول کے لئے تین ایکڑ رقبہ پر مشتمل ایک کھلا گراؤنڈ الاٹ کر دیا۔ اس عمارت کی تعمیر پر تخمینہ لاگت ایک لاکھ پینسٹھ ہزار چھ سو روپے آئی۔ منکیرہ کے عوام اے سی صاحب مذکور کی گراں قدر خدمات کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں۔ موصوف علم دوست اور شفیق افسر تھے۔ جتنا عرصہ منکیرہ میں رہے۔ عوام میں اپنا مقام پیدا کر گئے۔ ہماری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں مزید ترقی سے نوازے۔

اب ماسٹر صاحبان کہیں بھی بچوں کا تعلیمی ماحول سنوار سکنے میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ ماسٹر مذکور نے اپنی مدد آپ کے تحت چھ کمرے برائے دفتر تعمیر کرایا ہے۔ نیز مدرسہ ہذا کا گراؤنڈ جو کہ ۱۲ ایکڑ رقبہ پر پھیلا ہے انتہائی ناہموار، شکستہ اور بے شمار گڑھوں سے اٹا پڑا تھا۔ موصوف نے اپنے سٹاف مدرسہ کی مالی مدد اور عوامی تعاون سے چندہ جمع کر کے اس ناہموار میدان کو ٹریکٹروں اور بلڈوزروں سے ہموار کیا جس پر آٹھ ہزار روپے کی کثیر رقم خرچ ہوئی۔ نیز اس گراؤنڈ میں شجرکاری اس قدر ہوئی کہ پورے مدرسہ اور گراؤنڈ کے صحن میں گلزار آگیا ہے جدھر دیکھو درخت ہی درخت نظر آتے ہیں جو ہیڈ ماسٹر موصوف کی محنت سے لگن کا بین ثبوت ہے۔

جونیئر پبلک ماڈل اسکول منکیرہ

مدرسہ ہذا کا اجرا ۵ نومبر ۱۹۸۵ء کو ہوا۔ اس وقت دو معلم انتہائی لگن اور تندہی سے تدریسی امور سرانجام دے رہے ہیں۔ عمارت مدرسہ کی تعمیر اپنی مدد آپ کے تحت جدید تقاضوں کے پیش نظر مکمل ہو چکی ہے۔ یہ عمارت گورنمنٹ گرلز ہائی سکول کے جانب مشرق برلب سڑک پپلاں روڈ واقع ہے۔ اس میں پانچ کلاس روم اور ایک کمرہ برائے دفتر تعمیر ہے۔ چوکیدار کا کمرہ اور باتھ روم اس کے علاوہ ہیں۔ چھ کنال رقبہ پر محیط چار دیواری بھی مکمل ہے۔ لاگت کا تخمینہ دو لاکھ روپیہ لگایا گیا ہے جس میں پچاس ہزار روپیہ عوامی تعاون سے حاصل کیا گیا ہے۔ باقی سرکاری گرانٹ سے ہے۔ پبلک سکول کی تعمیر کا سہرا جناب اسسٹنٹ کمشنر منکیرہ مہر بشیر احمد کملانہ سیال، ریٹائرڈ کیپٹن ملک شیر دل اعوان اور عوام منکیرہ کے سر ہے۔ اس نوزائیدہ تحصیل منکیرہ کی تعمیر و ترقی میں جس لگن اور محبت سے جناب اے سی منکیرہ مصروف ہیں۔ وہ محتاج بیان نہیں۔ اپنی مدد آپ اور عوام کے تعاون سے گورنمنٹ ہائی سکول منکیرہ کے لئے طلبہ کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر ایک کلاس روم اور گورنمنٹ پرائمری سکول منکیرہ کی دفتری ضروریات کے لئے عمارت کی تعمیر بھی اے سی منکیرہ کی مرہون منت ہے۔ آفیسر ہونے کے علاوہ علاقہ کے فلاح و بہبود کے کاموں میں پوری دلچسپی سے کام لیتے ہیں۔ گویا اس اعتبار سے منفرد اور ممتاز شخصیت ہیں۔ افسرانہ مزاج، سوچ اور عادات سے مبرا ہیں۔ امیر و غریب کی بات سننے اور ان کے مسائل حل کرنے میں بے تاب نظر آتے ہیں۔ وہ لوگوں میں گھل مل کر رہنے اور ان کے ساتھ کام کرنے میں حقیقی مسرت محسوس کرتے ہیں۔

گورنمنٹ ہائی سکول منکیرہ

گورنمنٹ ہائی سکول منکیرہ کا ۱۹۷۴ء اجرا میں ہوا۔ عمارت اپنی مدد آپ اور یونین کونسل منکیرہ کے تعاون سے تعمیر ہوئی۔ چار کمرے مع برآمدہ گورنمنٹ نے تعمیر کرا دیا۔ یہ عمارت کل بارہ کمروں پر مشتمل ہے۔ سکول ہذا میں زیر تعلیم طلبہ کی تعداد چھ سو سے بڑھ گئی ہے۔ سٹاف مدرسہ میں دو سائنس ماسٹروں کی کمی ہے۔ اس لئے گورنمنٹ کو چاہیے کہ سائنس ماسٹروں کی کمی فوراً پوری کرے اور مزید چھ اضافی کمروں کی

تعمیر کا بندوبست کرے نیز باہر کے دیہاتی طلبہ کی رہائش کے لئے ہوسٹل تعمیر کیا جائے تاکہ طلبہ کی تکالیف کا ازالہ ہو۔ طلبہ کے ادبی پروگرام کے لئے ایک عظیم ہال کی تعمیر ضروری ہے۔ سٹاف روم تعمیر کیا جائے نیز تعداد طلبہ کے پیشِ نظر فرنیچر کی کمی کو پورا کیا جائے۔ بحیثیت ہیڈ ماسٹر ہائی سکول پہلی تقرری جناب عابد محمود الحسن بی ایس سی ایم اے بی ایڈ کی ہوئی۔ انھوں نے جس لگن اور دل جمعی سے بچوں کا معیارِ تعلیم بلند کیا۔ قابلِ تحسین ہے۔ پھر یکے بعد دیگرے جناب ذکی اللہ خان۔ ملک عبد الغفور۔ حاجی نور محمد صاحب اور جناب مہرستان علی جاوید تشریف لائے انھوں نے حتی المقدور بچوں میں حصولِ تعلیم کا نیا جذبہ اور شوق پیدا کیا۔

میں جہاں ان جلیل المقدور شخصیتوں کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں وہاں ایک محسن علاقہ تھل منکیرہ کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ وہ ہیں ملک امیر محمد صاحب۔ جو اساتذہ مدارس میں منفرد حیثیت کے حامل ہیں۔ آپ نے نونہالان قوم کو جس جاں فشانی، ایثار و خلوص اور دلی لگن سے زیورِ تعلیم سے آراستہ و پیراستہ کرنے میں منہمک رہے۔ اس کی مثال ضلع بھکر بلکہ ڈویژن میں ناممکن ہے۔ صاحب موصوف مڈل سکول منکیرہ کے ہیڈ ماسٹر ہونے کی حیثیت سے تقریباً بیس سال فقید المثال کارہائے نمایاں انجام دے کر اس ادارہ کی شہرت کا باعث بنے جہاں تعلیمی امور میں شہرتِ دوام بخشی۔ وہاں بچوں کے اعلیٰ کردار سازی اور روزگار کے مواقع کروانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ خوش اخلاقی ان کی صفت ہے اور خودداری ان کا طرۂ امتیاز ہے۔

سکول ہذا نے ایسے ذہین و فطین بچوں کو فارغ التحصیل کیا جو آج ملک کے اہم ترین عہدوں پر فائز ہیں جن کی فہرست درج ذیل ہے۔

گریڈ ۱۸

ملک محمد عظیم کھوکھر (ڈسٹرکٹ انجنیئر)۔ سیٹھ خادم حسین (ایجوکیشن آفیسر)۔ محمد سرور عالم شاہ (میجر)
محمد جمیل انصاری (ایس ڈی او آرمی)۔ ملک نیاز حسین کیس (پروفیسر)۔ ملک محمد اقبال (ایس پی)، ڈاکٹر خضر حیات (ڈائریکٹر ڈیپارٹمنٹ)۔ شیر زمان کھیارہ (ڈائریکٹر زرعی بینک)۔ شیخ ممتاز حسین (ایکسین واپڈا)۔

گریڈ ۱۷

عزیز الدین انصاری (ایس ڈی او آرمی)۔ محمد صاحب عالم شاہ قریشی (سیکنڈ آفیسر بینک)۔ محمد مسعود عالم شاہ قریشی (آفیسر بینک)۔ محمد جمشید عالم شاہ قریشی (ایم بی بی ایس)۔ ایم خالد اقبال (ایم بی بی ایس)۔ شاہد اقبال (بینک منیجر) حسن اقبال (انکم ٹیکس آفیسر)۔ لیاقت علی بھٹی (ڈسٹرکٹ سول ڈیفنس آفیسر)۔ محمد فاروق (کیپٹن آرمی)۔ محمد ثقلین شاہ (کیپٹن آرمی) آدم خان کھیارہ (تحصیلدار)۔ محمد اسحاق انصاری (انجنیئر)

گریڈ ۱۶۔ محمد اصغر قریشی (سب انجینئر)، محمد یونس انصاری (سب انجینئر)، ملک محمد رشید احمد کھوکھر (سب انجینئر)، صداقت علی بھٹی (سب انجینئر)، ملک سونا خان (ڈپلومہ ٹو ٹی ڈی پی ایس بلوچستان)، ملک محمد حسین ریاض احمد (سٹینوگرافر سمال انڈسٹریز)، شیخ حبیب اللہ اسسٹنٹ ڈائریکٹر تعلیم (ای)، شیخ گل محمد (انچارج گورنمنٹ ...)، ملک مظفر حسین (ایگریکلچر آفیسر)۔

گریڈ ۱۵۔ ملک محمد اقبال (ایس ایس ٹی)، ملک محمد حیات (ایس ایس ٹی)، ملک غلام محمد (ایس ایس ٹی)، محمد اقبال ... (ایس ایس ٹی)، شیخ محمد یوسف (ایس ایس ٹی)

گورنمنٹ انٹر کالج منکیرہ

یکم جولائی ۱۹۸۲ء سے منکیرہ کو تحصیل کا درجہ مل جانے کے بعد گورنمنٹ کالج کے قیام کی منظوری دی گئی۔ جس کی تعمیر پر لاگت کا تخمینہ ۳۷ لاکھ ۵۲ ہزار روپے لگایا گیا۔ اس کی تعمیر کا آغاز ۸۵-۸۶ء سے ہوا۔ جو اب پایۂ تکمیل کو پہنچ چکی ہے۔ کالج کے لئے ۱۱۲ ایکڑ رقبہ مختص کیا گیا جس میں پرنسپل کی رہائش گاہ، ۶ کوارٹر برائے پروفیسر صاحبان، ۲ کوارٹر برائے سٹاف کالج اور ایک کوارٹر ملازمین کے لئے ہے انتظامیہ بلاک کے علاوہ ۴ سائنس لیبارٹریاں (دو اوپر اور دو نیچے) تعمیر ہو چکی ہیں۔ لائبریری روم کے علاوہ ۷ کلاس روم ۶ نیچے اور ایک بالائی منزل پر ہے۔ نیز طلبہ کی کونسل کے لئے ایک کمرہ، ایک ڈسپنسری اور کھیلوں کے سامان کے لئے ایک کمرہ تعمیر ہو چکا ہے۔ این سی سی کے لئے بھی ایک کمرہ زیر تعمیر ہے۔ وضو کے لئے دو کمرے اوپر نیچے ہیں۔ دو لیٹرینیں بھی تعمیر ہو چکی ہیں۔ کالج کے لئے ایک ٹیوب ویل جس میں پندرہ ہزار گیلن پانی ذخیرہ کرنے کا بندوبست کیا گیا ہے۔

کالج کی تکمیل ۸۵-۸۶ تھی لیکن فنڈز کی کمی کے پیش نظر مئی ۱۹۸۶ء میں کام روک دیا گیا۔ جولائی ۸۷ء فنڈز ملنے کی صورت میں اس عظیم درس گاہ کی تعمیر کا کام ستمبر ۱۹۸۷ء تک مکمل ہو جائے گا۔ اور علاقہ تھل کی تعمیر و ترقی میں دل و جان سے مگن ہیں۔

سول ڈسپنسری منکیرہ

۱۹۲۵ء میں علاقہ تھل منکیرہ کو طبی سہولیات بہم پہنچانے میں ایک سول ڈسپنسری کا قیام عمل میں آیا۔ ڈسٹرکٹ بورڈ میانوالی نے یہ ڈسپنسری اپنے ذاتی مصارف سے تعمیر کرائی۔ منکیرہ کو سب ڈویژن کا درجہ ملنے کے بعد اس میں مزید چار کمروں کا اضافہ کیا گیا۔ اچھی خاصی عمارت کے باوجود یہ ڈسپنسری جدید طبی سہولیات سے محروم ہے۔ صرف ایک ریفریجریٹر موجود ہے۔ پہلے یہ ڈسپنسری ایک ڈسپنسر کے رحم و کرم پر تھی لیکن اب ایک ایم بی بی ایس ڈاکٹر کا تقرر عمل میں لایا گیا ہے۔

۲۰ دسمبر ۱۹۸۶ء کو احسان الحق چوہدری ایم بی بی ایس ڈاکٹر کا تبادلہ ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر ہسپتال بھکر سے

منکیرہ ہوا۔ آپ کا تعلق چک نمبر ۲۰۸ ٹی ڈی اے تحصیل و ضلع بھکر علاقہ تھل سے ہے۔ انچارج عوام میں گھل مل گئے ہیں نیز اپنے فرائض منصبی نہایت خوش اسلوبی۔ محنت اور لگن سے چلا رہے ہیں۔ جولائی ۱۹۸۲ء سے قبل مریضوں کی سالانہ رجسٹریشن ۴ ہزار تھی۔ اب یہ بڑھ کر دس ہزار ہو گئی ہے۔

تحصیل ہیڈ کوارٹر ہسپتال منکیرہ تحصیل ہیڈ کوارٹر ہسپتال کے لیے ۱/۲ ۱۲ ایکڑ رقبہ الاٹ کیا گیا ہے جس میں ۴۰ بستروں کا ہسپتال زیر تعمیر ہے۔ اس میں مزید ۲۰ بستروں کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ آپریشن روم۔ لیبارٹریاں۔ میڈیکل سٹور کے علاوہ ایم ایس کے لئے رہائش گاہ۔ ڈاکٹروں کے لئے رہائش گاہیں۔ سٹاف کے لئے مختلف سائز کے کمرے۔ ہسپتال کے لئے سیوریج سسٹم یعنی دس ہزار گیلن پانی ذخیرہ کرنے کے لئے ایک ٹینکی بھی زیر تعمیر ہے۔ کچن بلاک کے علاوہ مردہ خانہ بھی زیر تعمیر ہے۔ میڈیکل آفیسروں کے لئے ۴ عدد رہائش گاہوں کے علاوہ درجہ چہارم کے ملازمین کے لئے رہائش گاہیں بھی زیر تعمیر ہیں جن کی لاگت کا تخمینہ حسب ذیل ہے۔

رہائش گاہوں کے لئے تخمینہ لاگت ۔ ۲۹۲۶۰۰۰ روپے

ہسپتال کے لئے تخمینہ لاگت ۔ ۴۵۷۴۰۰۰ روپے

اس عظیم ہسپتال کی تعمیر کا ٹھیکہ سعید کانسٹرکشن کمپنی سرگودھا کے سربراہ رانا سعید احمد کے پاس ہے۔ وہ دیانت داری اور محنت سے کام سرانجام دے رہے ہیں۔ امید ہے انشاءاللہ ستمبر ۱۹۸۶ء تک یہ ٹھیکہ بھی مکمل ہو جائے گا۔

تحصیل کمپلیکس اور مرکز کمپلیکس یہ دونوں عظیم دفتری عمارتیں کثیر لاگت سے تعمیر ہو چکی ہیں جن میں دفتری کام جاری و ساری ہے۔ وسیع عمارات ہیں۔ اماؤنٹس آفس اور ڈی ایس پی ہیڈ کوارٹر کی عمارات مکمل ہو چکی ہیں۔

شفا خانہ حیوانات منکیرہ شفا خانہ حیوانات کا اجراء ۱۹۲۴ء میں ہوا لیکن ڈاکٹر صاحبان کی نامناسب کارکردگی اور عدم دلچسپی کی وجہ سے کوئی ترقی نہ کر سکا ۱۹۴۷ء تک اس کی یہی حالت برقرار رہی۔ قیام پاکستان سے اس کی حالت میں بہتری کے آثار پیدا ہوئے۔ دو ڈاکٹروں کی تقرری عمل میں آئی۔ ایک انچارج ہسپتال دوسرا اسکیم شیپ ڈیولپمنٹ۔

۱۹۷۵ء میں اس کے ساتھ ایک مصنوعی نسل کشی سنٹر وجود میں آ گیا۔ ۱۹۸۱ء تک یہی ایک ہسپتال تھا جس سے تمام علاقہ تھل مستفید ہو رہا تھا۔ بعد ازاں حیدر آباد تھل میں دوسرا ہسپتال قائم ہوا۔ جولائی ۱۹۸۲ء میں منکیرہ کو نئے ضلع بھکر کے سب ڈویژن کا درجہ ملا تو اس کی کارکردگی میں دس گنا اضافہ ہوا۔ جس کا سہرا جناب

[illegible] ساکن فیصل آباد کے سربراہ [illegible] الاول۔ اعلیٰ کارکردگی [illegible]
[illegible] ترقی کی راہ پر گامزن کیا۔ اس ہسپتال کی بدولت علاقہ [illegible]
[illegible] ہیں۔ اس وقت پوری تحصیل منکیرہ میں دو ہسپتال ہیں۔ جن کے ساتھ [illegible]
[illegible] ہیں۔ نیز تین ڈسپنسریاں ہیں۔ ماہلی، رکھ ڈھکانہ اور [illegible]
[illegible] کی سالانہ بیمار جانوروں کی رجسٹریشن ۴۳۲۱ ہے لیکن سال ۱۹۸۳-۸۴ء میں [illegible] ہسپتال [illegible]
سال ۱۹۸۲-۸۳ء [illegible] ۲۹۵۲ ہے جو پچھلے سال کی نسبت ۱۵۳۱ زائد ہے۔ جو ڈاکٹر موصوف کی اعلیٰ کارکردگی کی [illegible]
[illegible] منکیرہ کے تحت محکمہ لوکل گورنمنٹ نے مبلغ تین لاکھ روپے کی لاگت سے ویٹرنری سنٹر منکیرہ اور
[illegible] ویٹرنری آفیسر منکیرہ تعمیر کروائی۔ ویٹرنری ہسپتال منکیرہ سرگودھا ڈویژن میں شامل ہسپتال ہے۔

مرکز افزائش نسل حیوانات منکیرہ۔ اس مرکز کا اجراء ۱۹۷۹ء میں ہوا۔ محمد مجتبیٰ احمد اسرا کا تقرر بطور [illegible] منکیرہ ہوا۔ آپ اعلیٰ اخلاقی قدروں کے خوبرو جوان ہیں جو اپنی خوش اخلاقی اور ملنساری کی بدولت عوام میں بے حد مقبول ہیں۔ انتھک اور محنتی ہونے کے باعث اپنے فرائض منصبی احسن طریق پر سرانجام دے رہے ہیں۔ افزائش نسل حیوانات میں اعلیٰ کارکردگی کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

سال ۱۹۷۸-۷۹ء میں ۶۱ - سال ۸۰-۱۹۷۹ء میں ۶۹۳ - سال ۱۹۸۰-۸۱ء میں ۷۶۳ - سال ۱۹۸۱-۸۲ء میں ۱۱۲۰ اور سال ۱۹۸۲-۸۳ء میں ۱۲۵۰ جانور افزائش نسل کشی سے مستفید ہوئے۔ جب سے منکیرہ تحصیل وجود میں آئی ہے۔ مرکز افزائش نسل حیوانات ترقی کر رہا ہے۔ اب جولائی ۱۹۸۰ء سے اپ گریڈ ہوا ہے اور جناب شہناز کوثر کا تقرر بطور ویٹرنری آفیسر کے ۱۰ جنوری ۱۹۸۴ء کو ہوا۔ ڈاکٹر صاحب نہایت تندہی اور محنت سے اس مرکز کو چلانے میں دل چسپی لے رہے ہیں۔

سب پوسٹ آفس منکیرہ ۱۹۲۵ء میں برانچ پوسٹ آفس کا اجراء ہوا۔ اسی ۱۹۶۸ء کو سب پوسٹ آفس کا درجہ ملا۔ ۱۹۶۹ء کو پراونشل ٹیکس مثلاً ڈرائیونگ۔ اسلحہ اور ٹول ٹیکس کی وصولی کے احکام ملے تو سب پوسٹ آفس کی مجموعی آمدن میں اضافہ ہونے لگا۔ سب پوسٹ آفس کرائے کی ایک عمارت میں اپنا کام خوش اسلوبی سے چلا رہا ہے۔ اس کی دو برانچیں ہیں۔ ایک برانچ لتن اور دوسری ڈھنگانہ میں ہے۔ عملہ ناکافی ہے۔ ایک پوسٹ مین اور ایک کلرک کی کمی محسوس کی جا رہی ہے۔ ملک محمد فیروز گھگو جو ڈھنگانہ کے رہنے والے ہیں۔ مقامی ہونے کے ناطے سے محنت اور لگن سے کام چلا رہے ہیں۔ انتہائی شریف۔ خوش خلق اور زمیندار گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔

ٹیلی فون ایکسچینج منکیرہ پرانے لاری اڈہ منکیرہ نوری مسجد سے متعلق ایک کمرہ کرایہ پر حاصل کر کے ٹیلیفون

ایکس چینج قائم کیا گیا ہے جو جھنگ روڈ پہ لاری اڈہ کے قریب واقع ہونے سے ایکس چینج کا ماحول انتہائی پراگندہ اور بے پناہ شور و غل کی زد میں ہے۔ معلوم نہیں فون اپریٹر کس طرح اپنی ڈیوٹی اس ماحول میں انجام دیتے ہیں۔ ٹیلی فون ایکس چینج کا عملہ دو اپریٹروں اور ایک لائن مین پر مشتمل ہے۔ موجودہ ایکس چینج ۵۰ لائن کا بورڈ ہے جو انتہائی خستہ اور بوسیدہ ہے۔ لہٰذا تحصیل ہیڈ کوارٹر کے لئے ۵۰ لائن کا بورڈ ناکافی ہے اس لئے ۱۰۰ لائن کا بورڈ مہیا کیا جائے نیز منکیرہ کا رابطہ بھکر کے ساتھ جھنگ اور ... سے براہ راست ہونا بھی ضروری ہے۔ علاوہ ازیں ایکس چینج میں بیٹری سسٹم نہیں تھا۔ اب بجلی کی لوڈ شیڈنگ کے پیش نظر ایکس چینج کو بیٹری مہیا کی گئی ہے۔

گرڈ سب سٹیشن منکیرہ گرڈ سب سٹیشن منکیرہ کی عمارت کی بنیادیں ۱۹۶۰ء میں محکمہ این ایس ڈی کی طرف سے کھودی گئیں۔ ۲۳ جون ۱۹۶۵ء کو باقاعدہ طور پر اس کا اجراء ہوا۔ لیکن کوئی لوڈ وغیرہ نہیں تھا۔ کیونکہ نیا گرڈ وجود میں آیا تھا۔ اس کا ٹرانسفارمر ایم وی اے ۲.۰۵ کمپنی مرلین (اٹلی) کا بنا ہوا تھا۔ آخری لوڈ کی حد ۱۳۱ ایمپیئر تھی لیکن عرصہ سات سال تک اس قدر ترقی ہوئی کہ یہ ٹرانسفارمر اوور لوڈ ہو گیا۔ اس لئے ۱۵ مئی ۱۹۷۷ء کو دوسرا ٹرانسفارمر لگایا جو ابھی تک چل رہا ہے۔ یہ ٹرانسفارمر لوڈ کی آخری حد ۴۳۷ ایمپیئر لے سکتا ہے۔ اس کی لائن ۶۶ کے وی کی ہے۔ علاقہ تھل منکیرہ کی ترقی کے لئے حیدرآباد تھل اور نواں کوٹ تحصیل چوبارہ میں ۶۶ کے وی دو نئے گرڈ سب سٹیشن قائم کئے جا رہے ہیں نیز چوبارہ گرڈ سب سٹیشن کو ۶۶ کے وی کی لائن کے ذریعے منکیرہ گرڈ سب سٹیشن سے ملا دیا گیا ہے۔

منکیرہ گرڈ سب سٹیشن میں سب سے پہلے ملک محمد نواز ساکن خانو خیل ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کا تقرر بطور سب سٹیشن اٹنڈنگ یعنی ایس ایس اے منکیرہ ہوا پھر ۱۹۷۵ء میں ترقی ہوئی اور ایس ایس او گریڈ ٹو یعنی سب سٹیشن اپریٹر گریڈ ٹو مقرر ہوئے۔ ملک موصوف انتہائی شریف۔ کم گو۔ ملنسار اور ہر دل عزیز ہیں۔ اعلیٰ اثر و رسوخ کے مالک اور اپنے ماتحت عملہ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے ہیں۔ عوام میں ایسے گھل مل گئے ہیں کہ منکیرہ کا ہر فرد انھیں اپنا ہی تصور کرتا ہے۔

یونین کونسل منکیرہ (رورل) ۱۹۵۲-۵۳ء میں حکومت پاکستان نے امریکہ سے دوستی کا معاہدہ کیا جس کی رو سے علاقہ تھل کی پس ماندگی دور کرنے کے لئے ایک پروگرام ترتیب دیا گیا جس کا نام وی اے آئی ڈی ویلیج ایڈ (دیہات سدھار) یعنی دیہات میں زرعی و صنعتی ترقی کا پروگرام۔ جس کا بنیادی اصول خالص اسلامی جذبہ اور اپنی مدد آپ کا زریں اصول تھا۔ ان اداروں نے اپنی مدد آپ کے تحت بڑے بڑے رفاہی اور تعمیری کام کئے۔ ۱۹۵۹ء میں پاکستان کے صدر محمد ایوب خان نے بنیادی جمہوریتوں کا آرڈیننس ۱۹۵۹ء جاری

کرکے بنیادی جمہوریتوں کا الیکشن کرایا اور مستقل ادارہ یونین کونسل کی بنیاد رکھی چونکہ ویلیج ایڈ (VA15) اور یونین کونسل کے مقاصد ایک جیسے تھے اس لئے ویلیج ایڈ کے تربیت یافتہ عملہ کی خدمات یونین کونسلوں کے حوالے کر دی گئیں۔ سنہ ۱۹۵۹ء سے مارچ ۱۹۶۹ء تک یہ ادارے منتخب نمائندوں کے ذریعے رواں دواں رہے۔

سنہ ۱۹۷۰ء میں یونین کونسلوں کے چیئرمین کو ختم کرکے یہ نظام براہ راست ایڈمنسٹریٹروں کے ذریعہ چلتا رہا۔ پھر سنہ ۱۹۷۹ء میں حکومت پنجاب نے پنجاب لوکل آرڈی ننس جاری کرکے از سر نو ان اداروں کا وقار بحال کیا۔ اس طرح دوبارہ یونین کونسلیں معرض وجود میں آگئیں اور عرصہ چار سال کا رہائے نمایاں انجام دیتی رہیں۔ ستمبر سنہ ۱۹۸۳ء میں اس الیکشن کا دوسرا مرحلہ آیا اور یونین کونسل کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔

۱۔ یونین کونسل منکیرہ (دیہی) ۲۔ یونین کونسل چک ۶۷ ایم ایل ۳۔ ٹاؤن کمیٹی منکیرہ

یونین کونسل منکیرہ نے اپنے فنڈز، گورنمنٹ گرانٹ اور اپنی مدد آپ کے تحت متعدد پرائمری سکولوں کی عمارتیں، پلیں اور سولنگ بنائے۔ نیز مناسب راستوں، قبرستانوں اور مسجدوں میں نلکے لگوائے۔

ٹاؤن کمیٹی منکیرہ منکیرہ کو ضلع بھکر کے سب ڈویژن کا درجہ مل جانے کے بعد پنجاب لوکل گورنمنٹ آرڈی ننس مجریہ سنہ ۱۹۷۹ء کے تحت منکیرہ ٹاؤن کمیٹی کا باقاعدہ نوٹیفکیشن نمبر ۷۔ ۹۰ مجریہ ۸۲/۲/۳ جاری ہوا۔ ستمبر سنہ ۱۹۸۳ء میں آبادی کے تناسب سے ۹ وارڈ بنائے گئے۔ پھر الیکشن کی تیاریاں ہوئیں۔ ۲۹ ستمبر سنہ ۱۹۸۳ء کے سیاسی افق پر دو پارٹیاں مقابلے کے لئے میدان میں اتریں۔ ان میں ایک سیٹھ پارٹی جس کے قائد سیٹھ احمد حسین تھے۔ دوسری ملک پارٹی جس کی قیادت ملک محمد اقبال چھینہ کر رہے تھے۔ بظاہر ملک پارٹی کو ٹاؤن کمیٹی کی ۹ سیٹوں میں سے پانچ سیٹوں پر کامیابی ہوئی۔ لیکن ۱۰ نومبر سنہ ۱۹۸۳ء کو ٹاؤن کمیٹی منکیرہ کی چیئرمینی کے الیکشن میں سیٹھ پارٹی نے پوری ہمت، تندہی، دانش مندی، سیاسی جوڑ توڑ اور ذاتی اثر و رسوخ کی بدولت چیئرمینی کا الیکشن جیت لیا اور ملک پارٹی شکست سے دوچار ہوئی۔

۱۲ نومبر سنہ ۱۹۸۳ء کو سیٹھ احمد حسین نے ٹاؤن کمیٹی منکیرہ کے چیئرمین کی حیثیت سے چارج سنبھالا۔ ٹاؤن کمیٹی منکیرہ جن حالات سے دوچار تھی، وہ بڑے یاس انگیز تھے۔ فنڈز کی کمی، دفتری زبوں حالی، عمارت کا نہ ہونا نیز بے پناہ سیاسی اور معاشی مسائل راہ میں حائل تھے۔ چیئرمین صاحب نے باہمی افہام و تفہیم سے مسائل کا حل ڈھونڈا۔ نیز دکانداروں، تاجروں اور دیگر کاروباری حضرات پر پروفیشنل ٹیکس عائد کرکے ٹاؤن کی گرتی ہوئی ساکھ کو سنبھالا دیا۔ اب ٹاؤن کمیٹی منکیرہ سابقہ زبوں حالی اور مالی مشکلات سے نکل کر جدید دور کے تقاضوں کے مطابق تعمیر و ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ چیئرمین موصوف سنہ ۱۹۴۸ء میں منکیرہ میں پیدا ہوئے اور مڈل

سکول منکیرہ سے ورنیکلر فائنل کا امتحان پاس کیا۔ علاقہ تھل کے نامور تاجر اور شریف گھرانے کے چشم و چراغ ہیں۔ نوجوان اور محنتی ہیں۔ فلاحی کاموں میں دل چسپی رکھتے ہیں۔ ۲۸ ستمبر ۱۹۸۳ء کے بلدیاتی الیکشن میں وارڈ نمبر ۴ ٹاؤن منکیرہ سے بطور کونسلر منتخب ہوئے۔

دیہی ترقیاتی مرکز منکیرہ حکومت پاکستان کے فیصلہ کے مطابق پیپلز ورکس پروگرام اور مربوط دیہی ترقی کے ادغام پر محکمہ مقامی حکومت و دیہی ترقی کی تشکیل ۱۹۷۸ء میں ہوئی۔ جس کے تحت تھانہ کی حدود پر مشتمل دیہی ترقیاتی مراکز کا قیام عمل میں لایا گیا۔ دیہی ترقیاتی مرکز منکیرہ اسی سکیم کی اکائی ہے۔ اس مرکز کے پہلے چیئرمین ملک محمد منیر چھینہ آف حیدر آباد تھل منتخب ہوئے۔ اس مرکز میں ۶ یونین کونسلیں شامل ہیں جن کے ممبران کی تعداد ۱۰۹ ہے۔

دیہی ترقیاتی مرکز منکیرہ کی ترقیاتی سرگرمیوں کا جائزہ: ۔ جولائی ۱۹۸۲ء قبل از تشکیل تحصیل اور بعد از تشکیل تحصیل۔ جولائی ۱۹۸۲ء تک ۳۷ پرائمری سکولوں کی عمارات کی تعمیر و مرمت ہوئی چار مقامات پر فرش بندی کی گئی اور پختہ نالیاں تعمیر کی گئیں اور ۲۸ مقامات پر پلیاں تعمیر کی گئیں۔ اسی طرح کل ۷۶ منصوبے مکمل کئے گئے جن پر کل لاگت ۱۸ لاکھ ۹۸ ہزار ۲۰۸ روپے آئی جس میں ۱۶ لاکھ ۴ ہزار ۹۵۸ روپے سرکاری گرانٹ اور ۲ لاکھ ۹۳ ہزار ۲۵۰ روپے ذاتی طور پر برداشت کئے گئے۔

جولائی ۱۹۸۲ء سے ۱۹۸۴ء تک کل ۵۲ منصوبے مکمل ہوئے جن میں ۳۷ پرائمری سکولوں کی عمارات کی تعمیر و مرمت۔ ۱۰ فرش بندی اور پختہ نالیوں کی تعمیر کے ۲۔ دفاتر یونین کونسل میں تعمیر نو کے اور ایک وٹرنری سنٹر شامل ہے۔ ان پر کل لاگت ۲۰ لاکھ ۲۹ ہزار ۲۳۰ روپے ہے جس میں سرکاری گرانٹ ۱۴ لاکھ ۹۹ ہزار ۲۱۲ روپے ہے اور ذاتی خرچ ۵ لاکھ ۳۰ ہزار ۱۸ ہزار ہے۔

اس کے علاوہ ۶۰ کلومیٹر سڑکیں تعمیر ہوئیں۔ علاوہ ازیں تین مڈل سکول لتن۔ ماہنی۔ اور کپاہی میں کھلے ہوئے ہیں اور تین بنیادی ہیلتھ سنٹر کارلو والا۔ لتن اور ماہنی میں کھل چکے ہیں۔

علمی ادبی شخصیات

استادِ معظم جناب ملک قادر بخش صاحب مرحوم آپ ۱۹۱۵ء میں بمقام حیدر آباد پیدا ہوئے۔ مڈل سٹینڈرڈ کا امتحان حیدر آباد سے پاس کر کے گورنمنٹ نارمل سکول لالہ موسیٰ سے جونیئر ورنیکلر ٹیچر کا کورس پاس کیا ۱۹۴۸ء سے اپنی ملازمت کا آغاز کیا۔ پھر سینئر ورنیکلر ٹیچر کا کورس کر کے گورنمنٹ ہائی سکول نوشہرہ میانوالی جھنگ میں تدریسی فرائض انجام دیئے۔ کچھ عرصہ نارمل سکول شاہ پور شہر میں بچوں کو پڑھایا۔ پھر گورنمنٹ ہائی

سکول بھکر میں پندرہ سال تدریسی فرائض انجام دینے کے بعد باوقار طور پر ریٹائر ہوئے۔ آپ گولڈ میڈلسٹ
منشی فاضل اور عالم فاضل معلم تھے۔ گویا علم وفضل کے دریا تھے۔ تحریر وتقریر کے بادشاہ تھے۔ اساتذہ کرام
میں آپ کا مقام بلند حیثیت کا حامل ہے۔ آپ نے جس جاں فشانی، عرق ریزی اور لگن سے نونہالانِ قوم کو
زیورِ تعلیم سے بہرہ ور کیا۔ اس کا زندہ ثبوت اس کے موقر شاگردانِ رشید ہیں۔ جن کی کافی تعداد پنجاب
بھر میں موجود ہے جو ملک کے اعلیٰ ترین عہدوں پر فائز المرام ہیں۔

آپ کی اولادِ امجاد میں سے ۶ لڑکے ہیں جو سب کے سب تعلیم یافتہ اور اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں۔
ان میں بڑا لڑکا محمد اقبال سپرنٹنڈنٹ پولیس۔ شاہد اقبال اسسٹنٹ منیجر الائیڈ بینک۔ ڈاکٹر خالد اقبال ایم بی بی ایس
حسن اقبال اے سی احمد ظفر اقبال انجینئرنگ کالج لاہور میں اور فاروق رضا سٹوڈنٹ ایم بی اے پنجاب یونیورسٹی لاہور
سب سے چھوٹے برخوردار ہیں۔

آپ شریف النفس، حلیم الطبع، سادہ لوح اور صاف گو انسان تھے۔ رفتار اور گفتار سے شرافت عیاں
تھی۔ غریب اور مفلس طلبہ کا خاص خیال رکھتے تھے۔ آپ ۲۰ اکتوبر ۱۹۸۳ء کو عالمِ فنا سے عالمِ بقا کو رحلت
فرما گئے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) آپ کا مدفن قبرستان شیر شاہ منکیرہ کے غربی جانب ہے۔

ملک الٰہی بخش منشی فاضل منکیرہ آپ سرزمین منکیرہ خصوصاً محلہ اسلام پورہ کی قابلِ احترام علمی ادبی
شخصیت ہیں اور غریب گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ مڈل سٹینڈرڈ کا امتحان منکیرہ سے پاس کر کے بھکر سے میٹرک
کیا۔ یکم جولائی ۱۹۵۰ء سے محکمہ تعلیم میں ملازمت شروع کی اور اپنے فرائض خوش اسلوبی سے انجام دیئے۔
دورانِ ملازمت پرائیویٹ طور پر شبانہ انتھک محنت سے منشی فاضل کا امتحان فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔

آپ معاشرتی برائیوں کے خلاف ایک دردمند دل رکھتے ہیں۔ سماجی کارکن ہیں۔ اپنے محلہ اسلام پورہ
کی ویلفیئر سوسائٹی کے صدر ہیں۔ محلہ کے باشندوں میں اتحاد و یگانگت، محبت و اخوت کے لازوال رشتے
قائم کرنے میں کوشاں رہتے ہیں۔ غربا اور یتامیٰ کی خدمت کرنا ان کا شعار ہے۔ عجز و انکساری ان کا طرۂ امتیاز،
خوش اخلاقی امتیازی صفت اور خودداری ان کا امتیازی نشان ہے۔ بے باکی اور حق گوئی کے طفیل مقامی
وڈیروں کی آنکھ کا شہتیر بن گئے ہیں۔ لیکن غریب عوام میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ ادیب
ہیں، مضمون نگاری میں کمال حاصل ہے۔ آپ کے مضامین اخبار و رسائل میں اکثر چھپتے رہتے ہیں۔ اس وقت
گورنمنٹ ہائی سکول بھکر میں بطور ٹیچر اپنے فرائضِ منصبی بطریقِ احسن ادا کر رہے ہیں۔

ماسٹر محمد اقبال درزی منکیرہ آپ منکیرہ ضلع بھکر کے قابلِ فخر فرزند ہیں جو اپنی تعلیمی قابلیت اور مخلصانہ
خدمات کے لحاظ سے نیک شہرت کے حامل ہیں۔ بظاہر ایک عام معلم ہیں مگر آپ کے دم سے علاقہ تھل منکیرہ کی

علمی اور ادبی شہرت میں خاصا اضافہ ہوا ہے۔ بلند پایہ ادیب ہیں۔ اُردو اور پنجابی زبان پر کامل عبور رکھتے ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد جن مقامی اساتذہ نے نمایاں طور پر تعلیمی اور سماجی خدمات انجام دیں اور حب الوطنی کے جذبات کو اُبھارنے کی حتی المقدور کوششیں کیں ان میں ماسٹر محمد اقبال درّوزی کا نام قابلِ ذکر ہے۔ اُردو کے مفید اور علمی مضامین جو وقتاً فوقتاً اخبارات اور رسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں، آپ کے قلم کے شاہکار ہیں۔

آپ قبیلہ درّوزی کے چشم و چراغ ہیں۔ آپ کا قبیلہ ۱۲۳۱ ہجری میں ملکِ شام کے علاقہ جبلِ دروز سے ترکِ سکونت کر کے ملتان پہنچا۔ ان دنوں ملتان کا حاکم شیخ سومرہ تھا۔ جو اسماعیلیہ فرقہ سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ لوگ اسماعیلیہ فرقے کے پیروکار تھے۔ بعد میں اس مذہب کو چھوڑ کر مذہب اہل سنت اختیار کر لیا۔

آپ ۲ جنوری ۱۹۲۸ء کو بمقام منکیرہ پیدا ہوئے۔ مڈل سکول کا امتحان پاس کرنے کے بعد نارمل سکول شاہ پور شہر سے جے وی کا کورس پاس کیا۔ ۱۹۵۵ء سے محکمہ تعلیم میں اپنی ملازمت کا آغاز کیا۔ پھر ایس وی گریڈ حاصل کر کے گورنمنٹ ہائی سکول عیدرآباد میں تعلیمی خدمات انجام دیں۔ آپ نے پرائیویٹ طور پر فاضل فارسی، فاضل پنجابی اور فاضل اردو کا امتحان پاس کیا۔ پھر ایم اے تاریخ، سیاسیات اور پنجابی کے امتحانات پاس کئے۔ ایم پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کی تگ و دو میں ہیں۔ اردو اور پنجابی کے مایہ ناز قلم کار ہیں۔ پنجابی کا مشہور ناول جو "سیاہ راتیں" کے عنوان سے زیرِ تصنیف ہے وہ آپ کی علمی ادبی قابلیت کا آئینہ دار ہے۔

حکیم مرزا حبیب الرحمٰن منکیرہ آپ ۱۴ نومبر ۱۹۳۶ء بمقام چڑیاولہ ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے آبائی گاؤں سے حاصل کی۔ میٹرک کا امتحان زمیندارہ ہائی سکول اور ۱۹۵۲ء میں زمیندارہ کالج گجرات سے ایف ایس سی کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۵۴ء میں منشی فاضل کے امتحان میں پنجاب بھر میں تیسری پوزیشن حاصل کی۔ پھر میڈیکل کالج کوئٹہ سے ۱۹۵۸ء میں ایل ایس ایم ایف کا امتحان پاس کیا۔ آبادکاری سکیم کے تحت ۱۹۶۰ء میں رکھ منکیرہ میں لاٹ خرید کر آباد ہو گئے۔ آج کل منکیرہ میں کامیاب طبی پریکٹس کر رہے ہیں۔ آپ مغلیہ خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ آپ کا شجرہ نسب کئی واسطوں سے شہنشاہ ہندشاہ جہاں کی اولاد امجاد سے جا ملتا ہے۔ آپ کے خاندان کو بہادر شاہ ظفر اور شہزادہ فرخ سیر کی طرف سے جلال پور جٹاں ضلع گجرات میں جاگیر عنایت ہوئی۔ جس کے دستاویزی ثبوت ڈاکٹر موصوف کے پاس ہیں۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد انگریز حکومت نے یہ جاگیر ضبط کر لی۔

آپ مایہ ناز ادیب ہیں۔ عجز و انکساری کا مجسمہ ہیں۔ آپ اپنے دور کے ماہر طبیب اور مشہور علمی اور مذہبی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ پابندِ صوم و صلوٰۃ، مخلص، دیانتدار، نیک سیرت، شریف النفس علمی شخصیت ہیں۔ انجمن غلامانِ مصطفےٰ منکیرہ کے سرپرست اعلیٰ ہیں نیز سربلند اسلامی ادبی مجلس منکیرہ کے نائب صدر ہیں۔

خان یونس کمال لودھی منکیرہ آپ مشہور پٹھان لودھی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ شاہ آباد ضلع کرنال (پنجاب) بھارت سے ہجرت کر کے منکیرہ آباد ہوئے۔ تحریک پاکستان کے جانباز سپاہی اور عالمی سکاؤٹ برادری کے تربیت یافتہ رکن ہیں۔ مرے کالج سیالکوٹ کے نامور طالب علم رہے ہیں۔ جہاں مارچ ۱۹۵۶ء میں سٹوڈنٹس یونین بلیو ہاؤس کے صدر منتخب ہوئے۔ بعد ازاں (۱۹۶۴ء تک جنرل سیکرٹری ڈسٹرکٹ مسلم لیگ میانوالی رہے ہیں۔ قوم کو سکاؤٹ تحریک کے ذریعے نیا اسلامی عزم و حوصلہ دینے کے بے حد متمنی نظر آتے ہیں۔ آپ کو گلڈ آف اولڈ سکاؤٹس پاکستان کے تاحیات ممبر ہونے کا اعزاز حاصل ہے آپ نے اگست ۱۹۵۴ء میں پاکستانی قومی ترانہ کے الفاظ کو اس کی دھن کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کا اعزاز حاصل کیا اور پھر پاکستان کی بڑی بڑی تعلیمی درسگاہوں میں طلبہ کو قومی ترانہ کی ادائیگی و احترام کی تربیت دینے کی ملک بھر میں اولین سعادت حاصل کی۔ کئی عالمی سکاؤٹ اجتماعات میں پاکستان کی کامیاب نمائندگی کر کے سکاؤٹ برادری میں ایک منفرد مقام حاصل کیا۔ سولہ سترہ یورپی و ایشیائی ممالک کا معلوماتی دورہ کیا۔ زندگی بھر کبھی بھی سرکاری یا غیر سرکاری ملازمت اختیار نہیں کی بلکہ ہمیشہ بے لوث اعزازی خدمات انجام دیں۔ آج کل قلعہ منکیرہ کی عظمت رفتہ کے بچاؤ کی مہم چلا رہے ہیں۔

آپ منکیرہ کے زمیندار ہیں اور ضلع بھکر کے اعزازی ایڈیشنل چیف وارڈن سول ڈیفنس، سیکرٹری کونسل، ڈسٹرکٹ سکاؤٹس آرگنائزر ہونے کے علاوہ کتاب "پاکستان کا قومی پرچم اور ترانہ، قائد اعظم اور تحریک سکاؤٹنگ، مسلم نمائندہ کانفرنس منظوم، اور قائد اعظم کی شخصیت" کے مصنف بھی ہیں۔

آپ انتہائی رفیق، شفیق، خلیق ہونے کے علاوہ ملنسار، خوش اطوار، صالح کردار، دین دار، وفا شعار، ذی وقار، دیانتدار، قلمکار اور نہایت ہی مخیر وضع دار شخصیت کے حامل انسان ہیں۔

ملک مہتاب حسین چھینہ ایڈووکیٹ آپ راجپوت چھینہ خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ ۳ جنوری ۱۹۵۹ء کو بمقام محمد یار والا داخلی موضع حیدر آباد پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد میٹرک کا امتحان گورنمنٹ ہائی سکول بھکر سے فسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔ ایف اے تک تعلیم گورنمنٹ ڈگری کالج بھکر سے حاصل کی۔ کوئٹہ (بلوچستان) یونیورسٹی سے بی اے کا امتحان پاس کرنے کے بعد یونیورسٹی لا کالج کوئٹہ سے ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کی۔ بعد ازاں ایم اے سیاسیات کی ڈگری بھی بلوچستان یونیورسٹی سے حاصل کی۔ اس کے بعد زیر نگرانی ملک ممتاز حسین چھینہ ایڈووکیٹ بھکر میں پریکٹس شروع کی۔ جب منکیرہ سب ڈویژن بنا تو آپ یہاں آ کر وکالت کرنے لگے۔ موصوف نماز کے پابند اور مذہبی امور سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ شریف اور ملنسار بھی ہیں غریبوں کی امداد میں خصوصی دلچسپی لیتے ہیں۔ منکسر المزاج، حلیم الطبع واقع ہوئے ہیں۔

شہرت یافتہ شخصیات

غازی صوبیدار (ریٹائرڈ) ملک شیر دل اعوان منکیرہ :-

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بیباکی   اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

مایۂ ناز سپوت قوم ۔ غازی ملک شیر دل اعوان ہیرو جنگِ ستمبر ۱۹۶۵ء کی ذاتِ گرامی محتاجِ تعارف نہیں ۔ کسے معلوم تھا کہ ۱۹۲۵ء میں قصبہ سویڈھی جے والی واقع وادی سون سکیسر کی اعوان فیملی میں پیدا ہونے والا بچہ ایک دن ناموسِ وطن پر جان دینے والوں کی صفِ اوّل کے مجاہدین میں شامل ہوگا "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات ۔"

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن   نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

آپ ۱۹۴۲ء میں انڈین آرمی میں شامل ہوئے اور ۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۵ء کی جنگ عظیم دوم میں برما فرنٹ پر جاپان کے خلاف دادِ شجاعت دکھائی ۔ پھر ۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان کے وقت مہاجرین کے لٹے پٹے قافلوں کو بحفاظت پاکستان پہنچانے کے فرائض سرانجام دیئے ۔ پھر ۱۹۵۱ء کی جنگِ آزادی کشمیر میں اوڑی پونچھ محاذ پر نمایاں کردار ادا کیا ۔

ستمبر ۱۹۶۵ء میں لاہور محاذ کے برکی فرنٹ پر میجر عزیز بھٹی نشان حیدر کے ہمراہ او پی (O.P.) کے فرائض میں انتہائی دانش مندی ۔ فہم و فراست اور فنی مہارت کا وہ ثبوت پیش کیا کہ دشمن بوکھلا اٹھا اور عالمِ بوکھلاہٹ میں پورے ایک ڈویژن سے برکی پر حملہ کیا ۔ حملہ شدید تھا ۔ اور وہ چوبارہ جہاں سے ملک شیر دل صاحب دشمن کو دیکھ دیکھ کر گولہ باری کرا رہے تھے ۔ براہِ راست دشمن کی گولہ باری کا نشانہ بنا ہوا تھا دشمن نے چوبارے کو گھیر لیا ۔ ایسی حالت میں ملک صاحب کو وہاں سے نکل آنا چاہیئے تھا ۔ لیکن شیر دل ، شیر دل ہی تھا ، شیر کی طرح ڈٹا رہا اور اپنی پوسٹ یعنی چوبارے سے فائر آرڈر دیتا رہا ۔ حد یہ کہ ایک فائر آرڈر ایسا دیا کہ جس کے مطابق وہ خود گولہ باری کی زد میں تھا ۔ وائرلیس سیٹ پر کمانڈنگ افسر نے کہا ۔ کیا اپنے سر پر فائر لینا چاہتے ہو ۔ اس پر ملک صاحب موصوف نے پورے اطمینان سے جواب دیا ۔ جی ہاں ! بالکل اپنے سر پر ۔ دشمن سر پر ہی آگیا ہے ۔ جلدی فائر کرو ۔ چنانچہ پاکستانی توپوں نے گولوں کی ایسی باڑھ داغی جس سے دشمن شکست سے دوچار ہوا ۔ اور ملک صاحب بال بال بچ گئے ہے

ناموسِ وطن کے واسطے طوفان بن جاتا ہے یہ   شیر دل ہے دشمنِ ایماں سے لڑ جاتا ہے یہ

گولہ باری کا یہ اثر ہوا کہ دشمن کی ٹینک رجمنٹ کا کمانڈر کرنل جوشی مارا گیا اور دشمن کی مرکزیت ایسی

متزلزل ہوئی کہ سینئر فائر تک اسے سنبھلنے کا موقع نہ ملا۔ صدرِ پاکستان کی جانب سے امتیازی سند اور
ایک مربعہ اراضی ضلع راجن پور میں شاندار فوجی خدمات کے صلہ میں عطا کی گئی۔ ۱۹۶۹ء تا ۱۹۷۰ء
ایسٹ پاکستان میں فوجی خدمات انجام دیں۔ اور ۱۹۷۳ء میں ملازمت پوری کرنے کے بعد باعزت
اور باوقار ریٹائر ہو کر منکیرہ میں آباد ہو گئے۔ یہاں پر سماجی خدمات ادا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت
نہ کیا۔ جب بھکر کو ضلع کا درجہ دیا گیا تو آپ متحرک ہوئے اور تحریک تحصیل منکیرہ میں بحیثیت صدر
"تحصیل بناؤ کمیٹی" اہم کردار ادا کیا۔ گورنمنٹ پاکستان کی طرف سے زکوٰۃ و عشر کمیٹی کے نامزد ضلعی ممبر ہیں۔
عوام کے فلاح و بہبود کے کاموں میں گہری دلچسپی لیتے ہیں۔ اصلاحِ معاشرہ کمیٹی تحصیل منکیرہ کے صدر
ہیں نیز تحصیل منکیرہ کے سولجرز بورڈ کی طرف سے ریکروٹنگ افسر ہیں۔ صاحب موصوف مخلص، ملنسار،
خوش اخلاق، خوش طبع، ہنس مکھ، سماجی کارکن، پابند صوم و صلوٰۃ اور ان تھک فعال شخصیت ہیں۔ بقول
ڈاکٹر علامہ سر محمد اقبال ؎

یہ غازی یہ تیرے پُراسرار بندے — جنھیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا — سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

چوہدری محمد حنیف ایڈووکیٹ منکیرہ آپ ۱۹۴۸ء میں بمقام چک نمبر ۱۰۰ احسن ارائیں تحصیل پاکپتن
نزد قبولہ ضلع ساہیوال پیدا ہوئے۔ آپ کے والدین بحیثیت آباد کار ۱۹۵۲ء میں نقلِ مکانی کر کے چک
نمبر ۴۹ ٹی ڈی اے تحصیل بھکر آباد ہوئے۔ ۱۹۶۵ء میں ایم سی ہائی سکول بھکر سے میٹرک کا امتحان پاس
کر کے گورنمنٹ کالج بھکر سے ایف اے اور ۱۹۷۰ء میں گریجویشن کا امتحان گورنمنٹ ڈگری کالج جھنگ
سے پاس کیا۔ ۱۹۷۵ء میں لا کالج ملتان سے وکالت کی ڈگری حاصل کی۔ ملک محمد سعید ایڈووکیٹ کی زیرِ سرپرستی
بھکر میں وکالت کی عملی ٹریننگ حاصل کی اور ۱۲ مارچ ۱۹۷۶ء کو بار کونسل پنجاب کی طرف سے بحیثیت
ایڈووکیٹ باقاعدہ لائسنس وکالت جاری ہوا۔ جولائی ۱۹۸۲ء میں منکیرہ کو ضلع بھکر کی سب ڈویژن کا درجہ
ملنے پر ملک دوست محمد مصنف "تاریخ منکیرہ" کی کوششوں سے مستقل طور پر منکیرہ منتقل ہوئے۔ آپ محنتی
جفاکش اور ہر دلعزیز دیانت دار وکیل ہیں۔ عوامی مسائل سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ خدا خوفی کا یہ حال
ہے کہ انتہائی مفلس، غریب و نادار لوگوں کے مقدموں کی پیروی بلا فیس کرتے ہیں۔ آپ کسان بورڈ تحصیل
منکیرہ کے صدر ہونے کے علاوہ سربلند اسلامی ادبی مجلس کے صدر بھی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ عوام میں
زیادہ مقبول ہیں۔ کم گو مگر انتہائی شریف النفس انسان ہیں۔ اخلاقی قدروں کے شناسا۔ دوستوں کے دوست،
غریبوں کے ہمدرد اور اعلیٰ اوصافِ حمیدہ کے مالک ہیں۔ آپ بار کونسل منکیرہ کے صدر اور "فلاحی کمیٹی منکیرہ"

کے جنرل سیکرٹری بھی ہیں جس کے تحت بچیوں اور عورتوں کو کشیدہ کاری، سلائی اور بنائی کی تعلیم دی جاتی ہے نیز تعلیم بالغاں زنانہ اور مردانہ بھی اسی کمیٹی کے تحت دی جا رہی ہے۔

ملک غلام حسین اسسٹنٹ پراجیکٹ منیجر منکیرہ ۱۵ جون ۱۹۳۲ء کو بمقام روڈہ تحصیل و ضلع خوشاب پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد گورنمنٹ ہائی سکول مٹھہ ٹوانہ سے ۱۹۵۳ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اسی سال اپنی ملازمت کا آغاز تحریک ترقی دیہات (ولیج ایڈ) کے پہلے گروپ میں شامل ہو کر کیا۔ اس ادارے کا دوسرا نام دیہی زرعی و صنعتی ترقی کا پروگرام ہے۔ ۹ ماہ کی ٹریننگ پوری کرنے کے بعد یکم اپریل ۱۹۵۴ء کو دیہی کارکن کی حیثیت سے کام کرنا شروع کیا۔ ۲۴ اپریل ۱۹۵۷ء کو سپروائزر ترقی دیہات کے عہدے پر ترقی ہوئی۔ پھر قسمت نے یاوری کی اور جولائی ۱۹۷۴ء میں بطور سپروائزر پیپلز ورکس پروگرام تحصیل بھکر حلقہ منکیرہ تقرری ہوئی۔ ازاں بعد ۱۹۷۹ء سے محکمہ مقامی حکومت و دیہی ترقی کی تشکیل پر بطور اسسٹنٹ پراجیکٹ منیجر مرکز منکیرہ میں فرائض انجام دے رہے ہیں اور عرصہ دس سال سے منکیرہ میں سکونت پذیر ہیں کافی زرعی اراضی کے مالک، خوش اخلاق، ملنسار، خوش طبع اور اعلیٰ اوصاف کے حامل سماجی کارکن ہیں تحریک تحصیل منکیرہ میں نمایاں کردار ادا کیا نیز ضروری کوائف مہیا کرنے اور تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے مفید مشورے دیئے۔ میلہ جشن بہاراں کا انعقاد آپ کا مرہونِ منت ہے۔ اس وقت منکیرہ کی تعمیر و ترقی میں نمایاں کردار ادا کر رہے ہیں۔

حکیم حق نواز خان سدوزئی آف حیدر آباد تھل آپ سرزمین حیدر آباد تھل کی معروف سیاسی، مذہبی اور سماجی شخصیت ہیں۔ سدوزئی گھرانے کے چشم و چراغ ہیں۔ آپ کے آباؤ اجداد نواب سربلند خان منکیرہ کے دور حکومت میں عظیم علاقہ تھل تشریف لائے اور مستقل طور پر حیدر آباد (امروانی) میں آباد ہو گئے آپ ۲۸ اکتوبر ۱۹۳۹ء میں بمقام حیدر آباد تھل پیدا ہوئے۔ یہی حیدر آباد جو کبھی امروانی کے نام سے مشہور تھا۔ آپ کا مولد و مسکن ہے۔ ابتدائی تعلیم حیدر آباد تھل سے مکمل کرنے کے بعد ۱۹۵۵ء میں میٹرک کا امتحان ضلع جھنگ سے پاس کیا پھر طبیہ کالج لاہور سے حکیم حاذق کی سند حاصل کی۔ اپنی کلاس میں دوسری پوزیشن حاصل کی۔ اپنی پریکٹس کا آغاز ۱۹۵۸ء سے باقاعدہ طور پر حیدر آباد سے کیا۔ غریب اور نادار لوگوں کا علاج معالجہ مفت کرنا ان کا شعار ہے۔ خوش اخلاقی اور خودداری ان کا طرہ امتیاز ہے بے باکی اور حق گوئی کے طفیل مقامی وڈیروں کی آنکھ کا شہتیر بن گئے ہیں۔ آپ معاشرتی برائیوں کے خلاف ایک دردمند دل رکھتے ہیں۔ بہترین سماجی کارکن ہیں۔ غریب عوام میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ آپ ۱۹۶۰ء میں عوامی خدمات کی بدولت ممبر یونین کونسل رہے۔ ۱۹۸۲ء میں فریضہ حج کی سعادت حاصل کی اور ۱۹۸۴ء میں ناظم صلوٰۃ مقرر ہوئے۔

ملک غلام یٰسین چھینہ ایڈووکیٹ بھکر آپ کا نام ضلع بھکر کے شہرت یافتہ وکلا میں شمار کیا جاتا ہے آپ چھینہ برادری سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کے جدِ امجد ملک محمد زمان چھینہ نے کمال دانش مندی اور تدبر کا ثبوت دیتے ہوئے موضع پٹی بلندہ کو جس کا قدیم نام پٹی سربلند خان تھا۔ فرد واحد کی اعلیٰ ملکیت ہونے سے بچا لیا جو انگریز کا انتہائی پٹھو، خوشامدی اور ضمیر فروش تھا۔

آپ یکم ستمبر ۱۹۴۱ء کو بمقام پٹی بلندہ پیدا ہوئے۔ قیام پاکستان سے قبل ترک سکونت کر کے بھکر آباد ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد میٹرک کا امتحان گورنمنٹ ہائی سکول بھکر سے فسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔ ایف ایس سی گورنمنٹ کالج میانوالی اور بی ایس سی کا امتحان گورنمنٹ کالج لائل پور (فیصل آباد) سے کیا۔ پھر پنجاب یونیورسٹی لا کالج لاہور سے ایل ایل بی کا امتحان فسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔ دورانِ تعلیم کبڈی۔ فٹ بال۔ اتھلیٹکس میں ناموری پیدا کی اور ان گنت سندات اور ٹرافیاں حاصل کیں۔ سال ۱۹۷۹ء میں میونسپل کمیٹی بھکر کے وائس چیئرمین رہے۔ اب کبڈی ایسوسی ایشن ضلع بھکر کے صدر ہیں۔ سماجی خدمات کے علاوہ علمی ادبی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ آپ کو تحریر اور تقریر میں خاصا عبور حاصل ہے۔ خوش اخلاق اور ملنسار ہیں۔ انتہائی غریب اور مفلس لوگوں کے مقدمات کی پیروی مفت کرتے ہیں۔ مہمان نوازی ان کا شیوہ ہے۔

سیاسی شخصیات

ملک محمد اقبال چھینہ منکیرہ آپ علاقہ تھل کے مشہور و معروف زمیندار ہیں اور چھینہ خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ سات پشتوں یعنی سکھوں کے عہدِ حکومت میں آپ کا خاندان علاقہ تھل منکیرہ کی سیاست پر چھایا ہوا تھا۔ سیاسی بالادستی کی بدولت علاقہ تھل منکیرہ میں ممبر گر کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کے والدِ ماجد ملک امیر محمد مرحوم تحصیل منکیرہ میں کنگ آف تھل کے نام سے مشہور تھے۔

آپ کا سیاسی تشخص مسلم ہے۔ ۱۹۴۵ء میں بمقام پٹی سربلند خان پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے آبائی گاؤں سے حاصل کرنے کے بعد گورنمنٹ ہائی سکول بھکر سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ آپ نے جن حالات میں سیاسی میدان میں قدم رکھا وہ روح فرسا اور یاس انگیز تھے۔ آپ کے والدِ گرامی کی اچانک وفات سے جو سیاسی خلا پیدا ہوا، اسے ملک صاحب نے اپنی شبانہ روز انتھک کوششوں سے پر کیا۔ اور عوام کی ترجمانی کی۔ ۱۹۷۸ء کے بلدیاتی انتخاب میں ممبر ڈسٹرکٹ کونسل منتخب ہوئے۔ آپ ضلع بھکر کی سب سے بڑی پارٹی نوانی کے روحِ رواں گردانے جاتے ہیں۔ ۲۸ ستمبر ۱۹۸۳ء کے بلدیاتی الیکشن میں سیٹھ پارٹی کے نامزد امیدوار سیٹھ محمد حسین کے مقابلے میں ڈسٹرکٹ کونسل بھکر کی سیٹ پر ستائیس سو دو ووٹوں

بل کماتی ہوئی روڈ آپ کی کاوش اور جد و جہد کی آئینہ دار ہے۔ آپ
سے جیت گئے۔ منکیرہ تا پٹی بلند و بل کماتی ہوئی روڈ آپ کی کاوش اور جد و جہد کی آئینہ دار ہے۔ آپ
تحصیل بناؤ کمیٹی منکیرہ کے سرپرست اعلیٰ رہے اور مختلف ملاقاتی وفدوں میں شامل ہو کر اپنا اثر و رسوخ
استعمال کرتے رہے ہیں۔

آپ انتہائی شریف، ملنسار خوبرو جوان ہیں۔ سادگی کو پسند کرتے ہیں۔ دوست ہو یا دشمن سب
کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آتے ہیں۔ عوامی خدمات کے پیش نظر سماجی کاموں میں گہری دلچسپی لیتے ہیں
دن ہو یا رات، سردی ہو یا گرمی۔ تھانہ ہو یا کچہری۔ غریب عوام کی فلاح و بہبود اور تعمیر و ترقی میں ہمہ تن
مصروف رہتے ہیں۔

معروف سیاسی شخصیت سیٹھ غلام حسین منکیرہ آپ سیٹھ پارٹی کے قائد ہیں۔ ۱۹۱۵ء میں بمقام منکیرہ
پیدا ہوئے۔ آپ کے والدِ ماجد کا پیشہ تجارت تھا۔ اس لئے آپ پیدائشی طور پر ذہین اور دیانت دار تاجر
ثابت ہوئے۔ آپ نیک سیرت، پابندِ صوم و صلوٰۃ اور ایماندار تاجر ہیں۔ دیانت داری کی بدولت عوام
میں مقبول ہیں۔ غریبوں کے ہمدرد۔ خوش اخلاق، خوش طبع اور ملنسار ہیں۔

۱۹۵۸ء میں منکیرہ کے غریب عوام نے ملک امیر محمد چھینہ کی زیادتیوں سے تنگ آ کر انھیں اپنا
محبوب لیڈر تسلیم کیا اور بنیادی جمہوریتوں کے الیکشن میں بھاری اکثریت سے کامیاب کرایا۔ سیٹھ صاحب
نے تھانہ اور تحصیل کی سطح پر غریب عوام کی بھرپور ترجمانی کی۔ سیٹھ جان محمد جو ملک امیر محمد کے دستِ راست
تھے۔ آپ کے مخالف تھے مگر آپ ثابت قدم رہے۔

تندیِ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اُڑانے کے لئے

۱۹۸۰ء میں حالات نے پلٹا کھایا۔ سیٹھ جان محمد کا گروپ سیٹھ غلام حسین سے مل گیا۔ وقت کے دھارے
کے ساتھ ساتھ سیٹھ پارٹی مضبوط ہوتی گئی۔ چنانچہ ۲۸ ستمبر ۱۹۸۳ء کے بلدیاتی الیکشن میں دو پارٹیاں مقابلے
کے لئے سیاسی میدان میں اُتریں۔ ایک سیٹھ پارٹی جس کی قیادت سیٹھ غلام حسین کے پاس تھی۔ دوسری ملک
پارٹی جس کے قائد ملک محمد اقبال چھینہ تھے۔ بظاہر ملک پارٹی کو ٹاؤن کی ۹ سیٹوں میں سے ۵ سیٹوں پر سبقت
حاصل ہوئی لیکن نومبر ۱۹۸۳ء کو ٹاؤن کمیٹی کی چیئرمینی کے الیکشن میں سیٹھ پارٹی نے دانشمندی، فہم و فراست
سیاسی جوڑ توڑ اور ذاتی اثر و رسوخ کی بدولت چیئرمینی کا الیکشن جیت لیا۔ اور ملک پارٹی شکست سے دوچار
ہوئی۔ سیٹھ پارٹی کی طرف سے سیٹھ احمد حسین نے چیئرمین ٹاؤن کمیٹی منکیرہ کی حیثیت سے چارج سنبھالا لیکن
ڈسٹرکٹ کونسل کے انتخاب میں سیٹھ پارٹی ۲۷ سو ووٹوں سے ہار گئی اور ملک محمد اقبال چھینہ کامیاب قرار پائے۔

ملک جاوید اکبر رئیس اعظم ماہنی آپ بمقام ماہنی تحصیل منکیرہ پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے آبائی

گاؤں میں حاصل کی اور میٹرک کا امتحان گورنمنٹ اسلامیہ ہائی سکول جھنگ سے پاس کیا۔ آپ جھنڈوان خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ علاقہ تھل کے بہت بڑے جاگیردار ہیں۔ طبعاً آزاد منش خوش اخلاق غریبوں کے مددگار اور معاون ہیں۔ رفاہی کاموں اور عوامی خدمت کا گہرا جذبہ رکھتے ہیں۔ حصول تعلیم کے بعد علاقائی سیاست میں سرگرم ہوئے۔ ۱۹۷۷ء کے انتخاب میں صوبائی اسمبلی کی سیٹ پر اپنے بھائی جہان خان کو آزاد امیدوار کی حیثیت سے کھڑا کیا۔ پیپلز پارٹی اور قومی اتحاد کی باہمی چپقلش کی وجہ سے الیکشن نہ ہو سکا۔ بعد ازاں زی مسائل سلجھانے میں مصروف رہے اور انتہائی لگن سے تعمیری کام انجام دیتے رہے۔ ۱۸ ستمبر ۱۹۸۳ء کے بلدیاتی الیکشن میں ڈسٹرکٹ کونسل بھکر کی سیٹ پر اپنے علاقہ سے الیکشن لڑا لیکن گیارہ سو ووٹوں سے اپنے حریف کے ہاتھوں ہار گئے۔ ملک صاحب خندہ رُو اور ہنس مکھ شخصیت ہیں۔ قومی خدمت کا جذبہ لئے ہمہ تن مصروف ہیں اور علاقہ کی تعمیر و ترقی کے لئے کوشاں ہیں۔

ملک صاحب ۱۹۷۹ء کے بلدیاتی الیکشن میں اپنے حلقہ ماہنی سے بی ڈی ممبر منتخب ہوئے اور ذاتی اثر و رسوخ کی بدولت یونین کونسل ماہنی کے چیئرمین بنے۔ رفاہی کاموں سے دلچسپی کا واحد ثبوت یہ ہے کہ آپ نے پرائمری سکول ماہنی کو مڈل سکول کا درجہ دلایا نیز سکول کے لئے رقبہ تعدادی ۱۶ کنال دیا پھر ایک سال کے قلیل عرصہ میں ہائی سکول کا درجہ دلایا۔ ماہنی کے لئے ایک بنیادی ہیلتھ سنٹر اور وٹرنری ہیلتھ سنٹر منظور کرایا۔ نیز شہر ماہنی کے لئے واٹر سپلائی۔ بجلی اور رابطہ سڑک حیدرآباد تا ماہنی منظور کرائی نیز ماہنی کے لئے ایک گرلز پرائمری سکول اور یارا سلمہ اور شیر گڑھ کو مڈل کا درجہ دلایا۔

ملک محمد امان اللہ چھینہ رئیس حیدرآباد آپ ۲ دسمبر ۱۹۳۷ء کو ریگزار تھل کی قلب میں واقع قصبہ حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ تھرڈ ایئر کے طالب علم تھے کہ بعض ناگزیر گھریلو مجبوریوں کے باعث تعلیم ترک کرنا پڑی۔ بعد ازاں ۱۹۶۴ء میں مسلم لیگ میں شمولیت کے بعد اپنی سیاسی زندگی کا آغاز کیا اور اس علاقہ میں مادرِ ملت کی انتخابی مہم میں بھرپور حصہ لیا۔ خود ان کے والد گرامی ملک عطا محمد چھینہ نے جو بی ڈی ممبر تھے۔ صدارتی الیکشن میں مادرِ ملت کو ووٹ دیا جس کی پاداش میں ان پر عتاب نازل ہوا۔ اور ان پر جھوٹے مقدمات بنائے گئے۔

۱۹۷۹ء کے بلدیاتی انتخاب میں ملک موصوف نے اپنے دو حریفوں کو اڑھائی ہزار ووٹوں کی برتری سے شکست دی اور ممبر ڈسٹرکٹ کونسل میانوالی منتخب ہو گئے۔ بعد ازاں اپنے ذاتی اثر و رسوخ سے ۲۲ میں سے ۱۳ ووٹوں کی اکثریت سے چیئرمین شپ کا انتخاب جیتا۔ آپ علاقہ تھل کے بہت بڑے جاگیردار ہیں۔ دولتانہ۔ ایوب خان اور بھٹو دور کی زرعی اصلاحات میں ان کے خاندان کو کم و بیش ایک لاکھ کنال اراضی

سے محروم ہونا پڑا۔ ضلعی سیاست میں جناب چھینہ کا تعلق روکھڑی گروپ سے ہے لیکن بقول خود وہ اندھے مقلد نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب امیر عبداللہ خان روکھڑی نے اپنے ایک ہزار حلیفوں کے ساتھ پیپلز پارٹی میں شمولیت اختیار کی تو ان کا نام اس فہرست میں نہیں تھا۔

بھکر تحصیل کو ضلع کا درجہ دلانے کے لئے بھرپور کوشش کی۔ بحیثیت چیئرمین ضلع کونسل متفقہ قرارداد سے بھکر کو ضلع بنانے کے لئے منظورہ کرائی۔ نیز گورنر پنجاب جنرل غلام جیلانی خان کو میانوالی کے دورہ کے موقع پر بھکر کو ضلع کا درجہ دینے کا مطالبہ کیا۔

الحاج امان اللہ خان شہانی بھکر شہانی خاندان کا شمار ضلع بھکر کے چیدہ چیدہ اور بڑے زمیندار گھرانوں میں ہوتا ہے۔ اپنے خاندانی پس منظر اور ضلع بھکر کی روایتی گروہی سیاست کی بنا پر اس خاندان کا یہاں کی سیاست میں شروع ہی سے گہرا عمل دخل رہا ہے۔ خان امان اللہ خان شہانی اس خاندان کے پہلے فرد ہیں جنھوں نے سیاسی میدان میں نام پایا۔ صدر ایوب خان کے دور حکومت میں مسلسل دس سال تک مغربی پاکستان اسمبلی کے ممبر رہے۔ حزب اقتدار سے وابستگی اور علاقہ میں اپنے خاندانی اثر و رسوخ کی بنا پر مقامی سیاست پر ان کی بالادستی رہی۔ سنہ ۱۹۷۰ء کے انتخاب میں اگرچہ وہ اسمبلی کے ممبر تو منتخب نہ ہو سکے۔ تاہم ضلع بھکر کی گروہی سیاست میں ایک دھڑے کے سربراہ ہونے کے ناطے سے اُن کی سیاسی حیثیت مسلم رہی ہے۔

حالیہ بلدیاتی الیکشن میں شہانی گروپ نے نمایاں کامیابیاں حاصل کیں لیکن مخالف دھڑے نوانی گروپ نے سیاسی جوڑ توڑ سے انھیں شکست سے دوچار کر دیا۔ ضلعی سطح پر شہانی گروپ جیتی ہوئی بازی ہار گیا اور ان کے پرانے ساتھی ساتھ چھوڑ کر نوانی گروپ سے جا ملے۔ اس طرح شہانی گروپ کی سیاسی ساکھ کو زبردست دھچکا لگا۔ اب یہ گروپ اپنی سابقہ غلطیوں کا ازالہ کرنے میں سرگرم عمل ہے لیکن ۱۹۸۵ء کے غیر جماعتی بنیادوں پر ہونے والے قومی اسمبلی کے الیکشن میں نوانی گروپ کو بھاری اکثریت سے شکست دے کر کامیاب ہوئے۔

خان رشید اکبر خان نوانی بھکر ضلع بھکر کی ممتاز شخصیات اور سیاسی گھرانوں کے تذکرہ میں نوانی خاندان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ مرحوم کیپٹن احمد نواز خان نوانی ضلع بھکر کی سیاست میں ایک مضبوط سیاسی قوت کی علامت سمجھے جاتے تھے۔ وہ ایک دھڑے کے سربراہ کی حیثیت سے خاصے اثر و رسوخ کے مالک تھے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے دھڑے کی سربراہی ایک ۳۰ سالہ نوجوان خان رشید اکبر خان نوانی کے حصے میں آئی۔ رشید اکبر خان، مرحوم خان احمد نواز خان کے بھتیجے بھی ہیں اور ان کے سیاسی جانشین بھی۔ ۲۸ ستمبر ۱۹۸۳ء کے حالیہ بلدیاتی انتخاب میں نوانی گروپ دو ووٹوں کی کمی پر شکست سے دوچار تھا لیکن

رشید اکبر خان نے کمال دانش مندی اور فہم و فراست کا ثبوت دیا اور سیاسی جوڑ توڑ کر کے شہانی گروپ کا سیاسی شیرازہ بکھیر دیا۔ اور ڈسٹرکٹ کونسل بھکر کی چیئرمین کا انتخاب بلا مقابلہ جیت کر اپنے مخالفین کو حیران و ششدر کر دیا۔ یہ ان کی سیاسی سوجھ بوجھ اور ان تھک کوششوں کا نتیجہ تھا۔ آپ انتہائی وضعدار انسان ہیں۔ سیاسی اور سماجی کاموں میں گہری دلچسپی لیتے ہیں۔ بھکر کو ضلع کا درجہ دلانے میں ان کا بڑا حصہ ہے۔

ملک ملازم حسین بھنڈوال رئیس لڈا تھل — آپ کا تعلق تحصیل منکیرہ کی مشہور قوم بھنڈوال سے ہے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے آبائی گاؤں لڈے والا میں (جو ریگزار تھل کے قلب میں واقع ہے) حاصل کی۔ پھر ایف اے تک بھکر میں زیر تعلیم رہے۔ بی اے گورنمنٹ کالج جھنگ سے کیا۔ اور ایل ایل بی کی ڈگری گورنمنٹ کالج لاہور سے حاصل کی۔ اپنے آباؤ اجداد کے پیشہ فوج سے ہٹ کر اپنے لئے پیشہ وکالت منتخب کیا اور وکالت کا آغاز بھکر سے کیا۔ تحصیل منکیرہ بننے کے بعد یہاں وکالت شروع کی پھر مسلسل تین سال تک بلا مقابلہ بار ایسوسی ایشن منکیرہ کے پہلے صدر بھی رہے۔

سماجی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ تحصیل کرائمز کنٹرول کمیٹی، تحصیل اصلاح معاشرہ کمیٹی اور انسداد منشیات کمیٹی کے ممبر ہیں۔ اپنے علاقہ کے کونسلر اور نہایت ہی ہر دل عزیز شخصیت ہیں۔ آپ کی زیادہ تر دلچسپیاں اصلاحی معاملات اور سماجی مسائل کے ساتھ ہیں۔ علاوہ ازیں سربلند اسلامی ادبی مجلس کے سرگرم رکن ہیں۔ "تاریخ منکیرہ" کی اشاعت کے لئے "سربلند اسلامی ادبی مجلس" نے جو سب کمیٹی تشکیل دی ہے۔ ملک صاحب اس کے صدر ہیں۔ یہ تمام تر مقام ان کی جد و جہد اور پرکشش شخصیت کا ثمرہ ہے کہ علاقہ تھل کے سیاست دانوں میں وہ قابلِ رشک ہیں اور ان کی شخصیت پر یہ شعر صادق آتا ہے۔

ؔ ہم خود تراشتے ہیں منازل کے سنگِ راہ
ہم وہ نہیں کہ جن کو زمانہ بنا گیا

حاجی نور الدین امیر جماعت اسلامی تحصیل منکیرہ — آپ جنوری ۱۹۲۹ء میں بمقام چکڑالہ ضلع میانوالی کے ایک متوسط گھرانے میں پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ ہائی سکول چکڑالہ سے میٹرک کا امتحان پاس کر کے ۱۹۲۳ء میں رائل انڈین نیوی میں بھرتی ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد انڈین نیوی کے جہاز ایچ، ایم، ایس کلکتہ کو خیر باد کہہ کے اپنی خدمات پاکستان نیوی میں پیش کیں اور کراچی کو اپنا مستقر بنایا پھر استحکام پاکستان کی خاطر سنگاپور سے بلغاریہ تک تمام اسلامی ممالک سے پاکستان نیوی کو متعارف کرایا۔ دورانِ سفر طغرل نامی جہاز میں حج کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے پھر ۱۹۵۵ء میں معدے کے مرض سے میڈیکل بورڈ ہوئے اور سروس چھوڑ کر مستقل طور پر منکیرہ میں اپنی زرخرید زمینوں پر آباد ہوئے۔ پھر چھوٹی سی دکان بنا کر تجارت کو فروغ دیا۔

۱۹۷۰ء میں جماعت اسلامی پاکستان سے منسلک ہوئے پھر ۱۹۷۸ء سے باقاعدہ طور پر جماعت کے

رکن بن کر جماعت اسلامی تحصیل منکیرہ کے امیر چلے آرہے ہیں۔ ۱۹۷۷ء کی تحریک نظام مصطفےٰ میں بحیثیت نائب صدر کے حصہ لیا، پھر تحصیل بناؤ کمیٹی منکیرہ میں بطور جنرل سیکرٹری کے کام کیا۔ سماجی اور فلاحی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ صاحب موصوف اب بھی فلاحی کمیٹی منکیرہ اور انجمن تاجران کے صدر ہیں۔ نہایت خندہ رو اور ہنس مکھ ہیں۔ نماز روزہ پابندی سے ادا کرتے ہیں۔ غریبوں اور بیکسوں کی امداد کرنا۔ ان کا شعار ہے۔ آپ ہمیشہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تبلیغ زور روں سے کرتے ہیں۔

شہر و قصبات

منکیرہ ۵۴۰ قبل مسیح میں ملوئی قوم کے ایک راجہ مل کھیڑہ نے مل کھیڑ کوٹ کے نام سے ایک قلعہ تعمیر کرایا۔ جسے عرب مورخین مالکیر کوٹ بولتے تھے جو بعد میں منکیرہ نام سے مشہور ہوا۔ محمد بن قاسم کے جرنیل ابوالاسود جہم بن زحر ثقفی نے اسے فتح کر کے حکومت سندھ میں شامل کیا۔ اس کے بعد ۱۸۲۱ء تک ریاست کا صدر مقام رہا۔ سکھوں اور انگریزوں نے اس کی تہذیب و تمدن کو مٹانے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی لیکن اب تحصیل ہیڈ کوارٹر بن جانے سے یہ شہر ترقی پذیر ہے۔ دو آئس فیکٹریاں قائم ہو چکی ہیں تحصیل کی ضروریات کے لئے عمارات بن چکی ہیں۔ کالج اور ہسپتال کی عمارات زیر تعمیر ہیں۔

حیدر آباد اس شہر کا قدیم نام امرانی ہے۔ جسکانی عہد حکومت میں حیدر خان بلوچ نے اپنے نام سے حیدر آباد رکھا۔ تحصیل منکیرہ کا دوسرا بڑا بارونق شہر ہے۔ منکیرہ کی طرح قدیم قصبہ ہے۔ اس شہر کو ۹۹ء میں میکن قوم نے آباد کیا اور اس کا نام قلعہ امرانی رکھا۔ بچوں کے لئے ہائی سکول بھی ہے۔ اس کے علاوہ دفتر یونین کونسل، بچیوں کا مڈل سکول، سول ڈسپنسری اور پولیس چوکی ہے۔ حال ہی میں اسے تھانہ کا درجہ دیا گیا ہے۔

ماہنی ۱۱۳۲ھ میں رائے سیال کے لڑکے ماہنی نے علاقہ تھل میں اپنے نام پر کوٹ ماہنی کی بنیاد رکھی۔ یہاں یونین کونسل کے دفتر کے علاوہ لڑکوں کا ہائی سکول بھی ہے۔ اب یہاں بھڈوال قوم آباد ہے۔ ملک جاوید اکبر اس علاقہ کی نامور سیاسی شخصیت ہیں۔

ڈھنگانہ ماہنی سیالوں میں ایک موڈو گانہ سیال ہو گزرا ہے۔ اس نے ۱۲۸۲ھ میں رئیس اول نواب مل خان حاکم جھنگ کے عہد حکومت میں اس شہر کی بنیاد رکھی اور قلعہ تعمیر کرایا جو قلعہ ڈھنگانہ کے نام سے مشہور ہوا۔ دوسری قوموں کے علاوہ ہمتی اور گھلو بکثرت آباد ہیں۔ یہاں کے مڈل سکول کو اب ہائی کا درجہ دیا جا رہا ہے۔

گوہر والا جسکانی بلوچوں کے عہد حکومت میں یہ علاقہ گوہر خان بلوچ کی جاگیر میں تھا۔ اس نے ۱۱۱۰ھ میں یہ شہر بسایا اور اپنے نام کی نسبت سے اس قصبے کا نام گوہر والا رکھا۔ اب اس شہر کو چاروں طرف پختہ سڑکوں سے ملایا گیا ہے۔ اس قصبے کی رونق خاصی بڑھ گئی ہے۔ یہاں بچوں کا ہائی سکول بھی ہے۔

ڈلّے والا ۱۶۶۷ء بمطابق ۱۰۸۰ھ میں عبداللہ خان میرانی نے اس قصبہ کی بنیاد رکھی اور اپنے نام پر اس کا نام کوٹ عبداللہ خان رکھا جو مرورِ زمانہ سے بگڑ کر ڈلے والا مشہور ہوا۔ عبداللہ خان میرانی چونکہ بلوچ خان اول کا داماد تھا اس لئے بلوچ خان اول نے دلیوالا کی جاگیر اسے عطا کی۔ یہاں بچوں کا ہائی سکول، ڈسپنسری، پولیس چوکی بھی قائم ہے۔

مرشد آباد اس قصبہ کا پرانا نام جھجوں تھا۔ پیر گل حسن صاحب پنوار نے اسے اپنا مسکن بنایا تو اس کا نام مرشد آباد پڑ گیا۔ آپ کا مزارِ پُرانوار اسی قصبہ میں ہے۔

لتن منکیرہ سے ۱۵ کلومیٹر شمال میں واقع ہے۔ یہاں ایک بڑی دینی درسگاہ بھی ہے۔ یونین کونسل کا دفتر ہے۔ بچوں کے لئے ہائی سکول ہے۔ لنک روڈ کے ذریعہ منکیرہ اور گوہر والا سے ملا ہوا ہے۔ منکیرہ کو تحصیل کا درجہ ملنے سے اس کی رونق بڑھ گئی ہے۔ دیگر قوموں کے علاوہ گورا ہے، کھنے اور چدھڑ آباد ہیں۔

کپاھی منکیرہ سے انتہائی شمال مشرق میں پچاس کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ بچوں کے لئے ہائی سکول بھی ہے۔ آبادی خاصی ہے۔ پر رونق قصبہ ہے اور ترقی پذیر ہے۔ لوگ حصولِ علم کی طرف راغب ہیں۔

کارلُو والا آج سے دو سو سال پہلے ملک بارُو خان بھڈوال نے نواب سربلند خان کی اجازت سے قلعہ تعمیر کرایا جو کوٹ کارلو والا کے نام سے مشہور رہوا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہدِ حکومت میں سردار پردھان سنگھ اور ملک بارُو خان بھڈوال کے درمیان زور آزمائی ہوئی جس میں پردھان سنگھ مارا گیا۔ بارُو خان کو اس بہادری کے صلہ میں پردھان سنگھ کی ماں نے طلائی کنگنوں کا جوڑا دیا۔ یہاں بھڈوال قوم آباد ہے۔

بھڈوال والا یہ قصبہ حیدر آباد تھل سے ۲۵ کلومیٹر دور شمال مشرق میں واقع ہے۔ بھڈوال قوم آباد ہے۔ جنگِ عظیم دوم میں اس قوم کے ستّر جوان جنگ میں مارے گئے۔ چنانچہ یہاں انگریز حکومت نے ان جوانوں کے ناموں کا کتبہ لگا رکھا ہے۔

کروڑ لعل عیسن زمانہ قبل مسیح میں بھٹی راجپوتوں میں سے ایک راجہ کہیر گزرا ہے جس نے اپنے نام پر کہیر کوٹ کا شہر بسایا۔ مرورِ زمانہ سے یہ شہر کہیر کوٹ سے بدل کر کوٹ کروڑ بن گیا۔ مخدوم لعل عیسن صاحب کی وجہ سے کروڑ لعل عیسن مشہور ہوا۔ مخدوم لعل عیسن صاحب کا دربارِ پُرانوار اسی شہر میں ہے۔ اب اسے تحصیل کا درجہ مل چکا ہے۔

نوتک : میر بلوچ خان اول نواب منکیرہ اور شہنشاہ ہند اورنگزیب عالمگیر کے عہدِ حکومت میں احمد خان نتکانی بلوچ نے قلعہ نتکانی کی بنیاد رکھی۔ بعد میں یہ قلعہ نوتک کے نام سے مشہور ہوا۔ تحصیل بھکر کا نہایت بارونق قصبہ ہے اور آبادی کثیر ہے۔

کراڑی کوٹ جسکانی بلوچوں میں ایک بلوچ سردار کا ایک کراڑی سے معاشقہ تھا۔ اپنی محبوبہ کی فرمائش پر قلعہ کراڑی کوٹ تعمیر کرایا۔ یہ قصبہ آج تک اسی نام سے مشہور ہے۔ یہاں یونین کونسل کا دفتر اور ہائی سکول بھی ہے۔

نواں کوٹ منکیرہ سے ۲۵ کلومیٹر دور تحصیل چوبارہ ضلع لیہ کا معروف قدیم قصبہ ہے۔ ہائی سکول بھی ہے۔ گرڈ سب سٹیشن ۶۶ کے وی قائم کیا جا رہا ہے۔ یہ قلعہ جسکانی بلوچوں کی یادگار ہے۔ سڑکوں کے ذریعے تمام علاقہ تھل سے ملایا جا رہا ہے۔ اسی قصبہ کے نزدیک حمید توبھر میں تیل کا چشمہ دریافت ہوا ہے۔

چوبارہ اب ضلع لیہ کی نوزائیدہ تحصیل ہے۔ یہاں پرانا قلعہ ہے اور سرگانی بلوچوں کی تعمیر ہے۔ ہائی سکول اور گرڈ سب سٹیشن بھی ہے۔ اسے بذریعہ ۶۶ کے وی لائن کے ذریعے گرڈ سٹیشن منکیرہ سے ملایا گیا ہے۔ اس کے گرد و نواح میں سڑکوں کا جال بچھایا جا رہا ہے۔

لیہ نواب چاکر خان کے بیٹے نواب کمال خان نے ۹۵۹ھ/۱۵۵۰ء میں ایک قلعہ تعمیر کیا جو کوٹ کمال خان سے موسوم ہوا۔ پھر کوٹ کمالیہ سے شہرت پائی۔ مرورِ زمانہ سے کما کا لفظ حذف ہو گیا اور لیہ رہ گیا۔ جولائی ۸۲ء سے ضلع کا درجہ دیا گیا ہے۔ یہاں کالجوں کی تعداد کافی ہے۔ تعلیمی میدان میں دیگر علاقوں سے بہت آگے ہے۔

کوٹ ادو میر چاکر خان میرانی کے لڑکے نواب ادو خان نے ایک قلعہ تعمیر کرایا جو کوٹ ادو کے نام سے مشہور ہوا۔ سابق گورنر پنجاب غلام مصطفےٰ کھر اسی شہر کا رہنے والا تھا۔ تجارتی شہر ہے۔ ترقی پذیر ہے۔ یہاں بہت بڑی آئل ریفائنری ہے۔

کوٹ سلطان یہ شہر بھی نواب چاکر خان میرانی کے لڑکے سلطان خان نے آباد کیا۔ مشہور تاریخی شہر ہے۔

نوشہرہ نواب چاکر خان میرانی کے لڑکے نواب نوشیر خان نے اپنے نام پر نوشہرہ کا شہر آباد کیا۔ یہ شہر تحصیل کوٹ ادو میں واقع ہے۔

بھکر قدیم قصبہ ہے۔ ۱۹۸۲ء میں ضلع کا درجہ مل چکا ہے۔ قدیم شہر دریائے سندھ کی طغیانی سے بہہ کر نیا شہر دریائے سندھ کے مشرقی کنارے آباد ہوا ہے۔ مراثیوں کے مرتب کردہ شجروں کے مطابق اس شہر کو بھکو خان ہوت نے بسایا تھا۔ نصرت خان جسکانی اس کے آخری تاجدار تھے جسے ڈیرہ کے نواب نصرت خان ہوت نے شکست دی۔ ضلعی صدر مقام ہونے کے باعث یہ شہر دن دگنی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔ یہاں بابر بادشاہ کی لڑکی گلبدن بیگم نے دل کشا نام کا باغ لگوایا جو اب بھی اسی نام سے مشہور ہے اور کچھ عمارتیں بھی بنوائیں جو کہ اب ناپید ہیں۔

دریا خان اس شہر کو بھی دریا خان ہوت نے دریائے سندھ کے مشرقی کنارے آباد کیا جو دریا خان
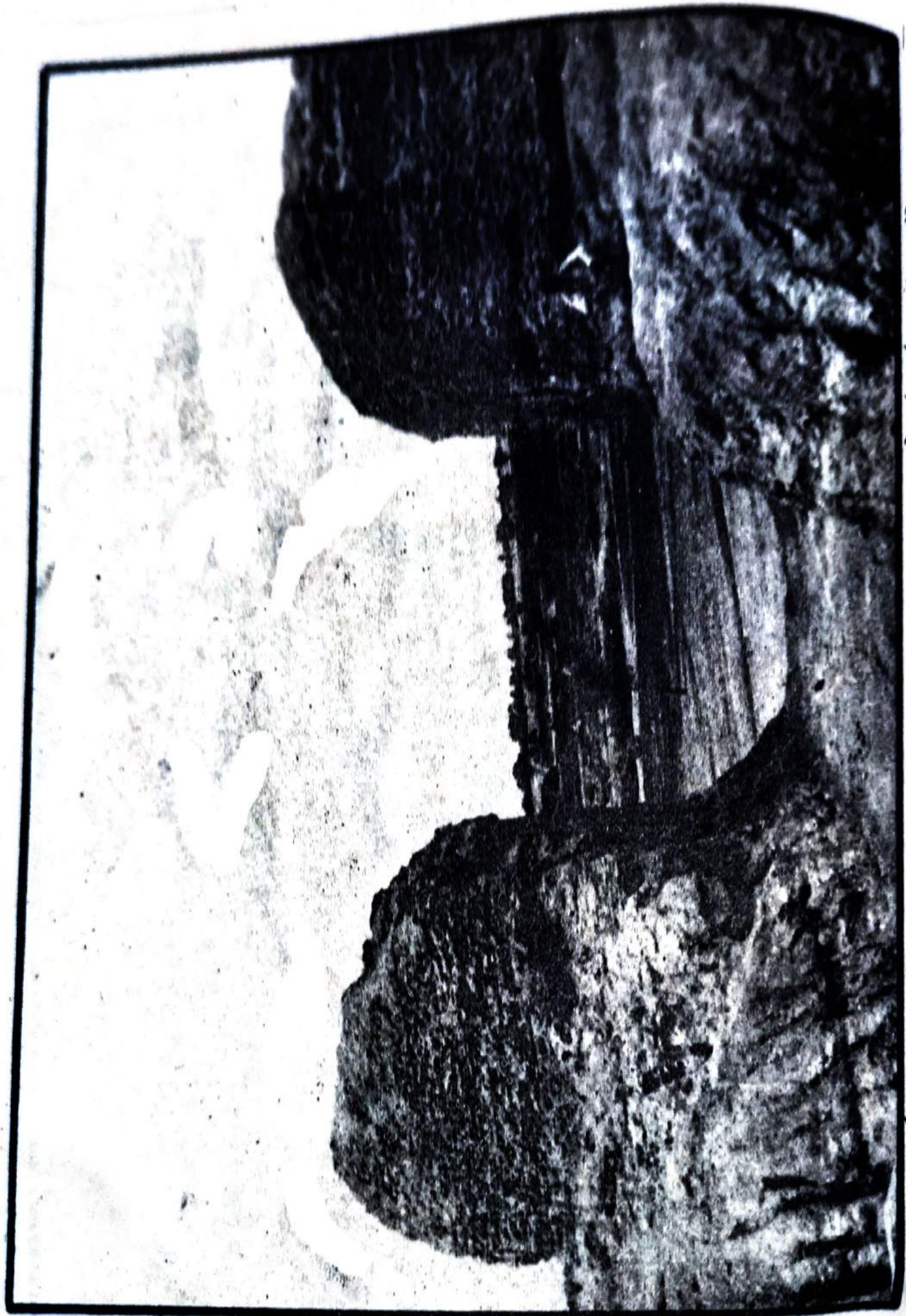
قلعہ عظیم منکیرہ کا شمال مغربی برج بیرونی منظر تعمیر قلعہ سنہ ۱۸۰۴ء ۱۲۱۹ھ
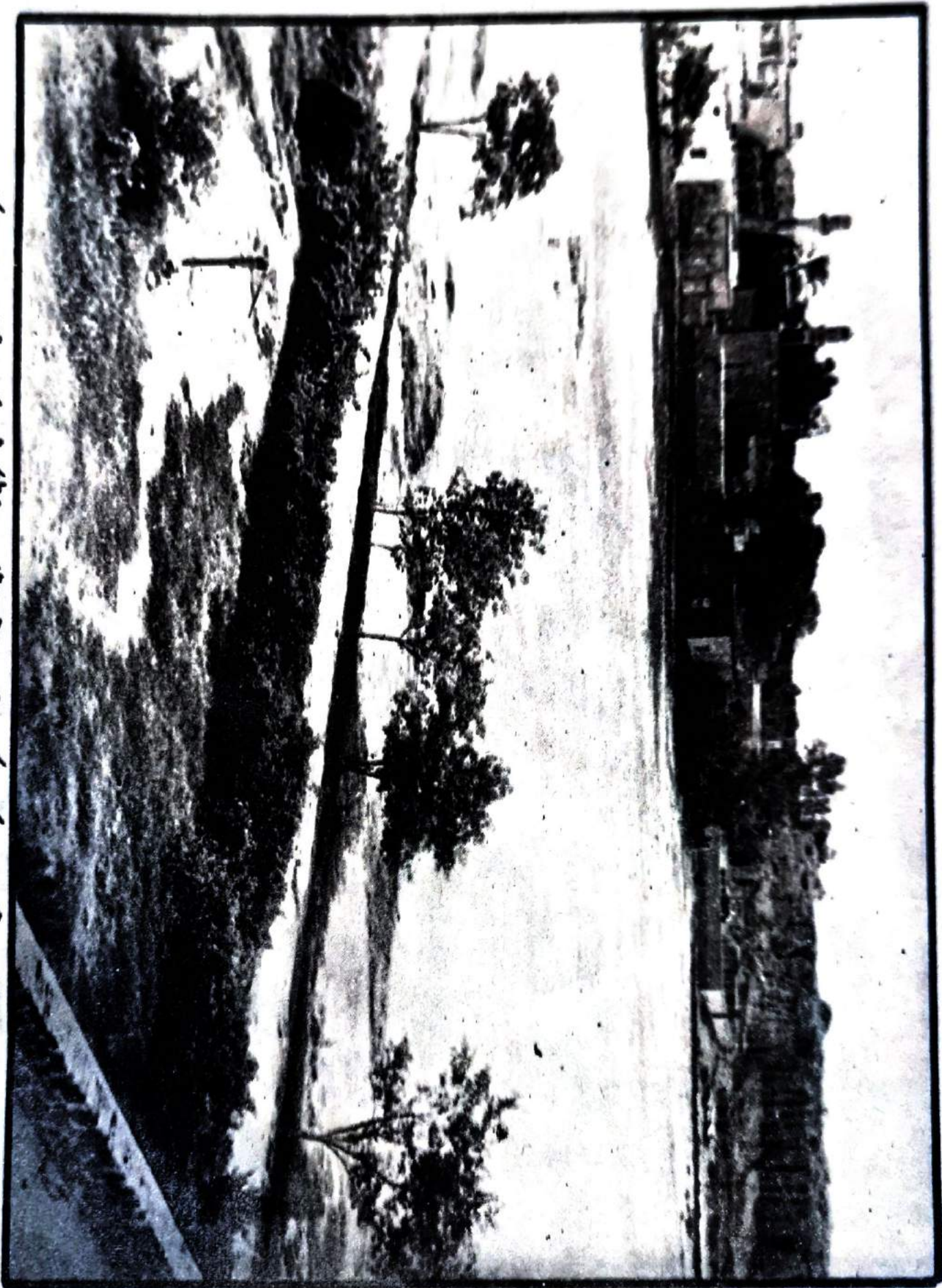
قلعہ عظیم منکیرہ کا اندرونی منظر   فوٹوگرافر: ملک ریاض حسین اعوان منکیرہ

سے نام سے مشہور ہوا۔ بڑا بارونق شہر ہے۔ ضلع بھکر کا دوسرا بڑا شہر ہے۔ ترقی پذیر ہے۔ یہاں تھانہ اور ہائی سکول بھی ہے۔

کلورکوٹ تحصیل ہیڈکوارٹر ہے۔ قدیم قصبہ ہے۔ جھنڈا سنگھ اور گنڈا سنگھ سکھ سرداروں نے اس شہر کو جو جسکانی عہد حکومت میں شامل تھا، یلغار کر کے تباہ و برباد کر دیا تھا۔ اب ضلع بھکر کی تحصیل ہے۔ خوبصورت اور بارونق قصبہ ہے۔ یہاں کے مالٹا کنوں کے باغات مشہور ہیں۔

گڑھ مہاراجہ ۱۰۵۸ھ/۱۶۴۸ء میں اورنگ زیب عالمگیر نے صوبہ ملتان کے دفاع کے لئے ایک قلعہ تعمیر کیا جس کا نام قہرگان رکھا۔ سکھ دورِ حکومت میں گڑھ مہاراجہ کے نام سے مشہور ہوا۔ اس قلعہ کی تعمیر سے صوبہ ملتان اور گرد و نواح کی ریاستیں بلوچوں کی شورشوں سے آزاد رہیں۔

فتح پور یہ شہر نہر تھل پراجیکٹ کے جاری ہونے کے بعد ۱۹۵۲ء میں آباد ہوا۔ نہایت خوبصورت غلہ منڈی اور ترقی پذیر شہر ہے۔

شیرگڑھ ۱۸۲۱ء میں شیر سنگھ نامی سکھ سردار نے اس قصبہ کو آباد کیا جو اب شیرگڑھ کے نام سے مشہور ہے۔ گل قوم آباد ہے۔ جو زراعت پیشہ ہے۔ سردار شیر سنگھ نے سادات اُچ گل امام کے روحانی پیشوا سید گل محمد شاہ نبیرہ کے دستِ حق پرست پر اسلام قبول کیا۔

کھیہو منکیرہ کے انتہائی شمال مشرق میں پچاس کلومیٹر دور علاقہ تھل میں واقع ہے۔ پنوار راجپوتوں کے ایک راجہ جیسل کے پوتے رائے کھیہو نے اسے آباد کیا۔ اس کی نسل آگے چل کر کھرل کہلائی۔ اب یہاں مختلف قومیں آباد ہیں۔ اکثریت بھڈوال قوم کی ہے۔

نورپور تھل تھل کا اہم تجارتی شہر ہے۔ جولائی ۱۹۸۲ء سے ضلع خوشاب کی تحصیل بنا ہے۔ یہاں انٹر کالج بن رہا ہے۔ تحصیل ہیڈکوارٹر ہسپتال کے علاوہ دیگر دفتری عمارتیں زیر تعمیر ہیں۔ یہ شہر مغلیہ خاندان کے بادشاہ شاہجہان کے دور میں آباد ہوا۔ اور نورپور تھل کے نام سے مشہور ہوا۔ سکھوں کے عہدِ حکومت میں نورپور کا نام نورپور خالصہ رکھنے کی کوشش کی گئی لیکن مسلمانوں نے یہ کوشش ناکام بنا دی۔ ۱۸۴۹ء میں یہ علاقہ برطانیہ کے زیرِ نگیں آگیا اور ۱۸۶۵ء میں اس کا قانونی بندوبست ڈپٹی کمشنر کپتان ڈیوس کے سپرد ہوا تو شہر کی رونق بڑھ گئی۔

پٹی بلند یہ قصبہ منکیرہ سے دس کلومیٹر دور جنوب میں واقع ہے۔ رابطہ سڑک کے ذریعے منکیرہ سے ملا ہوا ہے۔ بچوں کے لیے ہائی سکول بھی زیرِ تعمیر ہے۔ اس کا قدیم نام پٹی سربلند خان تھا۔ یہ علاقہ نواب صاحب کے گھوڑوں کیلئے بطور چراگاہ مخصوص تھا۔ یہاں چھینے، تھند، بڑھئی، کمہار اور لوہار وغیرہ آباد ہیں۔

قومیں اور قبائل

جاٹ لالہ لاجپت رائے کی تاریخ ہندوستان کے مطابق جاٹ قوم اصل میں ترکمانی نسل کے چینی ہیں جو یوچی اور کشاں کے زمانے میں ہندوستانی آکر آباد ہوئے۔ لیکن مصنف تاریخ ملتان نے جاٹ اور مید قبائل کو ایک ہی درخت کی دو شاخیں بتائی ہیں۔ جاٹ آریاؤں کے زمانے میں بھارت و پاکستان میں موجود تھے۔ ان کی مید شاخ لڑائی جھگڑے کی وجہ سے ہندوستان سے مشرق وسطیٰ کی طرف چلی گئی۔ جہاں وہ میڈیا کہلائی۔ ضلع بھکر میں جاٹوں کی متعدد شاخیں مختلف ناموں سے مشہور ہیں۔ مثلاً بھٹی۔ بھٹیہ۔ گوندل۔ گل۔ کھوکھر۔ لنگاہ۔ چدھڑ۔ جنجوعہ جوئیہ۔ اور ڈھڈی وغیرہ مقامی زبان میں کھیتی باڑی کرنے والوں کو بلا تخصیص جٹ کہا جاتا ہے۔

راجپوت راجپوت کی دو شاخیں ہیں۔ ایک کا تعلق خالص کھشتریوں سے ہے اور دوسری شاخ راجستھان میں رہائش کی وجہ سے راجپوت کہلاتی ہے۔ بھٹی راجپوتوں کا موقف ہے کہ وہ علاقہ بھٹنیر راجپوتانہ سے اٹھ کر ضلع بھکر اور پنجاب کے دوسرے اضلاع میں آباد ہوئے۔ منکیرہ کے حجام اور کمہار اپنے کو انھی بھٹی راجپوتوں کی نسل بتاتے ہیں۔ کیولا بن منگل راؤ بن بھٹی کی اولاد نے نائی اور کمہار کا پیشہ اختیار کیا۔

آرائیں یہ ایک زراعت پیشہ قوم تصور ہوتی ہے۔ بعض مورخ انھیں آرین نسل سے تعبیر کرتے ہیں اور بعض کا خیال ہے کہ ان کے آبا و اجداد محمد بن قاسم کے حملۂ سندھ کے وقت عرب سے آئے تھے۔ چونکہ عرب میں ریوڑ پالنے اور چرانے والوں کو الراعی کہا جاتا ہے لہٰذا گمان اغلب ہے کہ عرب چرواہے برصغیر میں داخل ہوئے تو مقامی زبان کی وجہ سے الراعی کی بجائے خود کو آرائیں لکھوانا شروع کیا ہو۔ ضلع بھکر میں آرائیں کافی تعداد میں موجود ہیں اور کھیتی باڑی کرتے ہیں۔

نول ۱۸۸۴ء کے جھنگ گزیٹیر کے مطابق بیکانیر کا ایک راجہ دھان تھا جو اپنے مخالفین سے شکست کھا کر اپنے بیوی بچوں سمیت جھنگ پہنچا۔ جھنگ کے برہمن حکمران نے راجہ دھان کو سیاسی پناہ دی اور مستقل رہائش کے لئے کچھ اراضی عطا کی۔ اسی راجہ دھان کے ایک لڑکے کا نام نول تھا۔ ان کی اولاد آگے چل کر نول کہلائی۔ اس قبیلہ کا پہلا سردار لوڈر تھا جو ۱۲۰۶ء میں جھنگ کی نول حکومت کا بانی ہوا اور اسلام قبول کیا۔ اس خاندان کی حکومت کو ستمبر ۱۴۶۲ء میں مل خان سیال نے ختم کیا۔ یہ لوگ کاشت کاری اور گلہ بانی میں ماہر ہیں۔ یہ لوگ الھڑ مزاج اور جوشیلے واقع ہوئے ہیں۔ تحصیل منکیرہ ضلع بھکر میں بکثرت آباد ہیں۔

کھوکھر ہمارے ہاں کھوکھروں کی تین شاخیں ہیں۔ ۱) جاٹ کھوکھر ۲) راجپوت کھوکھر ۳) قطب شاہی کھوکھر

یہ قوم محمد بن قاسم کے ساتھ سندھ میں وارد ہوئی۔ موجودہ دور میں کھوکھروں نے جو تاریخ مرتب
کی ہے اس کے مطابق وہ اپنا نسلی و نسبی تعلق قطب شاہ سے ملاتے ہیں۔ چوہان۔ اعوان۔ کانگان۔ کھکھر
اور کھوکھر ایک ہی شاخ سے تعلق رکھتے ہیں اور پانچوں قطب شاہ کی اولاد ہیں۔ ان میں سب سے بڑے
لڑکے تموکھر نے سندھ میں کھوکھرا پار کا شہر آباد کیا۔ ان میں اکثریت کا پیشہ۔ نجاری، معماری اور کپڑا بافی
ہے۔ بعض لوگ اچھے خاصے زمیندار ہیں۔ جھنگ اور خوشاب کے علاقوں میں یہ قوم صدیوں حکمران رہی۔
یہ ایک جنگجو قوم ہے۔ شہاب الدین محمد غوری کو اسی قوم کے ایک فرد نے قتل کیا تھا۔

چدھڑ یہ راجپوتوں کی سورج بنسی خاندان کی ایک شاخ ہے۔ ان کی نسل راجہ کش سورج بنسی سے چلی۔
محمد غوری کے زمانے میں یہ قبیلہ راجپوتانہ سے بہاولپور روانہ ہوا۔ جہاں اوچ کے سید پیر جلال الدین
شاہ بخاری کے ہاتھوں مسلمان ہوئے۔ ایک دوسری روایت کے مطابق یہ چندر گپت موریہ کے خاندان سے
ہیں۔ اصل میں چندر کہلاتے تھے۔ مقامی زبان میں یہ لفظ بگڑ کر چدھڑ بن گیا۔ کسی زمانہ میں یہ چنیوٹ
کے حکمران بھی رہے ہیں۔

بلوچ یہ قوم ساڑھے تین سو سال تک ریاست منکیرہ اور اس کے گرد و نواح کے علاقوں پر حکمران
رہی۔ کچھ بلوچوں کا دعویٰ ہے۔ کہ وہ حضرت امیر حمزہ کی اولاد سے ہیں لیکن تاریخ
تمدن عرب کا مولّف ان کے بارے میں لکھتا ہے کہ یہ لوگ عراق کے علاقہ حلب میں وادی البلوص سے
ہجرت کر کے ایران آئے۔ اور بلوچ مشہور ہوئے کیونکہ عربی زبان میں چ کا حرف نہیں۔ اس لیے عرب
چ کا کام ص سے لیتے ہیں جیسے چین سے صین وغیرہ ان کی کئی شاخیں ہیں جو ملک کے مختلف حصوں میں
پھیلی ہوئی ہیں۔ مثلاً ہوت۔ دودائی۔ رند۔ کلھوڑہ۔ چانڈیہ۔ جسکانی۔

سیّد ہمارے علاقہ تھل میں خصوصاً سیدوں کو دیگر قوموں اور قبیلوں کی نسبت زیادہ عزت و احترام
سے دیکھا جاتا ہے۔ خواہ ان میں کچھ لوگ کیسے ہی کیوں نہ ہوں۔ منکیرہ ضلع بھکر میں نقوی۔ بخاری۔ گیلانی،
بھاکری اور شیرازی سیّد آباد ہیں۔

جنجوعہ یہ قبیلہ جاٹ راجپوتوں کی ایک شاخ ہے۔ صدیوں قبل علاقہ کوہستان چنیوٹ
اور خوشاب پر حکمران رہے۔ بابا فرید الدین گنج شکر کے دست حق پرست پر مسلمان ہوئے۔ مسلمان ہونے سے قبل
اور بعد ان کی کھوکھروں سے سیاسی دشمنی چلتی رہی۔ ضلع بھکر میں یہ لوگ نہایت کم تعداد میں آباد ہیں۔

جوتے یہ خود کو راجپوتوں کی شاخ منہاس سے تصوّر کرتے ہیں جو کشمیر میں آباد تھے۔ ولی داد خان سیال
کے عہد میں جھنگ آئے پھر ضلع لیہ اور بھکر کے علاقوں میں آباد ہو گئے۔ اور ان کا سردار اللہ یار جوتہ تھا۔

جسے ولی داد خان سیال نے جاگیر دی تھی۔ یہ لوگ محنتی اور کاشت کار ہیں۔ ان میں پیر محمد عبداللہ عرف پیر بارو
کی شخصیت قابلِ ذکر ہے۔

قریشی: یہ لوگ عرب سے آئے اور پنجاب کے مختلف علاقوں میں آباد ہو گئے۔ سیدوں کی طرح ان
قریشیوں کی بھی پیری مریدی چلتی ہے۔ منکیرہ کے قریشی حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی کی اولاد بتاتے ہیں۔
علاقہ تھل میں پیر لعل عیسن صاحب کروڑ کا مزارِ پُر انوار قابلِ ذکر ہے۔

ڈھڈی راجپوت راجپوتوں کی شاخ ڈھڈی سے تعلق رکھتے ہیں۔ بابا فریدالدین گنج شکر کے دور میں
مسلمان ہوئے۔ پھر نواب منکیرہ سربلند خان کے عہدِ حکومت میں دیوان چاولی مشائخ ملتان سے ہجرت کر کے
علاقہ تھل منکیرہ میں آباد ہو گئے۔ ان میں بہادر خان ڈھڈی نواب منکیرہ کی فوج میں اونٹ لشکر کا سالار
تھا۔ ان کی اولاد میں سیف اللہ خان ولد امیر محمد ڈھڈی مشہور ہیں۔

میکن راجپوت شجرہ نسب کی رو سے میکن راجپوت اور ڈھڈی راجپوت قریبی رشتہ دار ہیں۔
یہ قوم پانچ سو سال علاقہ تھل منکیرہ پر حکمران رہی۔ آج کل اس قوم کے افراد ضلع سرگودھا خوشاب میں آباد ہیں،

لنگاہ راجپوت اُن کی قدیم حکومت ساحل مالابار پر کلیان متصل بمبئی میں قائم تھی۔ کسی زمانے
میں جیسلمیر میں آباد رہے۔ مگر آٹھ سو برس گزرے کہ بھٹی راجپوتوں نے انھیں وہاں سے نکال دیا۔ ۱۴۴۵ء
سے ۱۵۲۶ء تک اس قوم کے سردار ملتان پر حکمران رہے۔ ریاست کروڑ، منکیرہ، بھکر کا آخری حکمران
شہاب الدین لنگاہ تھا۔

کھچّی چوہان راجپوت ٹاڈ صاحب کی تحقیقات کی رو سے کھچی چوہان راجپوت کا زمانہ پہلی صدی
ہجری کے قریب پایا جاتا ہے۔ مانک رائے جسے ہم شمالی ہند کے چوہانوں کا مورثِ اعلیٰ تسلیم کرتے ہیں۔
اجمیر پر حکمران ہوا۔ اس کی بہت سی اولاد ہوئی جنھوں نے مغربی راجواڑہ میں اپنی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم
کر لیں جن کی حدود دریائے سندھ سے جا ملتی تھی۔ کھچیوں نے اپنی پہلی ریاست دریائے وہیت (جہلم) اور
دریائے سندھ کے دوآبہ ساگر میں قائم کی جن کا صدر مقام مالکھیڑ کوٹ (منکیرہ) تھا۔
اس قوم کے افراد کھچی کلاں علاقہ کچہ نشیب بھکر، کھچی خورد۔ ٹبی۔ کنیری۔ جھوک کھچی کے علاوہ اضلاع
دہاڑی۔ ملتان۔ فیصل آباد۔ سرگودھا اور ساہی وال میں آباد ہیں جنھوں نے حضرت بہاول الحق ذکریا ملتانی
کے دستِ حق پرست پر اسلام قبول کیا۔ محمد اقبال انور کھچی بھکر کے معروف شاعر اور متعدد ادبی و سماجی تنظیموں کے
عہدے دار ہیں۔

کھوجے یہ لوگ چوتھی صدی ہجری میں محمود غزنوی کے حملہ ملتان کے دوران مسلمان ہوئے۔ یہ لوگ دوار کا

جوناگڑھ ۔ منادور اور اجمیر وغیرہ کی تجارت پر قابض رہے ۔ ان نئے مسلمانوں کو اسماعیلی فرقہ کے پیشوا نے خوجہ کا نام دیا تھا ۔ لہذا تمام نو مسلم تاجر خود کو خوجہ لکھتے ہیں ۔ مگر اصل میں خوجے وہی کہلاتے ہیں جو اسماعیلی فرقے سے تعلق رکھتے ہیں ۔ باقی جس قدر ہندو تاجر مسلمان ہوئے وہ عموماً اپنے نام کے ساتھ شیخ یا خوجہ لکھتے ہیں ۔ یہ لفظ پنجاب کی مقامی زبان میں کھوجہ مشہور ہو گیا ۔ مسلمان ہونے کے باوجود یہ طبقہ مسلم معاشرہ میں پوری طرح جذب نہ ہو سکا ۔ انھوں نے انفرادی خصوصیات قائم رکھیں ۔ یہ خصوصیات دولت مندی ، تجارتی تجربہ اور سودی کاروبار کی حیثیت میں ملتی ہیں ۔ تاہم ان کا درجہ اسماعیلی کھوجوں سے کم تصور کیا گیا ہے ۔ منکیرہ کے علاوہ ضلع بھکر میں ان کی تعداد کافی ہے ۔

بھٹی راجپوت تاریخ ملتان کے مولف بال کشن کا خیال ہے کہ بھٹی نام کا ایک راجہ جیسلمیر کا حکمران تھا ۔ اس نے بلند شہر کو رونق عطا کی اور اس کی نسل راجپوت مشہور ہے جو جھنگ ، ملتان ، بھیرہ اور ضلع بھکر پر چار سو سال تک حکمران رہی اور اس کی اولاد ان علاقوں میں خوب پھیلی ۔ یہی مورخ لکھتا ہے کہ راجہ بھٹی کا ایک حقیقی بھائی چکتو تھا ۔ اس کی اولاد میں سے ایک راجہ کہیر تھا جو کہیر کوٹ یعنی کوٹ کروڑ کا بانی تھا ۔ اب یہ شہر کروڑ لعل عیسن صاحب کے نام سے مشہور ہے ۔

کھرل ان کا تعلق راجپوتوں کی ایک شاخ سے ہے ۔ یہ قبیلہ دیپال پور اور شور کوٹ کی ریاستوں پر حکمران تھا مگر ابھی تک مسلمان نہ ہوا تھا ۔ ان دنوں سید جلال الدین حسین مخدوم جہانیاں جہان گشت بن سید احمد کبیر شاہ بن شاہ جلال سرخ بخاری تبلیغ اسلام کے لئے برصغیر کے شہر بہ شہر اور قریہ قریہ گھوم رہے تھے ۔ ان کی روحانی شہرت و عظمت سن کر کھرلوں کے سربراہ نے ان کی خدمات میں حاضر ہو کر بخوشی اسلام قبول کیا ۔ یہ واقعہ ۱۳۷۸ء کا ہے ۔ حضرت مخدوم جہانیاں نے دیپالپور کے صوبیدار سے سفارش کی کہ ان کی جاگیر بحال رکھی جائے اور ان کو شاہی اعزازات اور مراعات سے نواز جائے ۔

اکیرے یہ جاٹوں کی ایک شاخ ہے ۔ نواب ولی داد خان کے عہد میں خضر خان اکیرہ کمالیہ کا گورنر تھا ۔ اس کی فوجی خدمات کے صلہ میں اس قبیلہ کو جھنگ میں اراضی دی گئی ۔ نہایت تیز طرار ، محنتی اور اچھے کاشتکار ہیں ۔ تحصیل منکیرہ میں ڈھنگانہ کے گرد و نواح میں پھیلے ہوئے ہیں ۔

کاٹھیہ یہ قدیم قبیلہ ہے ۔ ان کا ذکر سکندر اعظم کے حملہ شور کوٹ کے ضمن میں ملتا ہے ۔ ان کی آبادی شور کوٹ اور ساہیوال میں زیادہ ہے ۔ نواب عنایت اللہ خان سیال نے ان کی سپاہیانہ خدمات کے صلہ میں وسیع زرعی اراضی عطا کی ۔

بھڈوال قوم بھڈوال کا شجرہ نسب چغتائی مغلوں کی ایک شاخ سے جا ملتا ہے ۔ جو چنگیز خان کی اولاد ہیں ۔

آگے چل کر ان کا شجرہ نسب ترک بن یافث بن حضرت نوح علیہ السلام سے جا ملتا ہے۔ تمن بھٹوال کا مورث اعلیٰ مرزا افضل بیگ المعروف بھیڑو خان تھا جو کثرت بھیڑوں اور دنبوں سے مشہور ہوا۔ بعد میں رفتہ رفتہ اس کی قوم بھٹوال کے نام سے مشہور ہوئی۔ زمانہ قدیم سے بعض قومیں پیشوں کی وجہ سے مشہور ہوئیں جیسے اونٹ چرانے والے کو اُٹھوال۔ گھوڑے پالنے والے کو گھوڑیال اور بھیڑیں پالنے والے کو بھیڑوال کہتے ہیں یہی بھیڑیں پالنے والے بعد میں بھٹوال کہلائے۔ یہ قوم بہادر اور جنگجو ہے۔ زراعت پیشہ ہے۔ تعلیم کی طرف راغب ہے اور سیاسی امور سے گہری دلچسپی رکھتی ہے۔ تحصیل پھلیرو ضلع بھکر میں یہ قوم خاصی تعداد میں آباد ہے

وینس یونانی النسل قوم ہے سکندر اعظم کے ہمراہ ہندوستان آئے۔ ان میں بعض باتیں ایسی ہیں جو قدیم یونانی تہذیب کا حصہ تصور ہوتی ہیں۔ ان میں وینسوں کو فوجی قبیلہ تصور کیا جاتا ہے۔ بہت کم زراعت پیشہ ہیں۔ شیر گڑھ۔ دریولہ اور ماہنی میں بکثرت آباد ہیں۔

سواگ یہ قوم قطب شاہ کے لڑکے کھوکھر کی اولاد سے ہیں۔ اس قوم میں ایک بزرگ ہو گزرے ہیں جو شیر کی باگ پکڑ کر سواری کرتے تھے جسے سرائیکی میں شینہ واگ کہتے ہیں۔ یہی شینہ واگ کا لفظ بدل کر سواگ بنا۔ زراعت پیشہ قوم ہے۔ لیہ اور بھکر کے اضلاع میں بکثرت آباد ہے۔ خواجہ غلام حسن سواگ شریف بڑے باکمال بزرگ ہو گزرے ہیں جنہوں نے ساڑھے سات سو ہندوؤں اور سکھوں کو مسلمان کیا۔

چھینڈڑ یہ قوم ملتان سے نقل مکانی کر کے علاقہ تھل میں آباد ہوئی۔ ضلع لیہ اور ضلع بھکر میں بکثرت آباد ہے۔ زراعت پیشہ ہے۔ تعلیم کی طرف راغب ہے۔

مگسی یہ لاشاری قبیلہ کی ایک شاخ ہے۔ لاشاری قبیلہ چھ شاخوں میں منقسم ہے۔ ۱) مگسی ۲) مزاری ۳) جلبانی ۴) چانڈیہ ۵) پتش ۶) لانگو وغیرہ یہ لوگ ایرانی بلوچستان سے آکر علاقہ سبی میں آباد ہو گئے۔ یہاں لاشاریوں کے سردار میر گہرام خان اور رند سردار میر چاکر خان کے درمیان عرصہ ۳۰ سال تک جنگ و جدل رہا جس کی وجہ سے یہ لوگ ہجرت کر کے ضلع بھکر اور لیہ میں آباد ہو گئے۔

نکیس راجپوت قوم ہے ان کا تعلق چندر بنسی خاندان کی کسی شاخ سے ہے۔ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں مسلمان ہوئے۔ کچھ لوگ کاشت کار اور کچھ مزدور پیشہ ہیں۔ ماضی میں یہ لوگ بے علم تھے۔ اب اس قوم کے افراد حصولِ علم میں کوشاں ہیں۔

بُڑانی یہ جاٹ قوم ہے۔ جنگ ہو یا امن ان کے ذمہ اونٹوں سے بار برداری کا کام لینا تھا۔ یہ لوگ ہر وقت اپنے اونٹوں کو جنگ کے لئے تیار رکھتے تھے۔ گولہ بارود اور خوراک کی فراہمی ان کے فرائض میں شامل

تھی۔ اب ان کی اکثریت پارٹی کی طرف مائل ہیں اور زیادہ تر آن پڑھ ہیں۔ اب حصول علم کی طرف راغب ہیں۔ ماسٹر منظور حسین بڑانہ آف چاہ نینو والہ علاقہ تھل کی مشہور علمی ادبی شخصیت ہیں۔

کھلو یہ خاندان گہلوت راجپوتوں کی ایک شاخ ہے۔ یہ قوم تیز طرار اور خود غرض ہے۔ حصول علم کی طرف راغب ہے۔ اس قوم میں غلام حیدر کھلو ایس پی کی شخصیت نمایاں ہے۔

ٹانوری افرادی قوت کے لحاظ سے بڑی قوم ہے لیکن بلحاظ کردار پس ماندہ اور جھگڑالو ہے۔

جھمٹ راجپوت قوم ہے۔ علاقہ تھل کی بڑی جاگیر دار ہے۔ ملک فتح شیر جھمٹ عظیم مسلم لیگی لیڈر اور قائد اعظم محمد علی جناح کے رفیق کار تھے اور اس کے لڑکے ملک اورنگ جھمٹ ملکی سیاست میں بڑا اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔

اعوان عظیم قبیلہ ہے۔ خصوصی طور پر مذہب اسلام کا پیروکار ہے۔ ان کی اکثریت کوہستان نمک میں آباد ہے جسے وہ اپنی ذاتی ملکیت اعوان کاری کہتے ہیں۔ اعوان خصوصاً پنجاب اور صوبہ سرحد میں کافی تعداد میں آباد ہیں۔ کوہستانِ نمک میں اعوانوں کا قبضہ کسی زمانے میں خاصا نمایاں رہا ہے۔ لفظ اعوان انصار (مددگار) سے ماخوذ ہے۔ اعوان کے لغوی معنی معاون و مددگار ہیں۔ ایک روایت کے مطابق اعوان عربی النسل ہیں اور قطب شاہ کی اولاد ہیں جو حضرت علی کی اولاد سے تھے۔ قطب شاہ ہرات کا حاکم تھا۔ محمد بن قاسم کے حملۂ سندھ کے وقت واردِ ہندوستان ہوا۔

قطب شاہ کے پانچ بیٹے تھے اور دو بیویاں تھیں۔ قطب شاہ کی پہلی بیوی مائی فتح کے بطن سے تین لڑکے پیدا ہوئے۔ اعوان، کلغان اور چوہان۔ اعوان کوہستانِ نمک میں آباد ہوا۔ کلغان وادئ کا غان اور دھنکوٹ کالا باغ میں آباد ہوئے اور چوہان وادئ سندھ کے پہاڑی دامن میں آباد ہو گیا۔ دوسری بیوی مائی بارتھ کے بطن سے محمد شاہ عرف کھوکھر اور گوہر شاہ عرف موکھر گوریڑا پیدا ہوئے۔ ان میں بڑے لڑکے کھوکھر نے کھوکھرا پار کا شہر آباد کیا۔ اس کی اولاد نے پنجاب کا رُخ کیا۔ کھوکھر پنجاب کی وادی میں آباد ہو گئے اور گوریڑے سکیسر کی وادی میں بس گئے۔ (بحوالہ ماہنامہ اعوان لاہور اکتوبر ۱۹۸۴ء)

پنوار راجپوت پنوار راجپوت کو راجہ بکرماجیت کی اولاد بتلاتے ہیں۔ ہندوستان سے ہجرت کر کے پنجاب میں آباد ہوئے۔ یہ اپنا شجرہ نسب جگدیو پنوار سے ملاتے ہیں۔ ضلع بھکر میں خاصی تعداد میں آباد ہیں۔ مرشد آباد ضلع بھکر کی مشہور روحانی شخصیت پیر گل حسن صاحب اور پیر عبدالغفور صاحب پنوار قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ سجادگان میں پیر عبدالحمید سبحانی قابلِ ذکر ہیں۔

رانجھے یہ قبیلہ زیادہ تر ضلع گجرات میں آباد ہے۔ رانجھا قبیلے کے آباؤ اجداد محمد بن قاسم کے لشکری

اور اس کے ہراول دستے تھے جب یہ ملک اسلام کا گہوارہ بن گیا تو رانجھا قوم کے افراد نے یہاں ڈیرے ڈال دیئے ۔ مذہب اسلام کے عوض اللہ تعالی نے پنجاب کے زرخیز ترین خطے عطا کئے ۔ یہ عرب قوم ہے ۔

گوندل یہ قبیلہ مشہور راجپوت سورج بنسی سلسلے سے اپنا تعلق ظاہر کرتا ہے اور اجمیر کی سرزمین کا باسی ہے ۔ اُٹھائی گیری کا شوق انھیں ابتدا سے ہے ۔ اس لئے مہاراجگان اجمیر نے انھیں دیس نکالا دے دیا ۔ یہ لوگ گدھوں اور اونٹوں پر اپنا سامان لاد کر اجودھن یعنی پاک پٹن کے مقام پر سرزمین پنجاب میں داخل ہوئے اور مشہور صوفی بزرگ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے دست حق پرست پر اسلام لائے ۔ سردار قبیلہ گمنو سمیت سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا ۔ بابا فرید الدین نے اس نو مسلم اور جنگ جو قبیلے کو وسطی پنجاب کی طرف ہجرت کی ہدایت کی ۔ یہ لوگ گجرات ۔ سرگودھا اور جھنگ کے علاوہ ضلع بھکر میں بھی آباد ہیں ۔

جٹ متر ا اس قوم کے افراد ہرنولی کے علاوہ ضلع بھکر میں بھی آباد ہیں ۔ نیز ڈسکہ ضلع سیالکوٹ میں بھی یہ قوم آباد ہے ۔ چک جھمرہ ضلع فیصل آباد ۔ موضع متراں والی نزد منڈی بہاؤالدین ۔ متراں والہ نزد بلوٹ شریف اور تھانہ متروضلع وہاڑی میں آباد ہیں ۔ اپنا شجرہ نسب مغلیہ خاندان کے شہزادہ شجاع سے بتاتے ہیں ۔ دراصل یہ قوم بھٹی راجپوتوں کی ایک شاخ ہے ۔ ملک سرفراز مترا آف ہرنولی مشہور شخصیت ہیں ۔

سومرا یہ لوگ راجہ سوم وت کی اولاد ہیں ۔ یہ راجہ روہیل کھنڈ سے ملتان آیا اور کچھ عرصہ بعد علاقہ سندھ کی جانب چلا گیا ۔ یہ قوم راجپوتوں کی ایک شاخ ہے ۔ پنجاب اور سندھ میں کافی تعداد میں آباد ہے ۔ ضلع بھکر کی تحصیل منکیرہ میں سومرا کافی تعداد میں آباد ہیں ۔ زمینداراہ ان کا پیشہ ہے ۔

نون یہ بھی نسلاً راجپوت ہیں ۔ راجہ گج کے دو لڑکے راجہ سنگھو اور گجے پت تھے ۔ جب راجہ گج والی خراسان کے ہاتھوں قتل ہوا تو یہ قبیلہ غزنی سے بھاگ کر راولپنڈی میں آگیا ۔ راجہ گجے پت کی آٹھویں پشت میں راجہ ہنوں پت ہوا جس کی نسل آگے چل کر نون کہلانے لگی ۔ بعض محققین کے نزدیک نون ٹوانہ گوت کی ایک شاخ ہے ۔ ان کی آبادی ضلع سرگودھا ۔ بھکر اور شجاع آباد ضلع ملتان میں آباد ہے ۔

کلیار بھٹی راجپوت ہیں ۔ راجہ بیت لپا ہن کی اولاد ہیں ۔ ان میں ایک راجہ کلیان ہو گزرا ہے جس کی اولاد کلیار کہلاتی ہے ۔ ضلع میانوالی اور سرگودھا میں بیشتر کلیار آباد ہیں اور زراعت پیشہ ہیں ۔ ملک فلک شیر کلیار مشہور نیزہ باز کھلاڑی ہیں ۔

کھرل پنوار راجپوتوں کی ایک شاخ اور رائے جبیل کی اولاد میں سے ہیں جس کے ایک پوتے کا نام رائے کھیو تھا جس کی نسل کھرل کہلائی ۔ اسی قبیلہ کے سردار کمال خان نے کوٹ کمالیہ کا شہر بسایا ۔ اسی قبیلہ کے

ایک سردار رائے احمد خان کھرل نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں انگریزوں سے ٹکر لے کر بڑا نام پایا۔ حضرت خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ اسی قبیلہ کے چشم و چراغ تھے۔ کھرل قبیلہ کی متعدد شاخیں ہیں۔ گوگیرہ۔ لکھرا۔ مرل اور مرٹل وغیرہ ہیں۔

گل یہ قوم سکھوں کی اولاد سے ہے۔ ماجھہ ضلع امرتسر سے ہجرت کر کے تھل میں آباد ہوئے۔ ان کے بزرگ شیر سنگھ نے اپنے نام پر قصبہ شیر گڑھ آباد کیا۔ جسکانی عہد حکومت میں یہ قبیلہ نورِ اسلام سے منور ہوا۔ شیر سنگھ کا دوسرا بھائی مہر سنگھ بوجہ ناچاقی نقل مکانی کر کے چک نمبر ۱۲۷ ضلع خانیوال میں آباد ہوئے۔ تحصیل منکیرہ میں بکثرت آباد ہیں۔

جنجوعہ راجپوت چندر بنسی خاندان میں ایک راجہ جنجوعہ پال تھا۔ اسی راجہ کی نسبت سے چندر بنسی جنجوعہ راجپوت گوت کا آغاز ہوا۔ اسی راجہ کی آٹھویں پشت میں راجہ مل ہوا جس نے شہاب الدین محمد غوری کے عہد میں اسلام قبول کیا۔ بعض جنجوعے بابا فرید الدین شکر گنج کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ یہ قوم کافی عرصہ کوہستان کے علاقہ میں حکمران رہی۔ جنجوعہ پال کا دوسرا بھائی سپجپال ہندو مذہب پر قائم رہا۔ اس کی نسل سے ہندو جنجوعہ راجپوت مشہور ہوئے۔

چھینہ راجپوت مراثیوں کے مرتب کردہ شجروں کے مطابق سری کرشن جی کی بارھویں پشت میں ایک راجہ کیلن ہو گزرا ہے۔ اسی راجہ کیلن نے اپنے بھائی لکھمن اور ککلرن کی جاگیرات موسومہ بھیکم پور چھین لی۔ اس لئے مہاراجہ کی اولاد چھینہ کہلانے لگی۔ راجہ کیلن کی چھٹی پشت میں ایک راجہ جیتو ہو گزرا ہے۔ جیتو کی اولادِ نرینہ نہ ہوتی تھی۔ راملی نے رمل کے حساب سے بتایا کہ تمہارا لڑکا ہوگا۔ جب بچے کی پیدائش کے دن قریب ہوں تو بوہڑ یعنی بڑ کے تنے کے پاس عورت بچے کو جنم دے۔ جب بچہ پیدا ہو تو اس درخت کے تنے میں چھید کر کے بچہ کو اس چھید سے گزارے۔ تو بچہ زندہ رہے گا۔ چنانچہ ایسا کیا گیا۔ یہ قوم قنوج سے چل کر تھل میں آباد ہوئی اور کاغذاتِ سرکار میں اپنا نام جٹ چھینہ لکھایا۔ پنجاب کے علاوہ ضلع بھکر میں بکثرت آباد ہیں۔ جاگیر دار ہیں۔ دائرہ دین پناہ صاحب اور پیر محمد راجن شاہ کے دستِ حق پرست پر اسلام قبول کیا۔ سیاسی طور پر ابھر رہے ہیں۔ ملک محمد انور چھینہ آف محمد یار والہ یونین کونسل حیدر آباد کے وائس چیئر مین ہیں۔ میجر حاجی محمد سلطان چھینہ منکیرہ کی معروف سیاسی شخصیت ہیں اور ان کے بیٹے ملک محمد بخش صاحب بلدیہ منکیرہ کے کونسلر ہیں۔

سوبھانہ چھینہ راجپوت یہ قوم چھینہ راجپوت کی ایک شاخ ہے۔ سوبھا اور خیالی ملک مبارک چھینہ کے حقیقی فرزند تھے جن میں سوبھا ایک بزرگ شخصیت کے نام سے متعارف ہوئے۔ بزرگی کی وجہ

سے خیالی کی اولاد پر برتری حاصل ہوئی۔ سوبھا کی اولاد آج تک خیالی کی اولاد سے نذرانہ وصول کرتی چلی آئی ہے۔ اسی خاندان کی نامور شخصیت ملک غلام حسین چیئرمین ہیں۔

اولکھ راجپوت راجپوت قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ حضرت پیر محمد راجن شاہ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ ضلع بھکر بلکہ پورے پنجاب میں کافی تعداد میں آباد ہیں۔

انصاری یہ قوم پورے ملک میں پھیلی ہوئی ہے۔ اپنی نسبت حضرت ابو ایوب انصاری سے بتاتی ہے ۱۹۴۷ء میں پاکستان بنتے ہی ہندوستان سے ہجرت کر کے منکیرہ وارد ہوئی۔ تعلیم کی طرف راغب ہے۔ اس قوم کے افراد ملک کے اہم عہدوں پر فائز ہیں جن میں محمد جمیل انصاری انجینئر پاک آرمی مشہور ہیں۔

کھنڈویا زبانی رمضان مراثی کھنڈو نام کا ایک شخص تھا جس نے اپنی شادی پر بے حد کھانڈ تقسیم کی۔ اس واسطے اس کا نام کھنڈو مشہور ہوا۔ آگے چل کر اس کی نسل مسلمان ہو گئی اور کھنڈویا کہلانے لگی۔ یہ قوم ضلع بھکر میں بکثرت آباد ہے۔

گشکوری بلوچ عرب قوم ہے۔ ملک شام کی وادی البلوص سے ہجرت کر کے وارد بلوچستان ہوئی۔ یہاں کافی عرصہ آباد رہنے کے بعد پنجاب کے مختلف علاقوں میں آباد ہو گئی۔ ۱۷۷۸ء میں محمد حیات خان جسکانی منکیرہ کا نواب مقرر ہوا تو علی خان گشکوری جو نہایت ذہین آدمی تھا، آپ کا وزیر اعظم بنا۔ آپ کی دسویں پشت میں عمر حیات خان گشکوری آف چندری علاقہ حیدر آباد کے مشہور و معروف زمیندار ہیں۔

ممٹر بلوچ عرب قوم ہے۔ ان کا شجرہ نسب میر جلال خان رند سے جا ملتا ہے۔ میر جلال خان کی آٹھویں پشت میں ایک شخص ممٹر خان رند ہو گزرا ہے۔ آگے چل کر اس کی اولاد ممٹر بلوچ کہلائی۔ حیدر آباد تھل تحصیل منکیرہ میں یہ قوم بکثرت آباد ہے۔ ان میں غلام سرور خان اور غلام رضا خان رند ممٹر بلوچ مشہور ہیں۔ تجارت اور کاشت کاری اس قوم کا پیشہ ہے۔
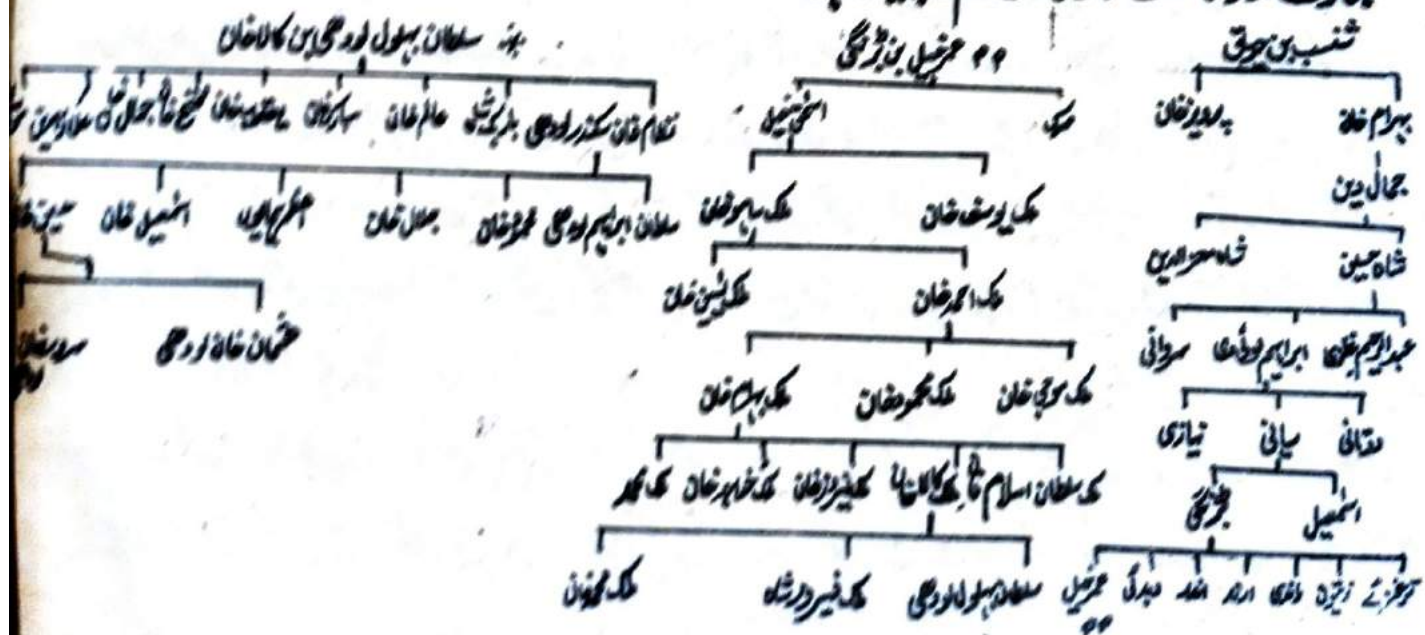
افغان یا پٹھان قبائل

افغان :- حضرت یعقوب علیہ السلام کے فرزند بنیامین کی ساتویں پشت میں جب ملک طالوت شاول (ساؤل) بنی اسرائیل کا بادشاہ ہوا ہے اس کے پوتے کا نام افغان تھا جس کی نسل بنی افغان کہلائی۔ حضرت یعقوب کا لقب اسرائیل تھا اس لیے بنی اسرائیل بنی افغان بھی کہلائے۔ افغانوں کا اصل وطن فلسطین تھا۔ ان کا سرِ شاخ ضحاک ملک تازی جو حضرتِ اسمٰعیل علیہ السلام کے دور میں عرب کا بادشاہ ہوا ہے۔ یعرب شاہِ بنی عامر سے تھا۔ عرب میں اس کا نام قیس تھا۔ جس نے شہر ہمدان اور یمن آباد کیا۔ اور شاہِ فارس جمشید کو مغلوب کر کے عجم کا بادشاہ بنا۔ جب بادشاہ بخت نصر نے بنی افغان یعنی بنی اسرائیل کو بیت المقدس سے جلاوطن کیا تو کچھ قبیلے کوہستانِ غور اور کوہِ سلیمان کے نواحی پہاڑوں میں آباد ہو گئے۔ یہ نہایت ہی بہادر قبائل تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام سے ڈیڑھ ہزار سال بعد ملک طالوت کے پوتے افغان کی سرداری یکے بعد دیگرے وراثتی طور پر قیس ثانی بن عیص بن سالل تک پہنچی جو افغان بن ارمیہ بن ملک طالوت بن قیس کی ۳۴ ویں اور حضرت ابراہیم کی پنتالیسویں (۴۵) پشت میں ہوا ہے۔ ظہورِ اسلام کے بعد حضرت خالد بن ولید کی دعوت پر ان افغان قبائل کا ایک وفد قیس بن عیص بن سارول کی قیادت میں مدینہ پہنچا۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ حضورِ اکرمؐ نے قیس ثانی کا نام عبدالرشید رکھا۔ فتح مکہ میں قیس عبدالرشید نے اپنی جنگی حکمتِ عملی کا انتہائی کامیاب مظاہرہ کیا۔ آنحضورؐ نے اس کی بہادری اور فتح مندی سے خوش ہو کر دعا فرمائی کہ اے اللہ اس جوانمرد کی اولاد کو فروغ بخش جو بڑی بہادر اور کشتی کے نچلے حصے کی لکڑی بتان کی طرح مضبوط ہو۔ چنانچہ دعا قبول ہوئی۔ اور حضورؐ نے عبدالرشید بتان کو ایک انصار صحابی کے ہمراہ کوہستانِ غور کی طرف رخصت کیا۔ اس افغان قبیلے نے غورستان جا کر دیگر قبائل میں تبلیغ اسلام شروع کر دی۔ شاہِ غورستان شنسب بن حریق بھی مشرف بہ اسلام ہوا۔ جو ضحاک الملک کی چوبیسویں (۲۴) پشت میں ہوا ہے۔ سلاطینِ غور ضحاک بادشاہ کی اولاد ہیں۔ یہی بتان آگے چل کے پٹھان کے نام سے مشہور ہوا۔

شنسب کے دو لڑکے بہرام اور پرویز تھے۔ بہرام کے بیٹے جمال دین کے بھی دو فرزند شاہ حسین اور معزالدین ہوئے۔ ملک عبدالرشید بتان کے تین لڑکے سربنی، بتنی اور غورغشت ہوئے۔ اور بتنی بن قیس عبدالرشید بتان کے تین فرزند اسمٰعیل، اشپون، کجین اور ایک دختر نیک اختر بی بی متو ہوئی۔ شاہ حسین بن جمال بن بہرام بن شنسب اپنے قبیلے سے الگ ہو کر کوہِ سلیمان کے دامن میں آباد ہو گیا۔ یہ نہایت بہادر، نڈر اور خوبرو شخص تھا۔ اس کی بہادری سے متاثر ہو کر اس علاقے کے سردار بتنی بن ملک عبدالرشید بتان نے اپنی دختر نیک اختر بی بی متو کی شادی شاہ حسین سے کر دی جس کے دو لڑکے عبدالرحیم غلزی (سے غلجی قبیلے کی ابتدا ہوئی۔) اور ابراہیم ہوئے۔ شاہ حسین کی دوسری بیوی بی بی مہی دختر کاغ سے ایک لڑکا سروانی ہوا۔ جس سے پٹھان شیروانی

قبیلہ چلا۔ ابراہیم بن شاہ حسین ابھی پانچ سال کا تھا کہ اُن سے نانا بتّنی نے ایک دن خوش ہو کر ابراہیم لوئی دی (ابراہیم بلند اقبال) کہہ کر پکارا اُسی دن سے ابراہیم لوئی دی مشہور ہو گیا۔ جو بعد میں بدل کر لودھی بن گیا۔ اسی ابراہیم لوئی دی سے لودھی قبیلے کا آغاز ہوا۔ ابراہیم لوئی دی بن شاہ حسین کے تین فرزند دوتانی، سیانی اور نیازی ہوئے۔ نیازی قبیلہ اسی نیازی بن ابراہیم لوئی دی سے چلا جو ۱۶۰۰ء کے اوائل میں کوہ سلیمان کے دامن سے نکل کر میانوالی کے علاقوں پر قابض ہو کر اعوان اور گکھڑ قبائل سے اقتدار حاصل کیا۔ اب بھی ان علاقوں میں ان کی اکثریت ہے۔ اور حکومتِ پاکستان کے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں۔

سیانی بن ابراہیم لوئی دی کے دو لڑکے اسمٰعیل اور ٹرنگی ہوئے، اسمٰعیل بن سیانی کے تین لڑکے مہیال لوہانی، سُوری ہوئے۔ اِن ناموں سے لوہانی اور سُوری قبائل کی ابتدا ہوئی۔ اِسی سوری کی بارہویں پشت میں فرید خان المعروف شیر شاہ سوری ہندوستان کا بادشاہ ہوا ہے۔ ٹرنگی بن سیانی بن ابراہیم لوئی دی کی ساتویں پشت میں ملک بہلول لودھی بن کالا خان بن بہرام خان سلطان الہند ہوا ہے۔ جس کا پوتا بھی سلطان ابراہیم لودھی بن سکندر لودھی بن بہلول لودھی ہندوستان کا نامور بادشاہ گزرا ہے۔ شاہ حسین کی نسل میں ملک یوسف بن اسحاق بن عمر بن ٹرنگی بن سیانی بن ابراہیم لوئی دی بن شاہ حسین ہوا ہے۔ جس سے یوسف زئی قبیلے کا آغاز ہوا۔ شاہِ غورستان شنسب کے دوسرے لڑکے پرویز کی پندرہویں پشت میں شہاب الدین غوری ہوا ہے۔ اور ملک عبدالرشید پٹھان کے لڑکے غورغشت سے غورغشتی قبیلہ چلا، پھر اسی سے کاکڑ ناگڑ، وزیری، خٹک، شینک، شنواری اور طوری قبائل ہوئے۔ سربنی بن ملک عبدالرشید کی دوسری پشت میں ترین نامی ایک بزرگ سے ترین قبیلہ چلا۔ سربنی کی تیسری پشت میں ابدال نامی بزرگ سے ابدالی اور چودھویں پشت میں اسداللہ نامی بزرگ سے سدوزئی قبیلہ چلا۔ ان قبائل نے کئی سو سال تک برصغیر پاک و ہند پر حکمرانی کی۔ اِن تمام پٹھان قبائل کا حسب نسب مندرجہ ذیل ہے۔

خاکوانی پٹھان یہ قبیلہ نواب سربلند خان کا انتہائی معتمد تھا۔ نواب موصوف کے ہمراہ منکیرہ وارد ہوئے اور مستقل طور پر آباد ہو گئے لیکن سقوطِ منکیرہ کے بعد ۱۸۲۱ء میں ترک سکونت کر کے ڈیرہ اسماعیل خان آباد ہوئے اور وہیں کے ہو رہے۔ خان عطا محمد خان خاکوانی اس قبیلہ کی نامور شخصیت تھے۔

غلزئی پٹھان اس قبیلہ کا شمار نواب سربلند خان کے وفاداروں میں ہوتا ہے۔ نہایت جری اور بہادر قبیلہ تھا۔ نواب صاحب کے ساتھ آخری دنوں تک وفاداری نبھاتا رہا۔ آخر کار نواب صاحب کے ساتھ ہی ترکِ سکونت کر کے ڈیرہ اسماعیل خان آباد ہوا۔

سدوزئی پٹھان ڈیرہ اسماعیل خان میں سب سے بڑا قبیلہ سدوزئی ہے جو بہوت قوم کے زوال

سے بعد ڈیرہ اسماعیل خان کے نواب بنے۔ نواب سرفراز خان کے بعد اس کے تینوں بیٹے اللہ داد خان نواب حق داد خان اور نواب عبدالرحمن خان بڑے پایہ کے انسان تھے۔ نواب اللہ داد خان کے دو بیٹے نواب احمد نواز خان اور نواب زادہ حق نواز خان دونوں ہی بااخلاق اور قابل انسان تھے۔ نواب احمد نواز خان کے دو بیٹے اللہ نواز خان اور قیوم نواز خان ہیں۔ ان میں اول الذکر اللہ نواز خان گومل یونیورسٹی کا وائس چانسلر رہ چکا ہے اور قیوم نواز خان میونسپل کمیٹی ڈیرہ اسماعیل کا چیئرمین رہا ہے۔ نواب زادہ حق نواز خان کے بیٹے شیر افضل خان اور شیر زمان خان ہیں۔ شیر افضل خان ریٹائرڈ کمشنر ہے۔

خواجک زئی پٹھان نواب سربلند خان کا وفادار قبیلہ ہے۔ ۱۸۲۱ء سے ۱۸۴۰ء تک منکیرہ میں آباد رہا۔ سقوطِ منکیرہ کے بعد اس قبیلے کے لوگ ترکِ سکونت کرکے ڈیرہ اسماعیل آباد ہوئے۔ اس قبیلہ کے معروف شخص سیف اللہ خان کوئٹہ بلوچستان میں تحصیلدار تھے۔ وہاں سے سفیرِ کابل تجویز ہوئے واپسی پر نوابی کا لقب پایا۔

تہذیب و معاشرت

ناپ تول کے پیمانے انگریزی عہد سے قبل ناپ تول کے جو پیمانے جاری تھے ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱) **پڑوپی** لکڑی سے بنایا ہوا ایک گول برتن جس میں عموماً نصف سیر غلہ سما جاتا ہے، اسے پڑوپی کہتے ہیں۔ جو ٹوپے کی چوتھائی کا درجہ رکھتی ہے۔

۲) **ٹوپہ** چار پڑوپی کا ایک ٹوپہ ہوتا ہے یعنی لکڑی سے بنا ہوا ایسا برتن جس میں دو سیر کے قریب غلہ آجاتا ہے، ٹوپہ کہتے ہیں کہ اس کو کناروں سے اوپر تک بھرا جاتا ہے۔ چنانچہ نصف سیر کی پڑوپی۔ دو سیر کا ٹوپہ اور چار ٹوپے کی پائی شمار ہوتی ہے جس میں آٹھ سیر غلہ آتا ہے۔

۳) چالیس پائی کا ایک کھروار جس میں تقریباً آٹھ من غلہ تصور کیا جاتا ہے۔

پیمائش کے پیمانے اراضی کی پیمائش کے لئے ایک ہاتھ تقریباً دو فٹ اور تین ہاتھ برابر ایک کرم یعنی ۵½ فٹ اور تین کرم برابر ہے ایک کانا یعنی ۱۶½ فٹ اور چار کانا برابر ۶۶ فٹ ایک مربع کرم = ایک سرسائی اور ۹ سرسائی برابر ایک مرلہ ۲۰ مرلہ برابر ایک کنال چار کنال برابر ایک بیگھہ دو بیگھہ برابر ایک گھماؤں دیسی شمار ہوتے ہیں گو انگریزی عہد کے اوزان اور پیمانہ جات نافذ ہوئے قریباً ڈیڑھ سو برس ہو چکے ہیں مگر اب بھی اراضی کی پیمائش کا پیمانہ دیہاتوں میں وہی پرانا جاری ہے اور دیہاتوں میں اب بھی غلہ کا وزن پڑوپی ٹوپہ اور پائی کے حساب کو کہا جاتا ہے۔

کھانا پینا بلا تخصیص امیر و غریب ہر گھر میں حسب استطاعت دہی کے لئے رات کو دودھ کو جمن لگا کر رکھا جاتا ہے۔ عورتیں صبح سویرے اٹھ کر دہی بلوتیں، مکھن نکال کر لسی بناتیں ہیں۔ جب مرد کام کے لئے کھیتوں پر جاتے تو عورتیں باسی روٹیاں، لسّی کا چھوڑا اور مکھن ان کو کھیتوں میں پہچاتی تھیں۔ یہی صبح کا ناشتہ ہوتا تھا۔ گھروں میں بلا ناغہ ہانڈی یا سالن پکانا ناممکن تھا اس لئے گھروں میں عموماً کچا آم، ہری مرچ، لیموں، کریر کے ڈیلے، لسوڑہ، سوانجنا، گاجر کے علاوہ سرسوں کی گندل کا اچار بھی عام پایا جاتا تھا۔ دوپہر کی روٹی، دال یا ساگ یا اچار سے کھائی جاتی تھی یا پیاز کاٹ کر اس میں نمک ڈال کر اس سے روٹی کھایا کرتے تھے۔ گرمی کے موسم میں چٹنی بھی بنائی جاتی تھی اگر یہ بھی نہ ملے تو لسی سے روٹی کھا کر اللہ کا شکر ادا کرتے تھے۔ دالوں میں چنا، ماش، مسور، موٹھ اور اڑد مشہور تھیں۔ ساگ کے لئے باتھوں، دیسی پالک، سرسوں کی گندل اور آسئوں کی پھومنی من پسند تھے۔ گندم کے علاوہ مکئی، جوار وغیرہ، جو، منڈوا اور بیسن کی روٹیاں غریب لوگ کھاتے تھے۔ عموماً سردیوں کے موسم میں مکئی جوار بھون کر کھائی جاتی۔ موسم گرما میں تربوز، خربوزہ، ککڑی، کھیرا اور کھجوریں بطور خوراک استعمال ہوتی تھیں۔ سبزیوں میں کدو، پالک، بینگن، ٹنڈے، شلغم بطور اور آلو پیدا ہوتے اور کھائے جاتے تھے۔ غریب لوگ پیلو اور کریر کے ڈیلے بھی کھاتے تھے۔ گنّے سے گڑ اور شکر بنائی جاتی تھی جس سے حلوہ تیار ہوتا تھا۔

رہنا سہنا آج سے ستر اسّی سال قبل دیہاتوں میں کوئی پختہ مکان نہ ہوتا تھا البتہ قصبوں اور شہروں میں پانچ فی صد پختہ مکان موجود تھے جو تاجروں اور ساہوکاروں کی ملکیت تھے۔ دیہاتوں میں لوگ سرکنڈوں کے چھپر ڈال کر رہائش پذیر ہوتے تھے۔

۱) **ساھل** قسم کے کچے کوٹھوں کا رواج تھا۔ ساہل کی لمبائی پندرہ سے بیس فٹ اور چوڑائی دس سے چودہ فٹ ہوتی تھی۔ بلندی سات فٹ رکھی جاتی تھی۔ کچی دیواروں کے اوپر سرکنڈوں کے چھپر اس طرح ڈالے جاتے تھے کہ چھت کا درمیانی حصہ گنبد کی طرح ابھرا ہوا ہوتا تھا۔ امیر غریب، زمیندار، تاجر دیہات میں انہی ساہلوں میں رہتے تھے۔ بارش کا پانی ان کی چھتوں پر نہیں رکتا تھا اس لئے ساہل میں پرنالوں کی ضرورت ہی نہ ہوتی تھی۔

۲) غلہ ذخیرہ کرنے کے لئے ہر گھر میں کلوٹی ہوتی تھی جس میں بارہ پندرہ من گندم سماجاتی تھی جو مٹی سے تیار کی جاتی تھی۔ دیہاتوں کی زندگی صاف ستھری اور پاکیزہ ہوتی تھیں۔ عورتیں گھنے درختوں کی چھاؤں میں مل بیٹھ کر چرخہ کاتتی تھیں۔ قیام پاکستان کے بعد لوگوں کے رہن سہن میں کافی تبدیلی رونما ہوئی۔ پختہ مکان اور کوٹھیاں بننے لگیں۔

لباس لباس کی وضع قطع تقریباً ہر طبقۂ آبادی میں یکساں تھی۔ شادی سے قبل لڑکیاں عموماً گھاگھرا باندھتیں جو کھدر سے تیار ہوتا تھا۔ اس پر سُرخ نیلے رنگ کے پھول ہوتے تھے۔ شادی کے بعد عورتیں ریشمی لنگی باندھتی تھیں۔ شادی بیاہ کے موقع پر سب سے قیمتی لباس لنگی، ریشم کا چولا، ململ کا دوپٹہ اور دوپٹہ پر اطلس اور دریائی کنارے لگوائے جاتے تھے۔ مُنڈا قسم کی جوتی جس پر ریشم سے پھول بنا ہوتا تھا، استعمال ہوتی تھی۔ مردوں میں سفید چادر (مجھلا) کھلی آستین کا کرتہ، پگڑی اور کُھسی دار جوتی کا رواج تھا۔ بوڑھی عورتیں ریشمی دریائی سے تیار کی جانے والی چولی استعمال کرتی تھیں۔ چولی کے سامنے کے حصے پر کشیدہ کاری کا کام ہوتا نیز سادہ کپڑوں پر مختلف رنگوں کے بیل بُوٹے بنوانے کا رواج تھا۔

گھریلو سامان گھر کے افراد اور مہمانوں کی جائز ضرورت کے مطابق چارپائیاں عموماً کھگل یا بیر کی لکڑی سے بنائی جاتی تھیں اور بان کی جگہ بکری یا اونٹ کی جَت یا مَلس کے دھاگے سے چارپائیاں بنی جاتی تھیں۔

۱) سفید، سیاہ اور خاکی مَلس کے دھاگے سے پھول بنا کر چارپائیاں بنی جاتی تھیں۔ البتہ رنگین پلنگوں کا رواج تھا۔ جہیز میں لڑکیوں کو بھی رنگین پلنگ دیئے جاتے تھے۔ ان کے پائے اس قدر مضبوط و منقش ہوتے کہ صدیوں تک نہ رنگ خراب ہوتا اور نہ لکڑی کو گھن لگتا تھا۔

۲) پیڑھے اور پیڑھیاں ہر گھر میں ہوتے۔ پیڑھے رنگین اور اس قدر خوبصورت ہوتے کہ ان کے نقش و نگار میں آنکھیں الجھ جاتیں۔

۳) سردیوں کے لئے نہالی۔ لحاف (لیپھ) جو چھپے ہوئے سرخ کھدر سے بنائے جاتے۔ دوتہی کھیس اور کھدر کی چادریں ہر گھر میں ہوتی تھیں۔

۴) برتنوں میں مٹی کے سادہ منقش پیالے۔ گھڑے۔ لوٹے۔ ڈولے۔ چٹورے۔ چٹوریاں۔ گلاس۔ ہانڈی، مٹی کی پرات (صحنک)، صراحیاں جن کے منہ چھوٹے اور گردن لمبی ہوا کرتی تھی، تیار کئے جاتے تھے۔

۵) گرمیوں میں تندور پر روٹیاں پکائی جاتی تھیں اور سردیوں میں مٹی یا پتھر کی گول ٹھیکری جسے عرف عام میں تھوبی کہا جاتا تھا، روٹی پکائی جاتی تھی۔ توے کا رواج نہ تھا۔ اٹھارہویں صدی کے اختتام پر توے کا رواج ہوا۔ تھوبی کی روٹی غذائی اعتبار سے لذیذ اور قوت بخش سمجھی جاتی تھی۔

۶) گھروں میں لکڑی کے صندوق ہوتے۔ ان پر جست کی چادریں چڑھا کر خوبصورت اور منقش بنایا جاتا

۷) کھجور اور سرکنڈہ کے پتوں سے تیار شدہ ٹوکری، پنکھے، پچھیاں، چنگیریاں اور چھبیاں عام گھروں میں استعمال ہوتی تھیں۔

۸) غلہ صاف کرنے کے لئے کانوں سے تیار شدہ چھج، چھبی، لوہے یا پیتل کے پرون، غلہ پیسنے کے لئے چکی، سوت کاتنے کے لئے چرخہ، کپاس بیلنے کے لئے بیلنا، زیورات رکھنے کے لئے لکڑی کے گول ڈبے یعنی سنگار بکس۔ مدھانی۔ نہیلا جس پر دہی کی چاٹی کو مدھانی سے بلویا جاتا۔ نیز چمڑے کا بستر استعمال ہوتا تھا اور بس۔ یہی گھریلو پونجی ہوتی تھی۔

کھانے کی چیزیں بلحاظ موسم اس زمانے کے گھروں میں بعض کھانے پینے کی چیزیں موسم کے مطابق بنائی جاتی تھیں۔ مثلاً

۱) گھی چوری۔ یہ روٹی کے باریک ٹکڑے کر کے شکر اور گھی سے تیار کی جاتی تھی۔

۲) پنجیری۔ سوجی یا گندم کے آٹے کو گھی میں اچھی طرح بھون کر اس میں گڑ شکر ملائی جاتی تھی پھر حسب استطاعت خشک میوے ڈالے جاتے تھے۔ شادی بیاہ کے موقع پر پنجیری دینے کا رواج عام تھا۔

۳) بھسری۔ برسات کے موسم یا سخت سردیوں میں بھسری پکانے کا رواج تھا۔ تھوبی پر ایک روٹی ڈالنے کے بعد اس کے اوپر شکر یا گڑ کو مکھن یا گھی میں ملا کر ڈالا جاتا۔ اور دوسری روٹی اس کے اوپر ڈال دی جاتی۔ اسی طرح گھی اور شکر دونوں روٹیوں میں جذب ہو کر ایک روٹی کی شکل بن جاتی تھی۔ یہ نہایت قوت بخش اور لذیذ بن جاتی تھی۔

۴) مِستی روٹی۔ برسات کے موسم میں مِستی روٹی روٹیاں پکائی جاتی تھیں۔ مٹر، چنا وغیرہ اور گندم کا آٹا ملا کر اس میں نمک، مرچ، پیاز اور کھٹائی ڈال کر پکایا جاتا تھا۔ یہ روٹی قوت بخش اور لذیذ ہوتی ہے۔

۵) باجرے کی روٹی۔ مثل مشہور ہے: باجرے دی روٹی، مکھن دا پیڑا
سردیوں میں باجرے کی روٹی پر مکھن کا پیڑا ڈال کر کھاتے اور ساتھ ہی لسی سے لطف ہوتے تھے۔

۶) من روٹی۔ علاقہ تھل کی پسندیدہ روٹی کا نام من ہے جو گھی اور گڑ کے شربت سے آٹا گوندھ کر تیار کی جاتی تھی۔ اب بھی علاقہ تھل کے لوگ سفر و حضر میں من روٹی پکا کر ساتھ لے جاتے ہیں اور مزے لے لے کر کھاتے ہیں۔

زیورات کا استعمال

۱) کنواری لڑکیاں امیر ہوں یا غریب کانوں میں چاندی کے بندے پہنتی ہیں

۲) بارے سلانا۔ عام طور پر چھ سات برس کی عمر میں لڑکیوں کے کانوں میں سوراخ کرائے جاتے تھے۔ جسے بارے سلانا کہا جاتا تھا۔ ان کی تعداد بہت زیادہ ہوتی تھی۔ ایک کان میں کافی بندے پہنے جاتے تھے۔

۳) مگھ۔ ان بندوں کے وزن کو سہارا دینے کے لئے ریشمی دھاگوں اور خوبصورت طلاء سے مگھ بنوائے جاتے جو تمام وزن اوپر اٹھائے رہتے اور کانوں کو جھکنے نہ دیتا۔

۴) مُرکیاں۔ رخسار سے ملحق کان کے اندرونی حصہ کے سوراخ میں مُرکیاں پہنی جاتی تھیں۔

۵) پٹڑیاں اور ٹِکہ۔ سر کے اگلے حصے میں دونوں طرف پٹڑیاں باندھی جاتی تھیں اور ماتھے کے لئے ٹکہ بھی مشہور تھا۔

۶) چندن ہار یا کٹ ماہلا۔ گلے میں چاندی کا پانچ سے سات لڑی والا چندن ہار سونے کا تین سے پانچ لڑی والا کٹ ماہلا پہنا جاتا تھا۔

۷) کنٹھہ۔ ناک میں سوا انچ قطر کا گیند نما موتیوں سے جڑا ہوا کنٹھہ یا کوکا استعمال کرنے کا رواج تھا۔

۸) پازیب۔ پاؤں کے لئے تین قسم کے پازیب خالی چکردار، زنجیر اور گھنگھری دار عام استعمال ہوتی تھیں۔

۹) گلوبند یا چاندی کی ہسّی۔ گلے میں گردن کے اگلے حصہ کے لئے گلوبند، چاندی کی ہسّی اور پاؤں میں چاندی کا ایک کڑا بھی استعمال ہوتا تھا۔

۱۰) کنگن۔ چاندی یا سونے کے حسبِ استطاعت کلائی میں ڈالتے تھے۔

۱۱) چُوڑیاں۔ چاندی کی چوڑیاں کلائی میں پہنی جاتی تھیں۔

۱۲) ٹِکہ۔ سونے کا خوبصورت جھُومر والا ٹکہ ماتھے پر لٹکایا جاتا تھا۔

۱۳) مُندری چھلّے۔ ہاتھ کی انگلیوں میں ڈالنے کے لئے سونے یا چاندی کے چھلے یا چاپ بنوا کر ڈالی جاتی تھی۔ اس میں رنگ برنگے نگ بھی جڑے ہوئے ہوتے تھے۔ چھلہ عام طور پر پیار کی نشانی کے طور پر بھی دیا جاتا تھا۔ ابتدا یہ چھلہ شادی یا منگنی کے وقت دونوں کی طرف سے ایک دوسرے کو دیا جاتا تھا۔

کلچر و ثقافت

کبڈّی۔ پنجاب کا قدیم پسندیدہ کھیل ہے تقریباً پنجاب کے ہر دیہات میں نہایت تزک و احتشام اور پورے اہتمام و انصرام کے ساتھ کھیلا جاتا ہے۔ اس میں دو ٹیمیں حصہ لیتی ہیں۔ ہر ٹیم میں تقریباً بیس پچیس کھلاڑی ہوتے ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔

۱) کبڈی ڈی والی۔ اس میں ہر ٹیم کو ایک لکیر کے اندر کھیلنے پر مجبور کیا جاتا ہے یہ لکیر ڈی (D) شکل کی ہوتی ہے جو کھلاڑی لکیر سے باہر چلا جائے یا مخالف ٹیم اسے باہر نکال دے تو اس کا نمبر ضائع ہو جاتا ہے۔ شہری لوگ اور پڑھے لکھے حضرات کبڈی ڈی D والی کو خوب پسند کرتے ہیں۔

۲) کھلی کبڈی۔ اس کبڈی میں لکیر کی کوئی پابندی نہیں ہوتی۔ کھلاڑی پوری آزادی کے ساتھ

کھیل سکتا ہے۔ دیہاتی اور ان پڑھ لوگ اس کبڈی کو خوب پسند کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کھلی کبڈی سے کھلاڑی کی طاقت، زور اور فنی مہارت کا پتہ چلتا ہے۔ علاقہ تھل منکیرہ میں عموماً کھلی کبڈی کو پسند کیا جاتا ہے۔

پڑکوڈی (دو دلا) یہ ورزشی کھیل ہمارے ضلع بھکر کا مقبول ترین کھیل ہے۔ میانوالی۔ ملتان، سرگودھا، لیہ، جھنگ اور بھکر کے اضلاع میں اس کھیل کے نامور کھلاڑی ہو گزرے ہیں۔ اس کھیل کی یہ خصوصیت ہے کہ ایک آدمی کے تعاقب میں دو آدمی بھاگتے ہیں۔ یہ دونوں اسے پکڑنا چاہتے ہیں مگر وہ تنہا ان سے بچ نکلنا چاہتا ہے۔ یہ دلچسپ ورزشی کھیل ہے۔ عموماً میلوں ٹھیلوں میں اس کھیل کی وجہ سے رونق دوبالا ہو جاتی ہے۔ ملک محبت خان اعوان، شیر بسمند خان پٹھان اور ملک امداد حسین چھینہ علاقہ تھل کے قابلِ فخر کھلاڑی ہیں نیز فتح شیر خان تاتاری بلوچ پیر اصحابی بھی پڑکوڈی کا نامی کھلاڑی تھا جس نے انگریزی حکومت میں بے شمار ٹرافیاں اور تعریفی سندات حاصل کیں۔

وینھی پکڑنا وینھی پکڑنا یعنی بازو پکڑنا اور چھڑانا انتہائی ہمّت والا ورزشی کھیل ہے جو ہمارے ضلع بھکر اور جھنگ کا مقبول ترین کھیل تصور ہوتا ہے۔ اس میں دو آدمی مدِّمقابل یعنی ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھ کرتے ہیں۔ ایک شخص اپنے دونوں ہاتھوں سے دوسرے شخص کا بازو یعنی وینھی پکڑتا ہے پھر دوسرا شخص اپنی ہمت سے اپنے مخالف کے ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی یا بے کار کر کے اپنی وینھی چھڑاتا ہے۔ یہ بڑا دلچسپ کھیل ہے اس کا رواج جھنگ کے علاوہ دوسرے اضلاع میں بھی پڑ چکا ہے زمانے کی افتاد نے اس ورزشی اور دلچسپ کھیل کی قدر و منزلت ختم کر دی ہے مگر اب بھی میلوں ٹھیلوں میں اس کے مظاہرے مشاہدے میں آتے ہیں۔

نیزہ بازی۔ ہمارے ضلع میں بہت کم لوگ ایسے ہیں جنھیں اعلیٰ نسل کے گھوڑے پالنے۔ ان کو دوڑانے رقص سکھانے اور نیزہ بازی کا شوق ہے۔ بڑے بڑے زمینداروں نے اپنے اس ذوق کی تسکین کے لئے گھوڑوں کی افزائش اور پرورش کے لئے تربیت یافتہ آدمی رکھے ہوئے ہیں۔ ہمارے علاقہ تھل منکیرہ میں مرتضد حسینی کلب جن کے سربراہ پیر محمد زمان شاہ ہیں۔ نیزہ بازی میں ضلع بھکر میں اول رہی ہے یوں تو ضلع بھکر میں نیزہ بازی کے باقاعدہ کلب قائم ہیں لیکن مرتضد حسینی کلب کی کارکردگی نمایاں ہے۔

کشتی یعنی فنِ پہلوانی فنِ پہلوانی میں علاقہ تھل منکیرہ میں کوئی ایسا شخص سامنے نہیں آیا جس نے فنِ پہلوانی میں صوبہ کی سطح پر نمایاں پوزیشن حاصل کی ہو البتہ پٹی بلندہ۔ لتن اور علاقہ بھکر کے پہلوان مشہور ہیں جن میں رب نواز چھینہ پٹی بلندہ کی شخصیت نمایاں ہے۔

گویڑو لڑائی جھگڑا ہو یا چوری۔ رہزنی یا جیب تراشی۔ ان سب معاملات کی چھان بین کرنے، معاملہ کی تہہ تک پہنچنے کے لئے فریقین کی باہمی بات چیت سے گویڑ کر کے اصل معاملہ کی تہہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ ایسے معاملہ فہم انسان کو گویڑو کہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی علاقہ تھل میں کوئی کمی نہیں ہے۔

کھوجی مجرم کے نقشِ پا دیکھنے کے بعد ان کی یقینی نشان دہی کرنا اور نقوشِ پا کے سہارے مجرموں کے گھر تک پہنچ جانا۔ ایک پیچیدہ فن ہے اور یہ فن بھی علاقہ تھل کے لوگوں تک مخصوص ہے۔ مقامی زبان میں ایسے لوگوں کو کھوجی کہتے ہیں (یعنی کھوج لگانے والے) پولیس بھی باقاعدہ طور پر ان کھوجیوں کا تعاون حاصل کرتی ہے بلکہ معقول معاوضہ بھی اس خدمت کے صلے میں دیتے ہیں۔ مجرم بھی خاصے چالاک ہوتے ہیں کہیں وہ جوتیاں بدل لیتے ہیں کہیں وہ کچھ راستہ چھوڑ کر پکی سڑک پر چلتے ہیں تاکہ نقشِ پا میں تواتر اور تسلسل قائم نہ رہے مگر کھوجی حضرات بھی ایسی حرکتوں پر خوب نگاہ رکھتے ہیں اور کھرا مجرم کے گھر تک پہنچا کر ہی دم لیتے ہیں۔ اس فن میں ہمارے علاقہ سے عمر حیات خان گشکوری بلوچ مشہور رہیں۔

شکار اور شکاری علاقہ تھل منکیرہ میں ایسے لاتعداد چکوک ہیں جنھیں ڈیری فارم کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ ان میں گھاس پھونس کے علاوہ خودرو درخت جنڈ۔ کریر۔ بیری اور ون کے درخت بے شمار ہیں۔ ان چکوک میں قیامِ پاکستان سے قبل بہت زیادہ ہرن پائے جاتے تھے۔ موسم سرما میں ہر سال شکاریوں کی بڑی بڑی پارٹیاں شکار کے لئے آتی تھیں۔ ہرن کا شکار بندوق سے کھیلا جاتا تھا۔ بعض لوگ بڑے بڑے کوڈ کوں سے اس کا شکار کرتے تھے۔ جنگل آباد ہونے کی صورت میں یہ شکار شاذ و نادر ہی ملتا ہے البتہ تھل کے وسیع علاقہ میں خرگوش اور تلہور کا شکار اب بھی کھیلا جاتا ہے۔ تلہور کے شکار کے لئے ہر سال سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات سے شیوخ سردیوں کے موسم میں آتے ہیں۔ اور تلہور کا شکار کرتے ہیں۔ خرگوش کا شکار کتوں کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ تیتر اور بٹیر کا شکار بھی کھیلا جاتا ہے۔

وزن اٹھانا ویٹ لفٹنگ یعنی وزن اٹھانا ایک عالمی فن ہے۔ اس فن کو فروغ دینے کے لئے پاکستان ویٹ لفٹنگ فیڈریشن کی کارکردگی بین الاقوامی سطح پر ملکی نتائج کو مثبت بنانے کے لئے اطمینان بخش نہیں۔ پاکستان کے وزن برداروں کو جب کبھی اپنی صلاحیتیں آزمانے کا موقع ملتا ہے تو وہ اپنے فن کے مختلف النوع مظاہرے کر کے ماہرینِ فن کو بھی ورطۂ حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔ ضلع بھکر کے قصبہ پیر اصحاب کے خوبرو نوجوان ویٹ لفٹر رانا عبدالرشید کا شمار بھی ایسے ہی گدڑی کے لعلوں میں ہوتا ہے۔

پتھر اٹھانا علاقہ تھل کی قدیم ثقافت ہے۔ پتھر اٹھانے سے جسمانی اعضا میں قوت پیدا ہوتی ہے۔ اٹھائے جانے والے پتھر دو قسم کے ہوتے ہیں۔ گول پتھر۔ مستطیل پتھر۔ گول پتھر دونوں بازوؤں کی طاقت سے

مختلف انداز میں اٹھایا جاتا ہے لیکن مستطیل پتھر کو درمیان سے تراش کر دستہ بنایا جاتا ہے جسے ایک بازو سے اُٹھا کر سات مختلف انداز میں دومنٹ کے اندر بازو کو سیدھا کیا جاتا ہے۔ پتھر کا وزن ستر پچھتر کلو گرام ہوتا ہے۔ رانا عبدالرشید پیر اصحابی اس فن کے ماہر چیمپئن ہیں جس نے اخبارات اور رسائل کے ذریعے دنیا بھر کے وزن برداروں کو چیلنج کیا ہے کہ وہ مقابلے میں آکر سات مختلف انداز میں دومنٹ کے اندر پتھر اٹھائیں اور ۵۰ ہزار روپے کا نقد انعام پائیں۔ راناصاحب نے ملکی سطح پر مختلف مقابلوں میں شریک ہوکر ۲۰ چیلنج کپ کے علاوہ بے شمار انعامات اور تعریفی سندات حاصل کی ہیں۔ آپ ۱۹۴۶ء میں موضع دبکڑی ضلع کرنال میں پیدا ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد ہجرت کر کے بھکر کے نواحی پیر اصحاب میں آباد ہوئے۔ آپ نے پتھر اٹھانے کا فن شہداد پور (سندھ) کے نامور لفٹر محمد بشیر پنجابی سے سیکھا۔ آپ کے آباؤاجداد وزن اٹھانے کے فن میں ملک بھر میں معروف تھے۔

شادی بیاہ کے رسم و رواج

علاقہ تھل منکیرہ کے لوگوں میں وٹہ سٹہ کا رواج عام ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی لڑکی اس شرط پر بیاہتے ہیں کہ اس کے بطن سے پیدا ہونے والی لڑکی کا رشتہ طلب کر لیا جاتا تھا۔

۱) **رسم نشانی** رشتہ کی بات کو پختہ کرانے کے لئے نائی پیغام رسانی کا فریضہ ادا کرتے تھے۔ بات پختہ ہونے پر دُلہا والے دلہن کے گھر جا کر رشتہ کی ہاں کراتے۔ اس ہاں کو مقامی زبان میں نشانی کہا جاتا ہے۔ یعنی نشان زدہ کرنا۔

۲) **رسم منگنی** نشانی کے بعد دوسری رسم منگنی تھی۔ اس موقع پر دُلہا والے اپنے بڑوں چھوٹوں، عورتوں اور عزیز واقارب کے ہمراہ دلہن کے گھر چند جوڑے کپڑے، ایک آدھ زیور، کچھ مٹھائی اور پھل لے جاتے ہیں اور وہاں ایک دوسرے پر رنگ پھینکتے ہیں یہ رنگ منگنی ہونے کی علامت سمجھی جاتی ہے۔

۳) **رسم گڈھ** یہ تیسری رسم گڈھ کہلاتی ہے جس میں شادی کی تاریخ طے کی جاتی ہے۔

۴) **رسم مینڈھی** تاریخ مقرر ہونے کے بعد چوتھی رسم مینڈھی انجام دی جاتی ہے۔ یعنی دلہا والوں کی عورتیں دلہن کے گھر جا کر دلہن کے چیکو جسے باٹ یا بٹنہ بھی کہا جاتا ہے، لگاتی ہیں۔ دلہن کی گُت یعنی چوٹی کے بالوں کی ایک لڑی بھی کھول دی جاتی ہے۔

۵) **رسم کھارے چڑھنا** نکاح کے بعد دلہا کو بھی چیکو مل کر نہلایا جاتا ہے۔ اس رسم کا نام کھارے چڑھنا ہے۔

(۶) گھڑولی دلہن کو رخصت کرنے سے قبل نہلانے کی رسم کا نام گھڑولی ہے۔ یعنی دلہا کی والدہ بہنیں
یا قریبی رشتہ دار عورتیں مٹی کا ایک گھڑا اور ایک لوٹا کنویں سے بھرنے کے لئے ڈھولک کی تھاپ پر
گیت گاتے اور ناچتے ہوئے جاتی ہیں۔ اور اسی طرح واپس آکر دلہن کو نہلاتی اور عروسی لباس پہناتی ہیں جو
سرخ ریشمی یا سوتی ہوتا ہے۔

(۷) رسم ڈولی رخصتی کے وقت دلہن کا ماموں اگر وہ نہ ہو تو والد، چچا یا بھائی اسے ڈولی میں بٹھاتے
ہیں اور اپنے کندھوں پر ڈولی اٹھا کر اس کے سسرال کے سپرد کرتے ہیں جب دلہن کی ڈولی سسرال پہنچ
مسلمانوں میں سب سے پہلے اس کے سامنے قرآن مجید پیش کیا جاتا ہے۔

(۸) رسم ستواڑہ۔ دلہن تین دن یا سات دن سسرال میں رہنے کے بعد اپنے والدین کے گھر آ جاتی
ہے۔ اس رسم کو ستواڑہ کہتے ہیں یعنی شادی کے ساتویں دن بعد دلہن پھر سسرال چلی جاتی ہے۔

(۹) رسم آگاہ بیٹھنا شادی کی تاریخ نزدیک ہونے پر دلہا اور دلہن دونوں کے گھروں میں رات کو
لوک گیتوں اور لوک رقص کی زنانہ مجلس جمتی ہے۔ رات گئے تک ڈھولک کی تھاپ پر گیت الاپتے ہیں۔ اس
رسم کو مقامی زبان میں آگاہ بیٹھنا کہا جاتا ہے۔

(۱۰) رسم نیندر یا بھاجی شادیوں پر لین دین کا سلسلہ شروع سے اب تک چلا آ رہا ہے۔ لوگ
لین دین کے اس سلسلہ کو رسم بھاجی یا نیندر کہتے ہیں۔

(۱۱) رسم سلام اب دلہا کے لئے سلام روپے پیسے کی شکل میں دیا جاتا ہے جسے سلام کہتے ہیں اور دلہن
کی منہ دکھائی کے لئے منہ تکنی کا رواج بھی ہے۔

ساز قدیم زمانے میں شادی بیاہ یا دیگر خوشی کی تقریبات پر ساز آواز کی مجلس جمانے کا
رواج تھا بلکہ مسلسل کئی روز تک گانے بجانے کا سلسلہ جاری رہتا۔ اس دور میں ساز و سنگیت کے
سامان میں ڈھولک۔ ڈھول۔ طبلہ۔ سارنگی۔ طنبورہ۔ دف۔ شہنائی۔ بین۔ نفری۔ ونجلی۔ بانسری۔ آہنی چمٹا،
چپڑی اور مٹی کا گھڑا ساز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ڈھول کی گت سے لوگ گیت پہچان لئے جاتے ہیں کہ یہ
ڈھول شادی کا ہے۔

لوک ناچ علاقہ تھل کا مشہور لوک ناچ دھریس ہے۔ دھریس ڈھول کی تھاپ اور گت پر مزہ کرتی
ہے۔ اس میں لوک گیتوں کے بول۔ قدموں کی دھمک۔ ڈھول کی گت۔ ہاتھوں کی تالیاں اور زبان سے لفظ
شی کے استعمال میں بڑی احتیاط اختیار کرنی پڑتی ہے۔ دھریس کا رواج زمانہ قدیم سے ہے۔

میلے ٹھیلے سرزمین تھل منکیرہ میں بے شمار اولیاء اور صوفیاء استراحت فرما ہیں۔ ان کے مزارات

پر میلے اور عرس دھوم دھام سے منائے جاتے ہیں۔ اس موقع پر کبڈی نیزہ بازی۔ پڑکوڈی۔ ڈنگل۔ ڈیہنی پکڑنا اور ساز و سنگیت کا خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے۔ تھل کے مشہور میلے یہ ہیں۔
میلہ عنایت شاہ۔ میلہ شاہ سید علی۔ میلہ شیخ دعوی اور جشن بہاراں ملکیرہ ہیں۔

لوک گیت ہر قوم اور خطہ کی تاریخ۔ تہذیب و ثقافت میں ایک قدر مشترک پائی جاتی ہے وہ ہیں لوک کہانیاں اور لوک گیت۔ کہانیوں کے کردار ہماری تہذیب کی نمائندگی کرتے ہیں اور لوک گیت ہمارے جذبات کے ترجمان ہیں۔ شادی بیاہ کے مرحلہ وار گیتوں کا سلسلہ موجود تھا۔ مثال کے طور پر آگاہ۔ مہندی سہرے۔ گھوڑی۔ گھڑولی۔ کھارا۔ ڈولی کے لئے الگ الگ گیت تھے۔ لوک گیتوں میں سہرا۔ ماہیا۔ ڈھولا۔ سمی۔ واریں۔ چھلّہ اور بگڑو کے گیت خصوصیات کے حامل تھے۔ لوک گیتوں میں بولیاں اور لوریاں بھی اپنی جگہ اہمیت رکھتی ہیں۔ نعتیں اور قصیدے لوگوں کے جذبات کی عکاسی کرتے ہیں۔ وگتی اور اکھان بھی قابلِ رشک ہیں۔

سرائیکی محاورے یعنی اکھان

ہر علاقے کی زبان میں کچھ مخصوص محاورے اور ضرب الامثال ہوتی ہیں جو گفتگو میں مدعا اور مافی الضمیر بیان کرنے کے لئے استعمال ہوتی ہیں۔ علاقہ تھل کے لوگوں میں روزمرہ محاورے عام طور پر یہ مشہور ہیں۔

۱) آکھاں دھی نوں سنڑاواں نونہہ نوں ۔ مطلب بیٹی ہے مگر سناتے بہو کو ہیں۔
۲) ڈینہہ بھلے تے متر بھلے ۔ دن اچھے ہوں تو دوست احباب بھی اچھے ہو جاتے ہیں۔
۳) اوہ کیہڑی جنڈی اے جیہڑی ونڈر کنڈی اے۔ جنڈی کا وہ کون سا درخت ہے جس میں کانٹا نہ ہو۔
۴) ماں مریڑی تے بچڑا قیصر خان ۔ ماں بھوک سے نڈھال ہے اور بیٹا قیصر خان کہلاتا ہے۔
۵) جہدے گھر دانڑیں اوندے کملے سیانڑیں۔ جس کے پاس دولت ہے وہ بیوقوف بھی عقل مند تصور ہوتا ہے۔
۶) ذات دی کوڑھ کرلی چھپے پاٹے شہتیراں نوں ۔ بدشکل ہے مگر دوستی بڑوں سے لگائے۔
۷) گونگے دیاں رمزاں ماں جانڑیں ۔ گونگے کے اشارے ماں جانتی ہے۔
۸) اپنیاں پون تے پرائیاں وسرن ۔ جب اپنی پڑ جائے تو دوسروں کا خیال بھول جاتا ہے۔
۹) پکی تے گرڑا لتھا ۔ بات فیصلہ کن مرحلہ میں تھی کہ کام بگڑ گیا۔
۱۰) اکھیوں انّھی ناں نور بھری ۔ آنکھوں سے محروم لیکن نام نور بھری ہے۔

بُجھارتیں

۱) ہیں گھتی اے توں بجھ ۔ (رضائی) ۲) کالی گکڑ دمبے دار۔ مارے سٹ تے ونجیں پار۔ (بندوق)

۳) مکہ جیڈا فقیر۔ اوندے پیٹ وچ لکیر۔ (گندم دانہ) (۴) چٹے رڑے تے ناگ بکاون۔ اوندی کھٹی
ہر کوئی کھاون (کنواں) (۵) توں جل تے میں آندا پیاں (دروازہ) (۶) آندی اے جاندی اے
من مٹی دا چیندی اے (کراہ کینٹرا) (۷) چٹی مسیت نہ بوہا نہ چھیت (انڈہ) (۸) اُچے ٹبے تے گڑ کٹھا
چم کوراڑا زیرہ مٹھا (تربوز) (۹) اوہ گئی۔ اوہ گئی۔ اوہ گئی (نظر)

سہرا مہندی ۱

ویرن میڈا سدا جیوے، اوہو مہندڑی لاوے سدا مہندڑی لاوے نال بابے دے آوے
جنج تاں میڈے ویرن دی سڑکاں تے نہ ماوے

ویرن میڈا سدا جیوے اوہو مہندڑی لاوے
سدا مہندڑی لاوے نال بھائیاں دے آوے
جنج تاں میڈے ویرن دی بساں تے نہ ماوے

ویرن میڈا سدا جیوے اوہو مہندڑی لاوے
سدا مہندڑی لاوے نال شریکاں آوے
جنج تاں میڈے ویرن دی کاراں تے نہ ماوے

ویرن میڈا سدا جیوے اوہو مہندڑی لاوے
سدا مہندڑی لاوے نال شریکاں آوے

۲

میں تھال مہندی دا چائی کھڑی آں — تیڈی پھلاں والی سیج وچھائی کھڑی آں
شتھن بنے دی نو نو کلیاں جامہ جوڑ بنائی کھڑی آں — تیرے جامے کوں سبھے رنگ لائی کھڑی آں
سر بنے دا پنج رنگ سوہنا سہرا جوڑ بنائی کھڑی آں — تیرے سہرے کوں سبھے رنگ لائی کھڑی آں
ہتھ بنے دے مہندی دے رتڑے گاہنہ جوڑ بنائی کھڑی آں — تیرے گانے نوں سبھے رنگ لائی کھڑی آں

میں تھال مہندی دا چائی کھڑی آں
تیڈی پھلاں والی سیج وچھائی کھڑی آں

لوک گیت ۱

سیئونی کھیڑاں نال نولیاں۔ میکوں رانجھن قسم چوائی

اکھیں رانجھن دیاں بلن مٹ لاں کھلے رنگ چا لائی
سیونی کیڑاں نال نہ ولیساں میکوں رانجھن قسم چوائی

رنگ بھمیں دی آدے وچ بیلے میڈے رانجھن ہین بجائی
سیونی کیڑاں نال نہ ولیساں میکوں رانجھن قسم چوائی

رانجھن آیا تخت ہزارے، وچ جھنگ دے دُھم مچائی
سیونی کیڑاں نال نہ ولیساں میکوں رانجھن قسم چوائی

۲

میڈا چن مساتا، میڈا چن مساتا، اینویں نہیں کریندا
لوکاں دے آکھے لگ کے، رُس نہیں ونجیندا

ٹھلی ٹھلی بیڑی، مچھی تیر مریندی اے — نک تیڈا پتلا اکھ تیر مریندی اے
میڈا چن مساتا، میڈا چن مساتا، اینویں نہیں کریندا

ٹھلی ٹھلی بیڑی وچ گوری ماترے — ساڈے سجناں نوں نکھڑے اج ڈھاہویں راتاں
میڈا چن مساتا، میڈا چن مساتا، اینویں نہیں کریندا

ٹھلی ٹھلی بیڑی وچ کھیر دا ڈولا — پہلے لگی یاری پچھے ڈیندی رولا
میڈا چن مساتا، میڈا چن مساتا، اینویں نہیں کریندا
لوکاں دے آکھے لگ کے رُس نہیں ونجیندا

ماہیا اور ڈھولا

۱) کالے کاں ماہیا۔ ٹر گئے سجناں دے بھل ویندے ناں ماہیا۔

ترجمہ:۔ کالے کاں ماہیا، مثال ہے کہ جو سجن دوست اپنا گھر بار چھوڑ کر کہیں دُور چلے جاتے ہیں تو ان کی محبت دلوں سے جاتی رہتی ہے۔

۲) آسمانی ہل ماہیا:۔ لوکاں دیاں اکھیاں، ساڈے روندے نے دل ماہیا۔

ترجمہ:۔ آسمانی ہل ماہیا مثال ہے کہ محبوب کی جدائی میں لوگوں کی آنکھیں روتی ہیں لیکن ہمارے دل روتے ہیں۔

۳) پکھی اڈیا قریب ہو کے۔ اُچا پیا وسدائیں نہیں ڈِٹھا غریب ہو کے۔

ترجمہ:۔ پکھی اڈیا قریب ہو کے مثال ہے محبوب سے کہتا ہے کہ تیری زندگی شان و شوکت سے گذری ہے

اس لئے تجھے غریبوں کا کوئی احساس نہیں۔

۴) ہٹیاں تے کھنڈ وِٹی۔ ہک تاں غریبی۔ ڈوجھا سجناں چاکنڈ کیتی۔

ترجمہ:۔ ہٹیاں تے کھنڈ وٹی مثال ہے۔ محبوب کہتا ہے کہ ایک تو غریبی نے میرے چاروں طرف گھیرا ڈال رکھا ہے، دوسرا آپ نے مجھ سے منہ پھیر لیا ہے۔

۵) چادر بنھ کالی۔ جنت وِچ او ہو ویسی جیں ڈھول دی لج پالی۔

ترجمہ:۔ چادر بنھ کالی مثال ہے کہ جنت میں وہ جائے گا جس نے مدنی لجپال عربی ڈھول کی لاج رکھی۔ یعنی اس کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہوا۔

۶) کاتر چولے دی۔ اکھیں بے وس رُنیاں جدائی دیکھ کے ڈھولے دی۔

ترجمہ:۔ کاتر چولے دی مثال ہے کہ اپنے محبوب کی جدائی دیکھ کر آنکھیں بے اختیار رو پڑیں۔

۷) کانے لڑھے ویندے۔ جھنڑکاں نہ ڈے ڈھولا۔ پردیسی ٹُرے ویندے۔

ترجمہ:۔ میرے محبوب مجھے ڈرا نہیں۔ ہم پردیسی وطن چھوڑ کر دیارِ غیر میں چلے جائیں گے۔

چھلّہ اور بگڑو کے بول

۱

چھلڈے نشانی تیڈی مہربانی　　چھلہ میں منگیا چھلڈے نشانی

چھلہ تیرا گول اے۔ وسے شالا ڈھول۔ نالے حق بول۔ جیویں یار جانی

چھلہ ڈے نشانی تیڈی مہربانی

چھلہ تیری عید اے، منگدا فرید اے۔ کریں مین تے دید اے۔ جیویں یار جانی

چھلہ ڈے نشانی تیڈی مہربانی

چھلہ تیرے ہتھ اے، لگی مینوں حس اے۔ چھلہ پریت اے۔ جیویں یار جانی

چھلہ ڈے نشانی تیڈی مہربانی

۲

چھلہ میں نہ دیندی، سس مہنڑیں ڈیندی، ماں مینوں مریندی

سُن چھلے دے ہلارڑیاں، چھلے موجاں مارڑیاں

چھلہ کھوہ دے کھاڈے۔ مرنی پیو دے ڈاڈے، ساڈی شے ولاڈے

سُن چھلے دے ہلارڑیاں، چھلے موجاں مارڑیاں

۳۔ ہٹیاں تے سُوٹے پیٹے نی، جتھے بالو سر دھوتا، اُتھے عاشق موئے پیٹے نی۔
ترجمہ: ہٹیاں تے سوٹے پیٹے نی مثال ہے۔ جہاں میرے محبوب بالو نے سر دھویا، اسی جگہ عاشق نے جان دے دی۔

واراں

گاڈے کی وار

ڈہ ڈیوؤ میں گھنداہاں ٹھپی توں سوداگر جوڑ وو
آندم جیں ویلے ویلا یاد، ویندی ہیبت چھوڑ وو

وچھے نوں میں گاں دو نیتا
وچھے ارادہ بھوہ دو کیتا
بس امڑی تیڈے کھیر دا پیتا
ول نہ آساں کول وو
وچھے نوں چھوڑم گاں دے ہیٹھ
ڈھنگے لاونڑ دی کیتم چیٹھ
نام خدا دے لاچا نیک
نہ کوئی بھاجی تے نہ کوئی لوڑ وو
گاں دے لائم تھناں تے ہتھ
گاں مریندی دنداں تے لت
پورا مہینہ کھادم بھت
اجے تاں نئیں جان جوڑ وو
مل پئی اے وت پہلی گاں
پہلی لت تے بھندی اے تھاں
ڈوجھی لت تے بھندی با نہاں
پچھے تھیندی بندے دی لوڑ وو
مل پئی اے وت مُدن بہار
نئیں ڈتی اصلوں کھیر دی دھار
جیہڑھا کیتا میڈے نال حال
ڈتی اے رگ رگ توڑ وو

ڈہ ڈیوو میں گھنداہاں ٹھپی توں سوداگر جوڑ وو
آندم جیں ویلے ویلا یاد۔ ویندی ہیبت چھوڑ وو

وار ڈاچی

سارے شہر بہل دے وچ ہک ڈاچی نمبر چائی کھڑی اے
گھر کھچیاں دے لائس ڈیرا۔ سٹرے لوگ جگائی کھڑی اے
ڈاچی کوں گھن آیا سلطان
ڈاچی آکھے ڈالہے آن!
سدی آکھے بجی بھان سارے گھر دی کیتی صفائی کھڑی اے
ڈاچی کوں نہیں بھاندی چھاں
ڈھونگر کولوں بیٹرے کاں

باقی بچا زیرہ تے ہاں، ہن پھپھر توں دل چائی کھڑی اے
ڈاچی کھاون دی کمزور   تر نگھڑ ہستے دا ہک ڈنگ لوڑ
گھ کلنجر نہیں ڈِتا چھوڑ، ہن پوپل توں دل چائی کھڑی اے
ڈاچی بھار دی ہے وت شینہہ   سیر تاں چیندی پورے چھینہہ
مرن کیتے ودی گنڑدی ڈینہہ اے جنڈری توں طمع چائی کھڑی اے
ڈاچی دیاں آ ڈیکھ توں جھوکاں   آدھی رات کڈھیندی بوکاں
گلے ڈتے ہنڑ آنڑ کے لوکاں ساڈے رسترے بال جگائی کھڑی اے
پئے جگر وچ لکاں گئیاں   پچھ مریندی تکھیاں چھٹیاں
خاطر اے جہی کیتی سیئیاں، ہنڑ رِک دی نہر وہائی کھڑی اے
سٹ گھت خیال عبداللہ ملنگ   صفت ڈاچی دی کر دے بند
مرن کیتے ڈاچی تھی گئی تنگ، ہنڑ ڈنداں دا بھانبڑ بھنائی کھڑی اے

ڈوھڑے

تسکین جگر دی سجن ہوندے شالا آون ہر نوں راس اے
آج ہر دا پیشہ ٹھگیاندا۔ گھٹ لبھدے قدر شناس اے
دراصل اصیل شریفاں نوں، ہوندا اجڑیاں دا احساس اے
کم ظرف ساقی نہیں کجھ رکھدے چل ویندے پکھی دی واس اے
قسمت آنڑ محتاج کیتا، کر یار ستم جیویں دل آکھی
ساڈے سا ڑن کیتے بولیں نال غیراں دے ماہی بول وِدا جیویں دل آکھی
اساں ساری عمراں غلام تیڈے بھن بھور ودا، جیویں دل آکھی
مسکین دی جند تیڈے قدم تلے ماہی رول ودا جیویں دل آکھی
ہک واری آزما میکوں اجاں دل میڈا کجھ تک سگدا اے
میڈا آنا دل مضراں نئیں اے ہر اک ضرب تے ودھ سگدا اے
میں ہاں دیوانہ ہک ماہی تیڈا میکوں ہر انسان نئیں ٹھگ سگدا اے
اے غریب کوئی فلمی فوٹو نئیں جیہڑھا ہر دیوار تے لگ سگدا اے

تیڈا پیار دسائم ایں سینے حیران زمین فلک تھیندا اے
میں بھولے بھاں بھج پوندا ہاں جیں جا تے تیڈا پک تھیندا اے
جڈاں خواب دے وچ توں نظر آویں ہر نقش قدم تے پھک تھیندا اے
جتھے طارق تیڈا ناں آندا ہے ہتھ چمدیں اکھ تے ٹھمک تھیندا اے

ہک وار وَلا چن بولیں ہا تیڈے بولن وچ ست سُر ہن
تیڈی ٹور دے وچ ہے لچک عجب۔ تیڈے قدم قدم وچ گُر ہن
مسکار دے وچ چمکار بھوں لب لال مٹھے دند دُر ہن
اج کئی وت قتل خلیل کریسی۔ اکھیاں کجل توں پُر ہن

اجاں دُھوں دُکھدا چن ڈِہراں جڈاں پھڑک تے شعلہ بھاء نکھتی
پچھے ظلم تیڈے دائل پچھاں جڈاں تھی ناکام نگاہ نکھتی
اجاں چاہ ہے، چاہ دل شوہری کوں۔ جڈاں دل چوں تیڈی چاہ نکھتی
ست طبق زمین دے سڑ ویسن۔ جڈاں میں مشکور دی آہ نکھتی

لوک تاں چن کوں چن آہدا اے۔ اے ساڈا وکھرا چن اے
او چن نظرے آسماناں تے ساڈا فخر زمین دا چن اے
او چودھویں رات دی زینت ہے، ساڈا نت بہار دا چن اے
او چن وچ کئی داغ نظر دے ہن بے داغ اقبال دا چن اے

سوہنا چن چودھویں دا چن جیویں اے چن توں وکھرا چن اے
چن ڈیکھ سہی چن میڈے کوں۔ پیار یس کریندا چن اے
اِس چن کوں ویکھ کے چن آیا۔ چن چن کوں نظرا چن اے
چن قاصر دے چن وانگ کوئی۔ میکوں آ ڈکھلاوے چن اے

ہن ابرو مثل ہلال ماہی دے۔ قوس و قزح شرماوے
رُخ آفتاب دے تاب کولوں۔ مہتاب دی تاب نہ آوے
سُنبل پیچ چوں مارے زُلفاں۔ گند ھل پیچ گندھاوے
پُھل محمدا دو نین ماہی دے۔ نرگس ناز نہ پاوے

نوٹ:۔ پھل محمد چھینہ علاقہ تھل منکیرہ کا ان پڑھ مگر معروف سرائیکی شاعر ہے جس کا ایک دوہڑہ اوپر دیا گیا ہے۔

توہمات

علاقہ تھل میں علم کی کمی اور پسماندگی کی وجہ سے بے شمار توہمات پائے جاتے ہیں جن میں سے چند ایک کا ذکر سپردِ قرطاس کیا جاتا ہے۔

تعویذ: پورے علاقہ تھل میں تعویذ گنڈے کا رواج عام ہے۔ مثلاً گائے بھینس کا دودھ بڑھانے کا تعویذ۔ مکھن زیادہ نکالنے کا تعویذ۔ دشمن کو شکست دینے کا تعویذ۔ امتحان پاس کرنے کا تعویذ۔ محبت کا تعویذ۔ نفاق کا تعویذ۔ شادی بیاہ کے لئے تعویذ وغیرہ وغیرہ ناخواندگی کی بدولت پورے علاقہ تھل میں جہالت کا مہیب سایہ پڑا ہوا ہے۔ تعویذ دینے والے عامل حضرات ہزاروں روپے کماتے ہیں۔

جادو ٹونے: جادو ٹونے کا رواج عام ہے۔ کالا جادو کر کے نفاق پیدا کیا جاتا ہے۔ کنبوں میں یہ مرض گھن کی طرح کھائے جا رہا ہے۔ علاج معالجہ کے لئے بھی ٹونے کا رواج عام ہے۔ مثلاً ریح درد کے لئے جسم کی کسی مخصوص شریان سے خونِ فاسدہ نکالا جاتا ہے۔ پھیپھری کی بیماری جو عام طور پر بھیڑ بکریوں میں پائی جاتی ہے۔ اس کا علاج کان کی کسی رگ کو کاٹنے سے کیا جاتا ہے۔ بعض اوقات مرد و زن میں گنٹھیا پیدا ہو جاتا ہے تو اس کا علاج جسم کی مخصوص رگیں ملنے سے ہوتا ہے۔ گلپھڑے یعنی گلے کی بیماری کا علاج گلے ملنے سے کیا جاتا ہے۔

بھوپے: بھوپے تمام علاقہ تھل میں پائے جاتے ہیں۔ اُن پر جن بھوت کا اثر نمایاں ہوتا ہے۔ لوگ ان کے پاس جاتے ہیں اور اپنی گم شدہ چیزوں۔ تعویذ اور جادو وغیرہ کے متعلق پوچھتے ہیں بھوپے پہلے الائچی کھا کر خوشبوئیں لگاتے ہیں پھر حقے کے کش لگا کر جنات کی سی حرکات کرتے ہیں پھر ان کے سوالوں کا جواب دیتے ہیں۔ یہ لوگ سادہ لوح غریبوں کو دھوکا دے کر بے پناہ روپیہ بٹورتے ہیں اَن پڑھ اور جاہل لوگ ان کی باتوں پر یقین کر لیتے ہیں۔ اسی طرح اِن ناخواندہ لوگوں میں دشمنیاں پروان چڑھتی ہیں۔

جدید ترقیاتی جائزے

گریٹر تھل کینال کا منصوبہ: یہ منصوبہ ایوبی دورِ حکومت میں قابلِ عمل بنایا گیا تھا چشمہ لنک کینال پر بمقام آدھی کوٹ ہیڈ تعمیر کیا گیا جس سے نہریں نکال کر عظیم تھل کے علاقہ کو سیراب کرنے کا منصوبہ تھا۔ اس بارے میں علاقہ تھل کا سروے کیا گیا اور برجیاں لگائی گئیں۔
ستمبر ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کی وجہ سے اس عظیم منصوبہ پر عمل نہ ہو سکا پھر یحییٰ خان کے

دورِ حکومت میں اس منصوبے کو قابلِ عمل بنانے کی کوششیں کی گئیں لیکن ۱۹۷۱ء میں بھارت نے ہم پر دوبارہ جنگ مسلط کردی جس کے نتیجہ میں مشرقی پاکستان ہم سے کٹ گیا۔ ملک زبردست معاشی بحران کا شکار ہوگیا۔ اس لئے اس منصوبہ کو ترک کرنا پڑا۔

اب صدر ضیاء الحق صاحب اس منصوبے کو قابلِ عمل بنانے میں مصروف ہیں۔ انشاء اللہ جلد ہی یہ منصوبہ کامیابی سے ہمکنار ہوگا اور تھل کا وسیع و عریض علاقہ گل و گلزار بن جائے گا۔

ریلوے لائن:۔ عظیم علاقہ تھل جس کی لمبائی دو سو میل اور چوڑائی ۸۰ میل کے لگ بھگ ہے۔ اس میں صرف ایک ریلوے لائن ہے جو دریائے سندھ کے مشرقی کنارے کے ساتھ ساتھ شمالاً جنوباً واقع ہے۔ یہی لائن میانوالی کو ملتان سے ملاتی ہے۔ ماسوائے اس ریلوے لائن کے پورا تھل ریلوے کی سہولیات سے محروم ہے اس لئے ضروری ہے کہ صوبہ سرحد کے ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کو براستہ بھکر، منکیرہ، جھنگ فیصل آباد لاہور سے ملایا جائے۔ ریلوے لائن کا یہ عظیم منصوبہ دفاعی نقطۂ نظر سے دور رس نتائج کا حامل ہوگا نیز بذریعہ ریلوے لائن صوبہ پنجاب کا قریبی تعلق صوبہ سرحد اور بلوچستان سے ہو جائیگا۔

پختہ سڑکیں:۔ عظیم علاقہ تھل میں سڑکیں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ صرف دو ہی سڑکیں ہیں جو علاقہ تھل کی ضروریات کے لئے ناکافی ہیں۔ ایک سڑک بھکر سے براستہ جھنگ، فیصل آباد اور لاہور کو جاتی ہے اور دوسری سڑک میانوالی سے براستہ بھکر، لیہ، ملتان کو جاتی ہے۔

اہالیانِ تھل منکیرہ کا دیرینہ مطالبہ ہے کہ پورے علاقہ تھل میں سڑکوں کا جال بچھایا جائے تاکہ لوگوں کی تکالیف دور ہوں اور خوش حالی سے اپنی زندگی گزار سکیں۔

(۱) ایک سڑک جنڈانوالا سے گوہر والا براستہ منکیرہ۔ چوبارہ ملتان سے ملائی جائے۔

(۲) دوسری سڑک خوشاب سے نورپور تھل۔ براستہ حیدر آباد۔ نواں کوٹ اور چوبارہ سے ملائی جائے۔

(۳) تیسری بڑی سڑک سرگودھا سے ساہیوال۔ نورپور تھل براستہ منکیرہ، لیہ سے ملائی جائے۔

کارخانے اور فیکٹریاں:۔ جولائی ۸۲ء سے منکیرہ کو تھل کا مرکزی شہر ہے، تحصیل کا درجہ دیا گیا۔ اس لئے بیروزگاری کے مکمل خاتمہ کے لئے کارخانے اور فیکٹریاں لگائی جائیں۔ تھل میں چنے اور گوارہ کی فصل کے علاوہ کافی مقدار میں بھیڑوں کی اون بھی حاصل کی جاتی ہے اس لئے چنے کی دال بنانے، گوارہ سے پاؤڈر بنانے اور اُون سے کمبل اور ٹوپیاں بنانے کی فیکٹریاں لگائی جائیں۔ برف بنانے کی دو فیکٹریاں حال ہی میں قائم ہو چکی ہیں اور پورے علاقہ تھل کو سستے داموں برف فراہم کی جارہی ہے۔

❊ ❊ ❊

رُوداد
تحریک تحصیل منکیرہ

آغاز تحریک "منکیرہ تحصیل بناؤ"

۱۴ اگست ۱۹۸۱ء کی تقریبات سے فارغ ہو کر اخبارات میں شائع ہونے والی ان خبروں کو موضوع بحث بنایا گیا کہ پنجاب کی کچھ تحصیلوں کو ضلع کا درجہ دیا جا رہا ہے۔ چنانچہ عوام کے عظیم اجتماع میں منکیرہ کو تحصیل کا درجہ دلانے کا جذبہ موجزن نظر آیا اور عوام کے فلک شگاف نعروں کی گونج میں "منکیرہ تحصیل بناؤ" تحریک کا آغاز ہوا۔

منکیرہ اپنے محلِ وقوع۔ رقبہ۔ آبادی۔ مالیہ۔ بل بجلی کے لحاظ سے تحصیل بننے کا حق رکھتا ہے بایں وجوہ طے پایا کہ کیوں نہ اس آواز کو حکومت وقت تک پہنچایا جائے چنانچہ ان مقاصد کے حصول کے لئے علاقہ تھل کے معززین، کسانوں، تاجروں، دکانداروں، دانش وروں، سیاسی، مذہبی اور سماجی کارکنوں غرضیکہ زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو تحریک "منکیرہ تحصیل بناؤ" میں شمولیت کی دعوت دی گئی۔ اور ۱۸ اگست ۱۹۸۱ء کو باہمی صلاح و مشورہ کے بعد ایک "تحصیل بناؤ کمیٹی" تشکیل دی گئی جس کا افتتاحی اجلاس اسی تاریخ کو ہوا۔

افتتاحی اجلاس

مورخہ ۱۸ اگست ۱۹۸۱ء کو زیر صدارت جناب ملک شیر دل اعوان ہیرو جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء اجلاس منعقد ہوا جس میں "منکیرہ تحصیل بناؤ" کا موضوع زیر بحث لایا گیا۔

چنانچہ اہالیان تھل کے عظیم اجتماع میں مندرجہ ذیل تجاویز بالاتفاق رائے منظور ہوئیں۔

۱)۔ اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے پانچ ارکان پر مشتمل کمیٹی تشکیل دی گئی۔

۲)۔ سات ارکان پر مشتمل ایک ملاقاتی وفد تشکیل دیا گیا۔
۳)۔ منکیرہ کو تحصیل ہیڈکوارٹر بنانے کے لئے بالاتفاق رائے ریزولیوشن پاس ہوا اور اس کی نقول ارباب بست وکشاد کو بھیجنے کی تجاویز پاس ہوئیں۔

عہدیداران تحصیل بناؤ کمیٹی

۱۔ ملک شیر دل اعوان ریٹائرڈ کیپٹن ۔ صدر
۲۔ ملک امان اللہ کیس وائس چیئرمین یونین کونسل ۔ نائب صدر
۳۔ حاجی نورالدین صاحب صدر انجمن تاجران منکیرہ ۔ جنرل سیکرٹری
۴۔ ماسٹر دوست محمد کھوکھر مصنف تاریخ منکیرہ جوائنٹ سیکرٹری
۵۔ چوہدری ظفر علی کسان ممبر بلدیہ منکیرہ خزانچی

مُلاقاتی وفد

۱۔ ملک محمد اقبال چھینہ ممبر ڈسٹرکٹ کونسل
۲۔ ملک شیر دل اعوان (ریٹائرڈ کیپٹن)
۳۔ ملک امان اللہ کیس وائس چیئرمین یونین کونسل
۴۔ حاجی نورالدین صاحب صدر انجمن تاجران منکیرہ
۵۔ ملک محمد منیر چھینہ چیئرمین مرکزہ کونسل
۶۔ ملک غلام رسول چھینہ رئیسِ اعظم بھمبے والا
۷۔ ماسٹر غلام یوسف بھٹہ منکیرہ۔

ارکان مجلسِ عاملہ

چیئرمین مجلسِ عاملہ : ملک غلام رسول چھینہ آف بھمبے والا

۱۔ ڈاکٹر بختاور علی خاور صدر انجمن رفاہِ عامہ منکیرہ
۲۔ ماسٹر علی محمد بھٹی ایس وی ٹیچر منکیرہ
۳۔ سیٹھ غلام حسین صاحب منکیرہ
۴۔ غلام رضا خان ممبر بلوچ حیدر آباد
۵۔ ماسٹر محمد اقبال دروزی ایم اے منکیرہ
۶۔ شیخ محمد یوسف ایم اے منکیرہ
۷۔ ڈاکٹر مرزا حبیب الرحمٰن صاحب منکیرہ
۸۔ محمد یوسف طاہر اندرون قلعہ منکیرہ
۹۔ ملک ممتاز حسین چھینہ حیدر آباد تھل
۱۰۔ ملک بشیر حسین چھینہ حیدر آباد تھل
۱۱۔ غلام سرور خان ممبر بلوچ حیدر آباد
۱۲۔ ملک محمد اسلم چھینہ آف محمد یار والا

کارروائی اجلاس

مورخہ ۱۸ اگست ۱۹۸۱ء کو زیرِ صدارت ملک شیردل اعوان صدر تحریک "منکیرہ تحصیل بناؤ کمیٹی" جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں اتفاقِ رائے سے پاس ہوا۔

۱)۔ منکیرہ تاریخی لحاظ سے قدیم تہذیب تمدن کا گہوارہ اور ریاست منکیرہ کا مسند مقام رہا ہے۔

۲)۔ منکیرہ تھانہ وسعت رقبہ کے لحاظ ضلع میانوالی میں نمایاں حیثیت کا حامل ہے۔

۳) منکیرہ تھل کے وسیع و عریض علاقہ میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔

۴) پانچ یونین کونسلوں کا مرکزی دفتر منکیرہ میں ہے اور دیہی ترقیاتی مرکز کا ہیڈ کوارٹر بھی ہے۔

۵)۔ علاقہ تھل کے لئے مرکزی دفاتر منکیرہ میں ہیں۔ مثلاً زرعی ترقیاتی کارپوریشن۔ ایگریکلچر ڈیپارٹمنٹ۔ واپڈا۔ گرڈ اسٹیشن۔ ٹیلی فون ایکس چینج وہیڈ کوارٹر نائب تحصیلدار وغیرہ۔

۶)۔ منکیرہ کے وسائل، رسل و رسائل اور تجارت علاقہ تھل کے دیگر مواضعات سے زیادہ کثیر ہیں۔

۷)۔ فلاحی ادارے مثلاً ویٹرنری ہسپتال۔ سول ڈسپنسری۔ سب پوسٹ آفس اور ہائی سکولز منکیرہ میں ہیں۔

۸)۔ اعلیٰ دفتری انتظامات کے لئے منکیرہ میں دیہی ترقیاتی کمپلیکس کی عمارت موجود ہے۔

۹)۔ منکیرہ میں محکمہ اوقاف۔ سنٹرل گورنمنٹ اور پراونشل گورنمنٹ کا رقبہ وافر مقدار میں موجود ہے جو دفاتر کی تعمیر کا کام دے سکتا ہے۔

۱۰) تحصیل ہیڈ کوارٹر بھکر سے مشرق کی جانب آخری حد بھر یٹری پر ختم ہوتی ہے اور منکیرہ عین وسط میں ۴۵ کلومیٹر کے فاصلہ پر برلب سڑک واقع ہے۔

ان تمام تر وسائل کی فراہمی کے علاوہ موزونیت کے لحاظ سے منکیرہ بدرجہ اتم صفات کا حامل ہے، لہٰذا ارباب بست و کشاد سے پرزور اپیل ہے کہ منکیرہ کو تحصیل ہیڈ کوارٹر کا درجہ دیا جائے۔

منکیرہ کی مرکزی اہمیّت

۱) **محلِ وقوع۔** منکیرہ تھل کے عین قلب میں واقع ہونے کی صورت میں خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ گرد و نواح کے دیہاتی لوگ چالیس چالیس میل کا سفر پیدل۔ اونٹوں، گھوڑوں اور ٹریکٹروں کے ذریعے طے کر کے منکیرہ آتے ہیں اور پھر یہاں سے بس میں سوار ہو کر بھکر میانوالی کی تاریخیں بھگتاتے ہیں اس لئے اہالیان تھل کی تکالیف اور محل وقوع کو مدِنظر رکھ کر منکیرہ کو تحصیل کا درجہ دیا جائے۔

۲) رقبہ ۔ منکیرہ تھانہ کا رقبہ نو لاکھ چودہ ہزار ایکڑ ہے جو پنجاب کی اکثر تحصیلوں کے رقبہ جات سے بہت زیادہ ہے۔ ذرائع رسل و رسائل نہ ہونے کے برابر ہیں اس لئے تھانہ منکیرہ کو تحصیل کا درجہ دے کر اس علاقہ کی پس ماندگی کو دُور کیا جائے۔

۳) آبادی ۔ ۱۹۸۱ء کی مردم شماری کے مطابق تھانہ منکیرہ کی آبادی ایک لاکھ بیس ہزار سے تجاوز ہے اس لئے زیادہ رقبہ اور کثیر آبادی کے پیشِ نظر منکیرہ کو تحصیل کا درجہ دینا بہت ضروری ہے۔

۴) مالیہ اور بِل بجلی ۔ ۸۱-۸۰ء میں تھانہ منکیرہ سے مالیہ آبیانہ کی سالانہ آمدن دس لاکھ چھ سو اکتر روپے تھی اور بِل بجلی سے سالانہ آمدن چالیس لاکھ روپے سے بڑھ کر ہے۔
چنانچہ ان وسیع سالانہ آمدن کے پیش نظر منکیرہ کو تحصیل کا درجہ دیا جانا بہت ضروری ہے۔

قرارداد ۶ ازدفتر دیہی ترقیاتی مرکز کونسل منکیرہ

از دفتر دیہی ترقیاتی مرکز کونسل منکیرہ
عنوان ۔ قرارداد ۶ " منکیرہ کو تحصیل بنایا جائے"۔

مرکز منکیرہ کے عوام نے بذریعہ چیئرمین مرکز منکیرہ مطالبہ کیا ہے جنہیں معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ سب ڈویژن کو ضلع کا درجہ دیا جا رہا ہے لہذا بھکر کے ضلع بننے پر منکیرہ کو تحصیل کا درجہ دیا جانا اشد ضروری ہے۔

منکیرہ ایک پرانا قصبہ ہے۔ شہری سہولتوں اور خصوصیات کا حامل ہے۔ تھل کے دیگر علاقوں کو پختہ سڑک کے ذریعے ملایا جا رہا ہے۔ تحصیل کے دفاتر کے لئے عمارات کا انتظام بآسانی ہو سکتا ہے۔ زیرِ تعمیر عمارت مرکز کمپلیکس ابتدائی طور پر تحصیل کی ضرورت کے لئے کافی ہوگی۔ جبکہ مزید ضرورت کے لئے صوبائی حکومت کا کافی رقبہ موجود ہے جو اس تصرف میں لایا جا سکتا ہے۔

بالاتفاقِ رائے منظور ہوا کہ قرارداد کی نقول جناب ڈپٹی کمشنر صاحب میانوالی جناب کمشنر سرگودھا اور جناب گورنر صاحب پنجاب کی خدمت میں ارسال ہو کر استدعا کی جائے کہ ضلع بھکر بننے کی صورت میں منکیرہ کو تحصیل کا درجہ دیا جانا علاقہ کی اہم ضرورت ہے

نوٹ :۔ عوام منکیرہ اور یونین کونسل منکیرہ کی طرف سے پیش کردہ کاغذات ہمراہ لف ہے۔

مراسلہ نمبر ایل جی اور آر۔ڈی منکیرہ 873-76/1981 مجریہ 12-9-1981

۱) نقول بخدمت ڈپٹی کمشنر صاحب میانوالی
۲) جناب کمشنر صاحب سرگودھا
۳) جناب گورنر صاحب پنجاب۔ لاہور۔

گزارش ہے کہ بھکر کو ضلع بننے کی صورت میں منکیرہ کو تحصیل کا درجہ دیا جائے۔

دستخط
چیئرمین مرکز کونسل منکیرہ
12-9-1981

قرارداد ۹ اجلاس ضلع کونسل میانوالی

نقل قرارداد ۹ مورخہ 29-9-81 اجلاس ضلع کونسل میانوالی

ضلع کونسل میانوالی کے سامنے تحریک انجمن "منکیرہ تحصیل بناؤ"۔ منکیرہ تحصیل بھکر کی قرارداد با اجازت چیئرمین صاحب برائے سفارش پیش ہے۔ قرارداد میں مطالبہ کیا گیا ہے کہ منکیرہ تاریخی لحاظ سے قدیم شہر ہے۔ تھانہ منکیرہ تھل کے وسیع تر رقبہ پر محیط ہے وسعت رقبہ اور آبادی کے لحاظ سے نمایاں حیثیت کا حامل ہے۔ زرعی ترقیاتی کارپوریشن، دفتر محکمہ زراعت، گرڈ اسٹیشن، ٹیلی فون ایکسچینج۔ ہیڈ کوارٹر نائب تحصیلدار اور محکمہ تعلیم کا سب ڈویژن منکیرہ میں ہے۔ علاوہ ازیں فلاحی اور تعمیری اداروں میں ویٹرنری ہسپتال سول ڈسپنسری۔ سب پوسٹ آفس۔ گورنمنٹ ہائی سکول اور گورنمنٹ گرلز مڈل سکول موجود ہیں۔ منکیرہ دیہی ترقیاتی کمپلیکس زیر تعمیر ہے جو اعلیٰ دفتری انتظامات کے لئے کافی ہے۔ منکیرہ شہر میں مرکزی اور صوبائی حکومت کا کافی رقبہ موجود ہے جہاں تحصیل کے دفاتر تعمیر کئے جا سکتے ہیں، نیز یہ موجودہ تحصیل بھکر کے عین وسط میں موجود ہے لہٰذا ان حالات میں منکیرہ کو تحصیل ہیڈ کوارٹر کا درجہ دیا جائے۔

اس لئے منکیرہ کو تحصیل کا درجہ دینے کی سفارش کی جاتی ہے۔

دستخط
چیئرمین ڈسٹرکٹ کونسل میانوالی
29-9-81

قرارداد ے دیہی ترقیاتی مرکز کونسل منکیرہ

از دفتر دیہی ترقیاتی مرکز کونسل منکیرہ تحصیل بھکر ضلع میانوالی

عنوان قرارداد ے (ب) منظور کردہ ماہانہ اجلاس مرکز کونسل منکیرہ منعقدہ 8-2-82

قرارداد ے (ب)

چیئرمین یونین کونسل منکیرہ نے مطالبہ کیا ہے کہ حکومت کی طرف سے نئے چھ اضلاع کے اعلان کے بعد ضلع بھکر کی نئی تحصیلوں کی جو تجویز اسسٹنٹ کمشنر بھکر۔ جناب کمشنر صاحب سرگودھا کی جانب سے تیار ہو کر حکومت کو ارسال کی جا چکی ہیں۔ اس کے مطابق منکیرہ کو سب ڈویژن بنانا منظور کیا گیا ہے۔ لیکن اب مختلف ذرائع سے سننے میں آرہا ہے کہ منکیرہ کی بجائے کلور کوٹ یا کسی اور مقام کو سب ڈویژن کا درجہ دیا جانا زیر غور ہے۔ منکیرہ بلحاظ قدیم تہذیب وتمدن۔ آبادی۔ وسیع رقبہ۔ ذرائع رسل ورسائل اور وسیع ترعظیم تھل میں مرکزی موزونیت کا بدرجۂ اتم صفات کا حامل ہے جو علاقہ کے عوام کی مشکلات کا بطریق احسن ادا کرسکتا نیز سب ڈویژن کی صورت میں عبوری عرصہ کے لئے دفاتر اور رہائشی ضروریات کی کفالت کرسکتا ہے۔ لہٰذا منکیرہ کو سب ڈویژن کا درجہ دے کر علاقہ کے غریب عوام کو ترقی سے فیضیاب ہونے کا موقع دیا جائے۔

اس ضمن میں دیہی ترقیاتی مرکز کونسل پُر زور سفارش اور استدعا کرتی ہے اور قرارداد کی نقول جناب گورنر صاحب پنجاب۔ جناب چیف سیکرٹری پنجاب۔ جناب نسیم حسن سینئر ممبر ریونیو بورڈ اور جناب کمشنر صاحب سرگودھا ارسال کر کے امداد کی اپیل کرتی ہے۔

مراسلہ نمبر ایل جی اینڈ آر ڈی منکیرہ $\frac{184-81}{182}$ مورخہ 19-2-82

دستخط چیئرمین مرکز کونسل منکیرہ

لہٰذا استدعا ہے کہ منکیرہ کو ضلع بھکر کے سب ڈویژن کا درجہ دیا جائے۔

دستخط چیئرمین مرکز کونسل منکیرہ

19-2-1982

رپورٹ کارکردگی تحصیل بناؤ کمیٹی

۱۴ اگست ۱۹۸۱ء کی تقریبات جشن آزادی سے فارغ ہوکر اخبارات میں شائع ہونے والی اُن خبروں پر بسیار بحث و تمحیص کے بعد طے پایا کہ منکیرہ کو تحصیل کا درجہ دلانے کے لئے ایک مکمل تحریک چلائی جائے چنانچہ ۱۸ اگست ۱۹۸۱ء کو اہلیان تحصیل منکیرہ کا عظیم اجتماع ہوا جس میں علاقہ بھر کے کسانوں، تاجروں، دکانداروں اور دانشوروں الغرض مذہبی، سیاسی اور سماجی کارکنوں نے نہایت جوش و جذبہ کے ساتھ شرکت کی۔ اجلاس میں باہمی صلاح و مشورہ سے تحریک منکیرہ تحصیل بناؤ کمیٹی کا قیام عمل میں لایا گیا نیز اخراجات کی کفالت کے لئے چندہ فراہم ہوا اور ملک شیر دل اعوان کو متفقہ طور پر کمیٹی کا صدر منتخب کیا گیا۔ بعد ازاں سات رکنی ملاقاتی وفد تشکیل دیا گیا۔

۲۲ اگست ۱۹۸۱ء کو سات رکنی ملاقاتی وفد نے بھکر جاکر وفاقی وزیر پٹرولیم و معدنی وسائل جناب راؤ فرمان علی کو اپنے دیرینہ مطالبہ "منکیرہ تحصیل بناؤ" مہم سے آگاہ کیا۔ وزیر موصوف نے وعدہ کیا کہ میں آپ کے مطالبات حکومت پاکستان تک پہنچا دوں گا۔

۲۵ اگست ۱۹۸۱ء کو حاجی نور الدین جنرل سیکرٹری "منکیرہ تحصیل بناؤ کمیٹی" کو اشتہار چھپوانے اور اخبارات میں اپنے مطالبہ کی خبر دینے کے لئے لاہور بھیجا گیا۔

۲ ستمبر ۱۹۸۱ء کو انجمن رفاہ عامہ کے صدر ڈاکٹر بختاور علی خاور نے بذریعہ اخباری اشتہار جناب گورنر پنجاب اور صدر پاکستان سے مطالبہ کیا کہ تحصیل بھکر کو ضلع کا درجہ دینے کی صورت میں منکیرہ کو تحصیل کا درجہ دیا جائے۔ علاوہ ازیں بھکر کسان بورڈ کے اجلاس منعقدہ ۷ ستمبر ۱۹۸۱ء منکیرہ کو ضلع بھکر کی تحصیل کا درجہ دینے کے متعلق ایک قرارداد پاس کی گئی اور وعدہ کیا کہ ہم آپ کی استدعا حکومت پنجاب اور صدر پاکستان تک پہنچائیں گے۔

۱۲ ستمبر ۱۹۸۱ء کو مرکز کونسل تھانہ منکیرہ کے اجلاس میں دیرینہ مطالبہ "منکیرہ تحصیل بناؤ" کو زیر بحث لایا گیا۔ متفقہ طور پر قرارداد پاس ہوئی جس کی ایک نقل چیئرمین ڈسٹرکٹ کونسل میانوالی کو بھیجی گئی تاکہ ہمارے اہم دیرینہ مطالبہ "منکیرہ تحصیل بناؤ" کو ضلع کونسل کے ایجنڈا میں شامل کیا جائے۔

۲۲ ستمبر ۱۹۸۱ء کو زیر صدارت ملک دوست محمد کھوکھر کنوینر ورلڈ اسلامک مشن تھانہ منکیرہ کا اجلاس ہوا جس میں منکیرہ کو تحصیل کا درجہ دینے کا پرزور مطالبہ کیا گیا۔

۱۵ نومبر ۱۹۸۱ء کو ریڈیو پاکستان کے اس اعلان پر کہ بھکر، لیہ، خوشاب، راجن پور، اوکاڑہ اور

ٹوبہ ٹیک سنگھ کی تحصیلوں کو ضلع کا درجہ دیا گیا۔ ہے خوشی منائی گئی اور اہالیانِ منکیرہ کی طرف سے صدر پاکستان اور گورنر پنجاب کو مبارک بادی کے تار بھیجے گئے۔

۱۸ نومبر ۱۹۸۱ء کو جناب ڈپٹی کمشنر میانوالی منکیرہ تشریف لائے اور منکیرہ کو ٹاؤن کا درجہ دینے کے لئے کاغذات اور نقشے تیار کرائے اور ٹاؤن کی حدود مقرر کیں۔ بعد ازاں ۱۸ فروری ۱۹۸۲ء کو زیرِ قیادت ملک شیر دل اعوان صدر "تحصیل بناؤ کمیٹی" ایک وفد لاہور گیا اور مولانا فتح محمد صاحب امیر جماعتِ اسلامی کی وساطت سے ایم پی آر (ممبر ریونیو بورڈ) نسیم حسن شاہ سے ملاقات کی اور منکیرہ کے محلِ وقوع۔ رقبہ۔ آبادی۔ مالیہ اور بجلی کے متعلق کوائف سے آگاہ کیا۔ اس ملاقاتی وفد میں ملک شیر چھینہ۔ ملک محمد منیر چھینہ۔ ملک غلام رسول چھینہ آف بھیے والا اور حاجی نور الدین بھی شریک تھے۔

۱۸ مارچ ۱۹۸۱ء کو ایک وفد زیرِ قیادت ملک محمد اقبال چھینہ ممبر ڈسٹرکٹ کونسل لاہور گیا اور جناب اصغر خان ڈی آئی جی لاہور سے ملاقات کی اور انھیں منکیرہ کے تمام ضروری کوائف سے آگاہ کیا اور ان کے تعاون سے گورنر صاحب کے پرائیویٹ سیکرٹری سے ملاقاتی ہوئی۔ چونکہ گورنر صاحب باہر دورہ پر تھے اس لئے ان سے ملاقات نہ ہو سکی۔ ملک شیر دل اعوان صدر "تحصیل بناؤ کمیٹی" نے تحصیل کے متعلق ضروری دستاویزات اور نقشے پرائیویٹ سیکرٹری کو دیئے۔ انھوں نے جلدی دستاویزات گورنر صاحب پنجاب تک پہنچانے کا وعدہ کیا۔

ایک وفد ۲۷ مارچ ۱۹۸۲ء کو زیرِ قیادت جناب ملک محمد اقبال چھینہ لاہور گیا۔ اس وفد میں جناب ملک شیر دل اعوان صاحب۔ حاجی نور الدین جنرل سیکرٹری اور ملک غلام رسول چھینہ صدر مجلسِ عاملہ شامل تھے۔ لاہور جا کر ڈی آئی جی اصغر خان کی وساطت سے صوبائی وزیر مال ملک اللہ یار خان سے ملاقات کی اور منکیرہ کو تحصیل کا درجہ دینے کے لئے ضروری کوائف۔ دستاویزات اور نقشہ ضلع بھکر بشمول تھانہ منکیرہ سے متعارف کرایا نیز منکیرہ کے محلِ وقوع۔ رقبہ۔ آبادی۔ مالیہ۔ آبیانہ اور بجلی کی آمدن سے آگاہ کیا۔ وزیر موصوف نے کہا آپ کا حق بنتا ہے۔ انشاء اللہ میں آپ کے حقوق کی ترجمانی کروں گا۔

۶ اپریل ۱۹۸۲ء کو زیرِ صدارت جناب گورنر پنجاب ملک غلام جیلانی صاحب میٹنگ ہوئی جس میں وزیر مال ملک اللہ یار خان ایم بی آر نسیم حسن۔ کمشنر سرگودھا ڈویژن اور اے ایس ڈی بھکر چوہدری ریاض احمد نے شرکت کی۔ بسیار بحث و تحیص کے بعد منکیرہ کو کلور کوٹ پر فوقیت دی گئی۔ منکیرہ کا استحقاق بوجہ محل وقوع۔ رقبہ۔ آبادی۔ مالیہ۔ آبیانہ اور آمدن بل بجلی تسلیم کیا گیا اور ضلع بھکر کے سب ڈویژن کا درجہ دیا گیا۔ بعد ازاں کلور کوٹ کو بھی تحصیل کا درجہ دیا گیا۔ ۱۰ جون کو چوہدری عبد الرزاق شامی تحصیلدار۔ ۱۶ جون

کو اسسٹنٹ کمشنر چوہدری ارشاد اللہ تارڑ صاحب اور ۲۵ جون کو جناب محمد لطیف براس ریذیڈنٹ مجسٹریٹ تشریف لائے۔

جیالے کارکنوں کا تعارف

۱) **ملک غلام رسول چھینہ** :۔ رئیس آف بھیے والا ۔ آپ تحصیل بناؤ کمیٹی منکیرہ کی مجلس عاملہ کے چیئرمین ہیں۔ آپ کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ طنز و مزاح میں طرۂ امتیاز رکھتے ہیں۔ نیک اور شریف زمیندار ہیں۔ غریبوں کے ہمدرد اور وڈیروں کی آنکھ کے شہتیر ہیں۔ آپ نے تن من دھن سے تحصیل بناؤ کمیٹی کا ساتھ دیا۔ اور ملاقاتی وفدوں میں اہم رکن کی حیثیت سے شامل رہے۔

۲) **چوہدری ظفر علی صاحب** :۔ آپ مزدوروں کی طرف سے بلدیہ منکیرہ کے کونسلر، تحصیل بناؤ کمیٹی منکیرہ کے خازن اور سماجی کارکن ہیں۔ عوامی بھلائی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ سیاسی لحاظ سے سیٹھ پارٹی کی روح گردانے جاتے ہیں۔ انتہائی سنجیدہ گو، شریف آدمی ہیں۔

۳) **ملک غلام یوسف بھٹہ** :۔ علاقہ تھل منکیرہ کی علمی ادبی شخصیت ہیں۔ تحریر اور تقریر میں خاصا عبور رکھتے ہیں۔ تحصیل بناؤ کمیٹی منکیرہ کے ملاقاتی وفدوں میں اہم رکن کی حیثیت سے شامل ہوتے رہے۔ اس وقت گورنمنٹ ہائی سکول منکیرہ میں بطور ٹیچر کے تعلیمی امور سرانجام دے رہے ہیں۔

۴) **ملک امان اللہ کیس** :۔ آپ بلدیہ منکیرہ کے وائس چیئرمین رہے ہیں۔ تحصیل بناؤ کمیٹی منکیرہ میں بحیثیت نائب صدر کے کام کرتے رہے۔ اب بھی بلدیہ کے کونسلر ہیں۔ متوسط گھرانے کے شریف زمیندار ہیں۔ سماجی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ بات کے پکے اور قول کے سچے کونسلر ہیں۔

۵) **ڈاکٹر محمد رمضان انجم** :۔ امراض دمہ کے ماہر ڈاکٹر ہیں۔ انجم لیبارٹری منکیرہ کے نام سے رجسٹرڈ دواساز فیکٹری قائم کر رکھی ہے جو ملک بھر میں معروف ہے۔ آپ تحصیل بناؤ کمیٹی کے سرگرم رکن کے علاوہ مذہبی شخصیت شمار ہوتے ہیں۔ آپ دامے، درمے، سخنے تحصیل بناؤ کمیٹی کی مدد کرتے رہے۔

۶) **حکیم منظور حسین منکیرہ** :۔ آپ محلہ اسلام پورہ منکیرہ کی ویلفیئر سوسائٹی کے جنرل سیکرٹری ہیں۔ ماہر حکیم ہیں۔ دارالصحت کے نام سے منکیرہ میں ایک مطب چلا رہے ہیں۔ تحصیل بناؤ کمیٹی کے سرگرم رکن کے علاوہ انجمن فلاحِ مریضاں کے صدر ہیں۔ ناظم صلوٰۃ بھی ہیں۔

۷) **محمد یوسف طاہر** :۔ آپ سربلند اسلامی ادبی مجلس منکیرہ کے جنرل سیکرٹری ہیں اور تحصیل بناؤ کمیٹی کے سرگرم رکن بھی ہیں۔ علاوہ ازیں روزنامہ امروز اور نوائے وقت کے نامہ نگار ہیں۔ آپ نے

پریس کے ذریعہ منکیرہ کو ملک بھر میں متعارف کرایا۔ علاقہ تھل کی پس ماندگی کو دور کرنے کے لئے اخبار و رسائل میں آپ کے مکتوب چھپتے رہتے ہیں۔

۸) **ملک محمد بخش چھینہ** :- آپ متوسط طبقے کے زمیندار ہونے کے علاوہ بلدیہ منکیرہ کے کونسلر ہیں سماجی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ مذہب سے لگاؤ رکھتے ہیں تحصیل بناؤ کمیٹی کے سرگرم رکن رہے۔ تاریخ ریاست منکیرہ کی اشاعت کے لئے بھرپور تعاون کیا۔ شریف اور دیانت دار انسان ہیں۔

۹) **غلام رضا خان آف حیدر آباد** :- آپ کا تعلق بلوچ قوم کے قبیلہ ممڑ سے ہے جن کا شجرہ نسب میر جلال خان رند سے جا ملتا ہے۔ آپ علاقہ حیدر آباد تھل کی سیاسی اور فعال سماجی شخصیت ہیں۔ صاف گوئی اور عمدہ کردار کی بدولت علاقہ تھل کی منفرد شخصیت ہیں۔ علاقہ کی تعمیر و ترقی میں اپنے ذاتی سرمایہ سے کھل بنولہ فیکٹری قائم کر کے نمایاں کردار ادا کر رہے ہیں۔ منکیرہ تحصیل بناؤ کمیٹی کی مجلس عاملہ کے سرگرم رکن ہیں۔

۱۰) **غلام سرور خان ممڑ بلوچ** :- حیدر آباد تھل آپ کا مولد و مسکن ہے۔ آبائی پیشہ کاشتکاری کے علاوہ ٹھیکیداری بھی کرتے ہیں۔ سماجی کارکن کے علاوہ فلاحی کاموں دل چسپی لیتے ہیں۔ منکیرہ تحصیل بناؤ کمیٹی کی مجلس عاملہ کے رکن ہیں۔ قول کے پکے اور بات کے سچے ہیں۔ بڑے لوگوں کی آنکھوں میں کھٹکتے رہتے ہیں۔ آپ انتہائی شریف خوش اخلاق آدمی ہیں۔

افتتاح تحصیل اور جیالے کارکنان منکیرہ کو خراج تحسین

یکم جولائی ۱۹۸۲ء کا دن منکیرہ کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ دن منکیرہ کے پسماندہ عوام کی دیرینہ خواہشات کی تکمیل کا دن ہے۔ اسی دن نوزائیدہ تحصیل منکیرہ کا افتتاح صبح آٹھ بجے تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔ بعدازاں مصنف مذکور کے تین بچوں محمد اشفاق، محمد اسحاق اور مظفر عباس کھکھر نے قومی ترانہ ترنم سے سنایا۔ پھر ایک ننھے منے بچے امانت علی بھٹی نے اپنے تاثرات پیش کرتے ہوئے افسران بالا کا شکریہ ادا کیا۔ ملک شیر دل اعوان صدر "تحصیل بناؤ کمیٹی" نے سپاسنامہ پیش کیا۔ آخر میں جناب چوہدری ارشاد اللہ تارڑ اسسٹنٹ کمشنر منکیرہ نے اہالیان منکیرہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اس عظیم علاقہ تھل کو جو نہایت ہی پس ماندہ ہے۔ آپ کے تعاون سے ترقی دی جائے گی۔ انھوں نے اس موقع پر "تحصیل بناؤ کمیٹی" کے کارکنان کو خراج تحسین پیش کیا اور ان کی کوششوں اور جدوجہد کو سراہا۔

آخر میں موصوف نے پرچم کشائی کر کے پولیس سے سلامی لی۔ اس طرح یہ تقریب ۹ بجے صبح اختتام پذیر ہوئی۔

ضلع بھکر کا رقبہ، آبادی مطابق ۹ جون ۱۹۸۱ء

ضلع بھکر کا کل رقبہ ۲۰۰۹۰۶۶ ایکڑ اور آبادی مطابق مردم شماری ۱۹۸۱ء چھ لاکھ چھیاسٹھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ ہے۔

نمبر شمار	نام تحصیل	رقبہ	آبادی
۱	تحصیل بھکر	۵۸۴۷۰۰ ایکڑ	۳۷۳۰۹۷
۲	تحصیل منکیرہ	۸۳۳۱۱۴ "	۱۰۸۱۵۵
۳	تحصیل کلورکوٹ	۵۹۱۲۵۲ "	۱۸۵۴۱۴
	میزان	۲۰۰۹۰۶۶ "	۶۶۶۶۶۶

رقبہ مربع میلوں میں۔ ۳۱۳۳ مواضعات ۱۵۴ شرح آبادی فی میل۔ ۲۰۸ افراد

آبادی قبل از تحصیل منکیرہ بسلسلہ یونین کونسل

تفصیل آبادی تحصیل منکیرہ بمطابق یونین کونسل معہ۔۔۔

نمبر شمار	نام یونین کونسل	آبادی مطابق رائے شماری ۱۹۸۱ء	تعداد رائے دہندگان جنوری ۱۹۷۹ء
۱	حیدر آباد تھل	۲۱۵۳۷	۸۹۸۱
۲	لتن	۱۸۳۴۸	۶۷۴۲
۳	ماہنی	۱۶۳۶۶	۷۷۳۰
۴	گوہر والا	۱۴۵۷۸	۵۸۰۸
۵	منکیرہ دیہی	۲۳۰۴۰	۷۸۹۸
۶	۶۷ ایم ایل	۱۴۴۰۰	۵۰۶۳
۷	منکیرہ ٹاؤن	۵۰۴۴	۲۲۱۷
	میزان	۱۱۳۳۱۳	۴۴۴۳۲

معلومات قبل از تحصیل منکیرہ

از سال ۱۹۸۲ء

تعداد کل مواضعات - ۶۱ تعداد حلقہ قانونگوئیاں - ۶

کل آبادی مطابق مردم شماری ۱۹۸۱ء - ۱۱۳۳۱۳ افراد

کل رقبہ ایکڑوں میں - ۸۳۳۱۱۴ کل مزروعہ رقبہ ایکڑوں میں - ۷۰۲۶۰۶

تعداد پرائمری مدارس - مردانہ - ۱۰۶ زنانہ - ۲۰

" مڈل سکولز مردانہ ۴ زنانہ ۱

" ہائی سکولز مردانہ ۴ زنانہ ۱

" تعداد ٹیوب ویلز - ۷۵۰ تعداد ٹریکٹرز - ۱۴۹۵

" ہسپتال - حیوانات - ۲ اور انسانیات - ۱

" ڈسپنسریاں حیوانات ۹ اور انسانیات - ۹

" ڈاک خانہ جات سب پوسٹ آفس - ۱ اور برانچ پوسٹ آفس - ۱۲

" پولیس سٹیشن - تھانہ - ۱ اور چوکی پولیس - ۱

ٹیلی فون ایکسچینج - ۱ واٹر سپلائی سکیم - ۲ نفاذِ چنگیات - ۱

کتابیات

۱۔ تاریخ پاک و ہند از ایم اے بھٹی مطبوعہ لاہور

۲۔ تاریخ پاک و ہند از خواجہ محمد اشرف ایم اے

۳۔ تاریخ اسلامی ہند از نیاز فتح پوری

۴۔ تاریخ ہند از مولانا سید ابو ظفر ندوی

۵۔ تاریخ ہند از ذکاء اللہ

۶۔ تاریخ ہند از پنڈت وشوا ناتھ

۷۔ سلاطین دہلی کے دستاویزات از پروفیسر غلام رسول

۸۔ تاریخ پنجاب از سید اصغر علی شاہ جعفری ایم اے

۹۔ تاریخ پنجاب از سید افسر علی شاہ

۱۰۔ تاریخ جنگ ہند پنجاب از لکھاری شاہ محمد

۱۱۔ تاریخ ہند پنجاب از منشی عبد الکریم

۱۲۔ تاریخ پنجاب از سید محمد لطیف سنہ ۱۸۹۱ء

۱۳۔ تاریخ رؤسائے پنجاب از گریفن سنہ ۱۹۱۱ء اردو ترجمہ

۱۴۔ تاریخ مخزن پنجاب از مفتی غلام سرور لاہوری

۱۵۔ تاریخ سندھ از مولانا عبد الحلیم شرر

۱۶۔ تاریخ سندھ از مرزا محمد کاظم برلاس

۱۷۔ تاریخ سندھ از مولانا غلام رسول مہر

۱۸۔ تاریخ جھنگ از بلال زبیری سنہ ۱۹۷۶ء

۱۹۔ تذکرہ اولیائے جھنگ از بلال زبیری سنہ ۱۹۷۵ء

۲۰۔ تاریخ جھنگ سیال از مولوی نور محمد سیال سنہ ۱۹۱۱ء

۲۱۔ گزیٹئر ضلع جھنگ

۲۲۔ گزیٹئر ضلع میانوالی

۲۳۔ گزیٹئر ضلع ڈیرہ اسماعیل خان

۲۴۔ گزیٹئر ضلع مظفر گڑھ

۲۵۔ تاریخ ملتان حصہ اول از نور احمد خان آفریدی سنہ ۱۹۷۵ء

۲۶۔ تاریخ ملتان حصہ دوم از مولوی نور احمد خان آفریدی سنہ ۱۹۷۶ء

۲۷۔ تاریخ ملتان از لالہ لال کشن تیرہ ایڈووکیٹ سنہ ۱۹۲۶ء

۲۸۔ تاریخ ملتان از لالہ حکم چند سنہ ۱۸۷۵ء

۲۹۔ مرقع ملتان از سید اولاد حسین گیلانی سنہ ۱۹۳۸ء

۳۰۔ سدوزئی ان ملتان (انگریزی) از عمر کمال فاروقی ایڈووکیٹ

۳۱۔ تاریخ بہاولپور و ملتان از منشی شہامت علی سنہ ۱۸۴۸ء

۳۲۔ تاریخ ملتان قدیم از سید محمد لطیف سنہ ۱۸۹۲ء

۳۳۔ تاریخ الافغان از سید جمال الدین افغانی سنہ ۱۹۷۷ء

۳۴۔ ہمایوں نامہ از گلبدن بیگم بنت بابر بادشاہ

۳۵۔ ظفر نامہ رنجیت سنگھ از رائے بہادر کنہیا لال سنہ ۱۸۷۶ء

۳۶۔ ظفر نامہ رنجیت سنگھ از دیوان امر ناتھ سنہ ۱۹۲۸ء

۳۷۔ تاریخ فتوح البلدان از علامہ بلاذری مطبوعہ حیدرآباد دکن

۳۸۔ تاریخ فرشتہ جلد اول از محمد قاسم فرشتہ

۳۹۔ تاریخ فرشتہ جلد دوم از محمد قاسم فرشتہ

۴۰۔ عہد اسلامی کا ہندوستان از سید ریاست علی ندوی

۴۱۔ ہندوستان میں عرب حکومتیں از قاضی اطہر مبارکپوری

۴۲۔ آب کوثر از شیخ محمد اکرم

۴۳۔ رود کوثر از شیخ محمد اکرم

۴۴۔ موج کوثر از شیخ محمد اکرم

۴۵۔ حوض کوثر از شیخ محمد اکرم

۴۶۔ بلوچ قوم اور اس کی تاریخ از نور احمد خان آفریدی

۴۷۔ نواب مظفر خان شہید از عمر کمال فاروقی سدوزئی

۴۸۔ پاکستانی اقوام از عبدالرزاق جنجوعہ سنہ ۱۹۷۰ء

۴۹۔ اجلال و حشم از سید موسیٰ کاظم کلیم بھکر ۱۹۸۱ء

۵۰۔ جلیس و کلیم از سید موسیٰ کاظم کلیم بھکر سنہ ۱۹۸۱ء

۵۱۔ تاریخ بھیرہ از ابو شاہین فاروقی سنہ ۱۹۷۶ء

۵۲۔ تاریخ گوجراں از حافظ عبدالحق سیالکوٹ سنہ ۱۹۳۰ء

۵۳۔ ماضی کے مزار از سید سبطِ حسن سنہ ۱۹۶۹ء

۵۴۔ تاریخ شیر شاہی از عباس خان سراوانی

۵۵۔ سیرت احمد شہید از غلام رسول مہر

۵۶۔ سرگزشت مجاہدین از غلام مہر رسول

۵۷۔ تاریخ لطیف از سید محمد لطیف

۵۸۔ تاریخ اعوان از ڈاکٹر غلام نبی لاہور

۵۹۔ راجپوت گوتیں از مفتی غلام سرور لاہوری سنہ ۱۸۷۷ء

۶۰۔ تاریخ راجپوتاں از ٹھاکر سنگھ کاہن سنہ ۱۹۱۳ء

۶۱۔ تاریخ قوم راجپوت از شہادت علی خان کھچی سنہ ۱۹۷۹ء

۶۲۔ رسالہ تاریخ کھچی راجپوت از ولی خان کھچی تاندلیانوالہ

۶۳۔ سوانح غلام حسن خان ہوت بلوچ۔ از غلام حسن خان ہوت بلوچ خان پور شمالی ضلع ڈیرہ اسماعیل خان۔

۶۴۔ تاریخ جنجوعہ از راجہ محمد انور خان جنجوعہ

۶۵۔ تاریخ ڈھدی راجپوت از ملک محمد شفیع ڈھڈی

۶۶۔ تاریخ ڈیرہ اسماعیل خان از رائے بہادر منشی جر بخیت لعل

۶۷۔ نواب مظفر خان شہید از عمر کمال فاروقی سدوزئی سنہ ۱۹۶۶ء

۶۸۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ از پروفیسر سیتا رام کوہلی

۶۹۔ علمائے ہند کا شاندار ماضی از میاں شیر محمد

۷۰۔ تین مسلمان سیاح از تابش صدیقی

۷۱۔ ماہنامہ نوائے راجپوت لاہور از جنوری سنہ ۱۹۸۴ء

۷۲۔ ماہنامہ الاعوان لاہور از اکتوبر سنہ ۱۹۸۴ء

۷۳۔ روزنامہ جنگ لاہور از ۱۶ جون سنہ ۱۹۸۲ء

۷۴۔ ہفت روزہ بادبان میانوالی سپلیمنٹ ۱۵ ستمبر سنہ ۱۹۸۱ء لاہور

۷۵۔ رسالہ بلوچی دنیا از جنوری سنہ ۱۹۸۵ء

۷۶۔ پنجاب گورنمنٹ ریکارڈ جلد پنجم

۷۷۔ بحوالہ خالصہ دربار ریکارڈ جلد اوّل

۷۸۔ تاریخ بھڈوال از محمد رمضان بھڈوال لانسر سنہ ۱۹۰۱ء

مصنّف کا تعارف

چوہدری محمد حنیف ایڈووکیٹ صدر سربلند اسلامی ادبی مجلس منکیرہ

ملک دوست محمد کھوکھر یکم اکتوبر ۱۹۳۶ء کو محلہ اسلام پورہ منکیرہ ضلع بھکر میں میاں اللہ وسایا کھوکھر کے ہاں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد صاحب نہایت پاکباز، صوفی منش، درویش صفت انسان اور پابند صوم وصلوٰۃ تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب کئی واسطوں سے قطب شاہ سے جا ملتا ہے۔ بایں وجہ قطب شاہی کھوکھر سے منسوب ہیں۔ آپ نے اپنے آبائی شہر منکیرہ میں مڈل تک تعلیم پائی۔ ۱۹۵۴-۵۵ء میں گورنمنٹ نارمل سکول شاہ پور شہر ضلع سرگودھا سے جے وی کا امتحان پاس کر کے اکتوبر ۱۹۵۵ء سے پیشۂ تدریس سے منسلک ہو گئے۔ پندرہ سال تک درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا لیکن گھریلو حالات سے مجبور ہو کر سنہ ۱۹۷۰ء میں ملازمت سے سبکدوش ہو گئے۔

سنہ ۱۹۴۷ء کی تحریک پاکستان میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن منکیرہ کے فعال کارکن کی حیثیت سے بھرپور حصہ لیا۔ سنہ ۱۹۷۵ء میں سے جمعیت العلمائے پاکستان میں باقاعدہ رکنیت حاصل کر کے اسلامی شعائر میں زبردست شہرت حاصل کی نیز ذوالفقار علی بھٹو کے استحصالی دور کے خاتمہ اور تحریک نظام مصطفےٰ میں قومی اتحاد کے پلیٹ فارم پر قابلِ قدر محرک اور سرگرم رکن کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔

حکومت پنجاب نے چھ نئے اضلاع اور متعدد سب ڈویژن میں اضافہ کرنے کا منصوبہ بنایا تو عظیم ترتھل کے قدیمی دارالسلطنت اور مرکزی شہر منکیرہ کے اہالیان نے منکیرہ کو سب ڈویژن بنانے کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی جن کا نام منکیرہ تحصیل بناؤ کمیٹی رکھا۔ اس میں آپ کو جوائنٹ سیکرٹری کے فرائض تفویض ہوئے۔ آپ نے ہمہ وقتی سعیِ بلیغ سے تن من دھن صرف کر کے اس عظیم تحریک کو کامیاب و کامران کیا۔

منکیرہ کو تحصیل کا درجہ ملنے کے بعد عظیم ترتھل کے اہل علم اور دانش ور حضرات کے دلوں میں اس قدیم دارالسلطنت کی عظیم شخصیتوں کو منظرِ عام پر لانے کے جذبات موجزن ہوئے چنانچہ باذوق حضرات کے تعاون سے ایک انجمن موسوم بہ سربلند اسلامی ادبی مجلس قائم ہوئی۔ اس انجمن نے موجودہ دور کے نوجوانوں میں اسلامی شعائر۔ اسلامی نظریات۔ نظریہ پاکستان۔

استحکامِ پاکستان اور قومی یک جہتی کے موضوع پر ادبی تحریر و تقریر کی ترقی و تعمیر کے لئے تقریبات منعقد کرانے کا اہتمام کیا۔

اب انجمن نے تاریخ ریاست منکیرہ کی طباعت کا بیڑا اُٹھایا ہے اور تاریخ ریاست منکیرہ کی تصنیف کے لئے نظرِ انتخاب ملک دوست محمد کھوکھر جیسی محنتی علمی باذوق شخصیت پر پڑی۔ زیرِ نظر تاریخ ریاست منکیرہ کی اشاعت میں عوامی اور سماجی حلقوں نے بھرپور تعاون کیا جو قابلِ صد تحسین ہے جس کی عمومی کاوش کا سہرا ملک دوست محمد کھوکھر مصنف تاریخ منکیرہ کے سر ہے۔

مصنف نے جس کاوش، عرق ریزی، تحقیق و تدقیق سے تاریخی مواد اکٹھا کیا ہے، قابل ستائش ہے مجھے امید ہے کہ یہ کتاب مستقبل کی نسل کے لئے بیش بہا انمول خزانہ ثابت ہوگی۔

ے
فطرت کے تقاضوں کی کرتا ہے نگہبانی
یا بندۂ صحرائی، یا مردِ کہستانی